هَدِیَّۃُ الدَّرَارِیْ

یعنی

مُقدّمۂ صحیحِ بُخارِیْ

اِس مقدمہ میں اِمام بُخاری اوراُن کی جامع صحیح سے متعلق ضروری اورنہایت مفید معلومات، معتبراورمستند کتابوں سے کشید کرکے جمع کی گئی ہیں۔ صحیح بخاری کے تراجم أبواب، اسنادواد حدیث کے دیگراہم علمی مباحث کے ساتھ متداول شروحاتِ بخاری پرنہایت دلنشین وشگفتہ انداز میں سیرحاصل بحث کی گئی ہے، امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے صحیح بخاری کے طلبہ کو بصیرت حاصل ہوگی اورجامع صحیح کے عالی مقام کو سمجھیں گے۔

جامع ومُرتّب

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم

سابق أستاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات (الھند)

حال شیخ الحدیث مدرسہ عربیۃ اسلامیہ

آزادول۔جنوبی افریقہ ۱۷۵۰

تقریظ

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی

شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن

کراچی۔پاکستان

تقریظ

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی

اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

ہند

تقریظ

حضرت مولانا عبدالحق صاحب

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

ہند

ناشر

درخواستی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن - کراچی نمبر ۵

کتاب کا نام : .... ھدیۃ الدراری لطالبی صحیح الامام البخاری
یعنی مقدمہ صحیح بخاری
مؤلف کا نام .... حضرت مولانا فضل الرحمٰن اعظمی
شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ آزادول جنوبی افریقہ
ناشر .... درخواستی کتب خانہ بوری ٹاؤن کراچی۔
تاریخ اشاعت .... شوال ۱۴۱۹ھ مطابق فروری ۱۹۹۹ء
قیمت .... ۰۰-۱۲۰ /روپے
طابع .... ادارۂ طباعت، ناظم آباد ۲ فون: ۶۶۸۶۰۸۴

ملنے کے پتے :-

۱-نور محمد کتب خانہ آرام باغ
۲-قدیمی کتب خانہ آرام باغ
۳-اقبال نعمانی آفیسر کالونی گارڈن
۴-اسلامی کتب خانہ
۵-مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
۶-مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
۷-دار الأیوب، لوسالا، زامبیا پوسٹ بکس نمبر ۳۳۷۹۷

تقریظ

بندہ مفتی نظام الدین شامزی نے "ھدیۃ الدراری مقدمہ شرح البخاری" جو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی شاگرد خاص محقق دوراں حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ اعظمی کی تصنیف لطیف ہے، دیکھی، بندہ آج سے دو سال پہلے جب جنوبی افریقہ کے سفر پر تھا تو دارالعلوم آزادول میں (جہاں حضرت مولانا موصوف شیخ الحدیث ہیں) ملاقات ہوئی تھی اور اس موقعہ پر حضرت نے اس ھدیہ ثمینہ سے نوازا تھا۔

بندہ نے کتاب کا کچھ حصہ سفر ہی میں پڑھا تھا اور کچھ بعد میں پڑھا۔ کتاب میں علم حدیث اور خصوصاً صحیح بخاری کی ابتدائی اور تمہیدی مباحث پوری تحقیق و تفصیل کے ساتھ بحوالہ کتبؒ جمع کردی گئی ہیں۔ اس وقت یہ کتاب پاکستان میں چھپ رہی اور انشاء اللہ تعالی یہاں بھی طلباء اور اساتذہ حدیث کتاب کی محققانہ ابحاث سے مستفید ہوں گے۔

بندہ اس وقت اپنی علالت کی بناء پر اگرچہ تفصیل سے کچھ نہیں لکھ سکتا لیکن انشاء اللہ تعالی کتاب کی خوبی خود اہل علم سے خراج تحسین وصول کرے گی - اللہ تعالی اس کتاب کو اپنے دربار عالی میں قبول فرمائے اور اپنی مخلوق کے لئے اس کو نافع بنادے اور مصنف کو دنیا و آخرت کی کامیابیاں نصیب فرمائے - جو حضرات پاکستان میں اس کی طباعت کی سعی کر رہے ہیں اللہ تعالی انہیں بھی اجر جزیل عطا فرمائے - آمین

نظام الدین

استاد جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی - پاکستان

تقریظ

ڈاکٹر علی اصغر چشتی-----انچارج دعوۃ اکیڈمی،
واستاذ حدیث فیصل یونیورسٹی اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد:

اس وقت ہمارے ہاں علم حدیث کے جو مصادر اور مآخذ متداول اور رائج ہیں ان میں سب سے زیادہ بنیادی قابل اعتماد اور صحیح ترین مستند مجموعہ امام بخاری کی جامع صحیح کا ہے زمانہ تدوین کے بعد سے لے کر آج تک کروڑوں افراد اس سے استفادہ کر چکے اور انشاء اللہ تعالی تا قیام قیامت اس سے استفادہ جاری وساری رہے گا۔

دینی اداروں کے شیوخ الحدیث امام بخاریؒ کی صحیح کا اپنے تلامذہ کے سامنے درس دیتے وقت پہلے امام بخاریؒ اور آپ کی صحیح کا تفصیلی تعارف کراتے ہیں -اس تعارف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلباء کے سامنے ایسے راہنما نکات آجائیں جو بعد میں دوران درس ان کے لئے مفید اور رہنما ثابت ہوں- محترم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی ایک عرصہ سے مدرسہ عربیہ آزادول جنوبی افریقہ میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں- آپ نے ''**ھدایۃ الاراری مقدمہ صحیح البخاری**'' کے نام سے جو کتاب ترتیب دی ہے طلباء اور اساتذہ حدیث کے لئے یکساں طور پر نہایت مفید اور دقیع

معلومات سے پُر ہے -جو مباحث جمع کئے ہیں نہایت دلچسپ اور معلوماتی ہیں-یوں لگتا ہے کہ محترمی مولانا اعظمی صاحب نے اس کی ترتیب کے ضمن میں علم حدیث کے اہم مآخذ و مصادر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اپنے موضوع کی مناسبت سے طلبہ حدیث کیلئے مفید جامع اور وقیع اقوال کشید کئے ہیں-بندہ ناچیز نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور اسے ہر پہلو سے بہت مفید پایا ہے-اس کتاب پر دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تبصرہ کر چکے ہیں میں اپنے آپ کو قطعاً اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس پر تقریظ قسم کی کوئی چیز لکھوں- محترم مولانا مفتی شمس الدین صاحب کی فرمائش پر یہ چند سطور رقم کر رہا ہوں- محترم مفتی صاحب چاہتے ہیں کہ اس مقدمہ کی طباعت پاکستان میں بھی ہو تاکہ یہاں کے طلباء اور اساتذہ حدیث بھی اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں-

میری دعاء ہے کہ اللہ جل شانہ اس "مقدمہ" کے مرتب شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمان اعظمی صاحب کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ان کی اس علمی کاوش کو مقبول عام بنائے- آمین

علی اصغر چشتی

استاد حدیث فیصل یونیورسٹی

اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین مقدمۂ بخاری

ناشر

ادارہ احیاء سنت ۹ آزاد ایونیو آزاد وِل جنوبی افریقہ ۱۷۵۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا عبد الحق صاحب اعظمی مدظلہٗ

شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند، الہند

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد۔

ھدیۃ الدراری لطالبی صحیح الامام البخاری، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ آزادول جنوبی افریقہ کی تالیف ہے جس کا ناکارہ نے بعض جگہوں سے مطالعہ بھی کیا ہے۔ مولانا ممدوح نے اسناد پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اسی طرح سے تراجم ابواب پر اصولی بحث فرمائی اور دیگر علمی مباحث بھی ہیں جو بخاری شریف پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے راہ نما خطوط ہیں یہ کتاب طلبہ اور مدرسین کے لئے یکساں مفید ہے یہ کتاب حضرت مولانا کی حدیثی معلومات کی شاہکار ہے۔ مولانا موصوف نے اور دیگر کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں جنکو اہل علم نے قبولیت کی نگاہ سے دیکھا ہے اللہ جل شانہ کی ذات سے پوری امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ تالیف لطیف بھی۔ قبولیت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی ناکارہ بھی دعا کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ اس کتاب کو قبولیت سے نوازیں اور حضرت مولانا کو صحت کے ساتھ رکھ کر دیگر علمی اور دینی خدمات کے مواقع فراہم فرمائیں آمین ؎ آمین آمین لا اقول بواحدۃ حتی اضم الیہا الف آمینا

ناکارہ

عبد الحق غفرلہ

خادم دار العلوم دیوبند

۱۸ ۷/۱۶ ھ

تقریظ

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

ہندو پاک وبنگلہ دیش کے دینی مدارس میں عام رواج ودستور ہے کہ تعلیمی فن کے آغاز میں جب کسی کتاب کو استاد شروع کراتا ہے تو جس فن کی کتاب ہے اس فن کی تعریف وموضوع وغرض وغایت اور اس فن کی اہمیت وضرورت کو بیان کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جس کتاب کو پڑھاتا ہے اس فن کی کتابوں میں اس کی حیثیت اس کے مصنف کا تعارف اس فن میں مصنف کا مقام نیز اس فن کی تاریخ تدوین ان سب باتوں کو مختصر طور پر بیان کرتا ہے مگر جب سے انکار حدیث کا فتنہ ہندوستان میں شروع ہوا اس کے بعد علم حدیث کی کتابوں میں اور خاص طور پر بخاری شریف کے شروع کرانے میں ان امور پر تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا دستور ہو گیا۔

جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مئوی جب آزادول جنوبی افریقہ کے مدرسہ میں بسلسلۂ تدریس تشریف لے گئے اور ان سے بخاری شریف کی تدریس متعلق ہوئی تو انھوں نے ان مضامین کو قلمبند کر لیا جن کو ابتدا میں بیان کرنے کا دستور ہے اور پھر اس کے فائدے کو عام کرنے کی غرض سے اس کو کتابی شکل دیدی۔ علماء متقدمین علم حدیث کے ہر گوشہ پر اس قدر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں کہ بعد میں آنے والا اس پر اضافہ نہیں کر سکتا جیسا کہ شامی کی عبارت سے واضح ہے۔

علم نضج ولا احترق وهو علم النحو والاصول وعلم لا نضج ولا احترق وهو علم البیان والتفسیر وعلم نضج واحترق وهو علم الحدیث
شامی ص۳۷ج۱ اب بعد میں آنے والے کا بڑا کارنامہ یہی ہے کہ زمانہ کے حالات، لوگوں کی ضرورت اور طلبہ کی صلاحیت واستعداد کی رعایت کرتے ہوئے اس ناپیدا کنار سمندر سے طرح طرح کے موتیوں کو چن کر ایک لڑی میں پرو دے۔ مولانا موصوف کے رسوخ فی العلم واخلاص فی العمل کی دلیل ہے کہ انھوں نے اس بات کو صاف صاف لکھدیا کہ ہم متقدمین کے خوشہ چیں اور کاسہ لیس ہیں اور کاسۂ گدائی لیکر ان حضرات کے خوانِ علم وتحقیق کے گرد گھوم رہے ہیں۔ مولانا نے ضرورت کی چیزوں کو نہایت سلیقہ سے ترتیب دیا اور اتنی معلومات بہم پہونچائیں کہ تنہا اس کتاب کو پڑھنا بہت سی کتابوں سے مستغنی کردیگا بعض بحثیں تو ایسی ہیں کہ ان کا یکجا طور پر کسی ایک کتاب میں ملنا مشکل ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیثیں مفید یقین ہیں یا نہیں اس عنوان کے تحت جانبین کے دلائل اور اکابرِ دیوبند رحمہم اللہ کی تحقیقات کو ایسے سلیقہ سے جمع کردیا ہے اور ساتھ ہی فریقین اور کتاب کی عزت واحترام کو برقرار رکھا ہے کہ ہر پڑھنے والے کو اکابرِ علماءِ دیوبند کی تحقیقات پر شرح صدر ہو جائیگا اور جملہ شکوک وشبہات رفع ہو جائیں گے۔ دعا ہے کہ باری تعالیٰ کتاب کو قبول فرما کر اہل علم کے لئے مفید اور مصنف کے لئے زادِ آخرت بنائیں۔ آمین۔

نعمت اللہ غفرلہ
خادم التدریس دارالعلوم دیوبند
۴ رجب ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بنعمتہ وتوفیقہ یتحصل العباد علی الطاعات والصلوۃ والسلام علی خیر عبادہ وسید انبیارہ .ورسلہ محمد النبی الامی، وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واتباعہ اجمعین.

امابعد

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور ان کی مشہور زمانہ کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ۔ صحیح البخاری سے متعلق کچھ ضروری معلومات ہیں۔ جو درس میں طلبہ کو سنانے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ امام بخاریؒ کی دیگر تصنیفات کا بھی تذکرہ ہے لیکن وہ اس تحریر کا موضوع نہیں اسلئے ان پر کوئی تبصرہ نہیں۔

اس کا اصل مأخذ حافظ ابن حجر عسقلانی کا مقدمۂ فتح الباری۔ ہدی الساری۔ ہے۔ اور پھر مقدمۂ قسطلانی اور مقدمۂ لامع الدراری حضرت شیخ محمد زکریا رحمہ اللہ سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری سے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سب کو جمع کرنا اس تحریر کا مقصد نہیں۔ اصولی اور ضروری باتیں جن سے مصنفؒ کا کچھ تعارف اور ان کی کتاب کی خصوصیات کا علم ہو جائے یہی اس تحریر کا مقصد ہیں۔

اس تحریر میں کوئی جدید انکشاف نہیں۔ اب تک محققین نے جو تحقیقات پیش کی ہیں ان کو ایک خاص ترتیب سے جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ جو بات جہاں سے لی گئی ہے اس کا مکمل حوالہ ہو۔ عربی عبارتیں

نہیں ہیں اسلئے کہ تقریبًا سبھی مآخذ عربی ہیں، اگر ہر جگہ عربی عبارت بھی لکھی جائے تو تحریر دوگنی ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ مصنف اور ان کی کتاب کے تمام خدام کی خدمات کو قبول فرمائے۔ ہم ان متقدمین کے خوشہ چیں اور کاسہ لیس ہیں۔ کاسۂ گدائی لیکر ان حضرات کے خوانِ علم و تحقیق کے ارد گرد گھوم رہے ہیں۔ علمِ نبوت کا کچھ حصہ نصیب ہو جائے تو زہے قسمت۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

فضل الرحمٰن اعظمی
آزاد دل جنوبی افریقہ
۶/ شعبان ۱۴۱۱ھ
۲۱/ فروری ۱۹۹۰ء

حالات امام محمدؒ بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ

ولادت: ۱۳ شوال ۱۹۴ھ ـــــ وفات شب عید الفطر ۲۵۶ھ عمر شریف ۶۲ سال

نام ونسب۔ آپ کا نسب نامہ یوں ہے۔ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ بن بَرْدِزْبَہْ (بفتح الباء الموحدۃ وسکون الراء المہملۃ وکسر الدال المہملۃ وسکون الزاء المعجمۃ وفتح الباء الموحدۃ بعدہا ہاء) بردزبہ کا یہی ضبط مشہور ہے۔ اس میں اور بھی اقوال ہیں[۱]۔ اہلِ بخاریٰ کے محاورہ میں اس کا معنی کاشتکار کا ہوتا ہے بردزبہ فارس کے تھے۔ اپنی قوم کے دین مجوسیت پر تھے۔ ان کے بیٹے مغیرہ یمان جعفی والیٔ بخارا کے ہاتھ پر اسلام لائے، نسبت ولاء کی وجہ سے مغیرہ جعفی کہلائے اسی لئے امام بخاری کو جعفی کہتے ہیں۔ مولاہم الجعفی۔

یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے کہ جو کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو اس کو اس کی ولاء ملتی ہے (فیض الباری ص۲۳ ج۱)

مغیرہ بخاریٰ میں

امام بخاری کے پردادا مغیرہ مسلمان ہو کر بخاریٰ آ گئے۔ ان کے بیٹے ابراہیم کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا البتہ ان کے بیٹے یعنی امام بخاری کے والد۔ اسماعیل۔ کا ذکر ابن حبان نے کتاب الثقات کے طبقۂ رابعہ کے محدثین میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کو حماد بن زید اور امام مالک سے روایت حاصل ہے۔ اور عراق کے لوگوں نے ان سے روایت کی ہے۔

(ہدی الساری ص۴۷۷)

---

[۱] مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے ترجمان السنہ ص۲۵۲ ج۱ کے حاشیہ میں ایک روسی عالم کے حوالہ سے بَرْدَازْبہ نقل کیا ہے اور معنی صیقل اور ماہر بتایا ہے ۱۲۔

امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ان کے والد کو امام مالک اور حماد بن زید سے سماعت حاصل ہے اور عبداللہ بن المبارک سے مصافحہ کیا ہے۔ (مقدمۂ فتح الباری ھدی الساری ص۴۷۷) بعض نسخوں میں صَافحَ کے بجائے صَحِبَ ہے (دیکھئے ہدی الساری ص۴۷۷ مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند)

امام بخاری کی تاریخ کبیر کے الفاظ یہ ہیں۔ رأی حماد بن زید صافح ابن المبارك بكلتا يديه وسمع مالكاً (ص۳۰۶ ق ا طبع حیدرآباد الہند) جس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ اسماعیل نے حماد بن زید کو دیکھا کہ ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ اور امام مالک سے حدیث سنی ــــ نہ یہ کہ اسماعیل نے ابن مبارک سے مصافحہ کیا۔

لیکن حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں تاریخ کبیر کے مطابق نقل کیا۔ کہ اسماعیل نے حماد بن زید اور ابن مبارک سے روایت کی۔ ورأی حماد بن زید صَافحَ ابن المبارك بكلتا يديه یعنی اور حماد بن زید کو دیکھا کہ انھوں نے ابن مبارک سے مصافحہ کیا۔ نیز لکھتے ہیں قال ابی رأیت حماد بن زید وجاءه ابن المبارك بمكة فصافحه بكلتا يديه یعنی میرے والد نے فرمایا کہ میں نے حماد بن زید کو دیکھا کہ ان کے یہاں ابن المبارک مکہ مکرمہ میں آئے تو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ص۲۷۴ ج۱)

حضرت شیخ زکریا مقدمہ لامع میں حافظ کی عبارتوں کا یہ اختلاف ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ شاید ایسا نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ہوگا (مقدمۂ لامع ص۴۲) اس موقعہ پر انوار الباری کے مقدمہ میں ترجمہ کی خامی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

امام بخاری نے کتاب الاستیذان کے باب المصافحہ کے بعد باب الاخذ بالیدین ص۹۲۶ میں بھی حماد بن زید کا ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ذکر کیا ہے۔ اور تاریخ میں اس کو سند متصل کے ساتھ عبداللہ بن سلمہ مرادی کے تذکرہ میں ذکر کیا کما ذکرہ الحافظ فی تہذیبہ۔

یہ عبداللہ بن مبارک جن سے امام بخاری کے والد بزرگوار ملے یا دیکھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگردوں میں ہیں لیکن تعجب ہے کہ حافظ نے تہذیب التہذیب میں امام صاحب کے تلامذہ میں ان کو نہیں گنایا جبکہ تہذیب الکمال کے مصنف (حافظ مزیؒ) نے امام صاحب کے شاگردوں میں ان کا بھی نام لیا تھا۔ شیخ محمد زکریاؒ نے اس کی شکایت کی ہے (دیکھئے مقدمۂ لامع ص۱۸) بہرحال صحبت والی روایت کی رو سے امام بخاری کے والد امام اعظم کے شاگرد کے شاگرد ہوئے قسطلانی مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

ذہبی نے۔ تاریخ الاسلام۔ میں فرمایا کہ بخاری کے والد پرہیزگار علماء میں سے تھے۔ ابو معاویہ اور ایک جماعت سے روایت کی۔ ان سے احمد بن جعفر اور نصر بن حسین نے۔ احمد بن حفص (ابوحفص کبیر تلمیذ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ) نے فرمایا۔ میں ابوالحسن اسماعیل بن ابراہیم (والدِ امام بخاری) کے یہاں ان کے انتقال کے وقت حاضر ہوا تو فرمایا۔ میں اپنے تمام مال میں ایک درہم بھی شبہ کا نہیں جانتا، احمد کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے اپنے کو حقیر سمجھا۔ (مقدمۂ قسطلانی ص۳۶) فتح الباری میں احمد کے بجائے احید چھپا ہوا ہے۔ دو نسخوں میں ایسا ہی ہے (ص۴۷۹) احمد بن حفص سے مراد ابوحفص کبیر ہیں جو بہت بڑے حنفی فقیہ۔ صاحبین کے شاگرد تھے۔ بخاریٰ کے رہنے والے تھے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوحفص کبیر اور امام بخاری کے والد کے درمیان روابط اور تعلقات تھے [1]

---

[1] مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ لکھتے ہیں کہ۔ یہ تعلقات اسماعیل کی وفات کے بعد بھی دونوں خاندانوں میں بدستور قائم رہے، چنانچہ امام بخاری اور ان (ابوحفص کبیر) کے صاحبزادے امام ابوحفص صغیر مدت تک طلب حدیث میں رفیق اور ہم سفر رہے۔ ایک بار ابوحفص کبیر نے امام بخاری کو اس قدر مالِ تجارت بھیجا تھا کہ اس کو بعض تاجروں نے پانچ ہزار کے نفع سے ان سے خریدا اور بعض تاجر اس سے بھی دوگنے نفع پر لینے کو تیار تھے لیکن امام بخاری نے اپنے ارادہ کو بدلنا پسند نہ فرمایا (مقدمۂ فتح الباری ص۴۸۰)

امام بخاریؒ نے ابوحفص کبیر سے پڑھا بھی تھا۔ خطیب بغدادی نے اپنی سند سے (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

ولادت اور ابتدائی حالات

ولادت اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ امام بخاری کی ولادت ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بعد نماز جمعہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یہ واقعہ ذکر کیا ہے ــــ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ جعفی (امام بخاری) نے بیان کیا کہ میں ابو حفص (کبیر) احمد بن حفص کے پاس جامع سفیان کا سماع اپنے والد کی کتاب میں کر رہا تھا کہ وہ ایک حرف سے گذرے جو میرے یہاں نہ تھا میں نے ان سے مراجعت کی انھوں نے دوبارہ وہی بتایا میں نے دوبارہ مراجعت کی پھر انھوں نے وہی بتایا آخر میں نے تیسری دفعہ مراجعت کی تو ذرا چپ رہے پھر دریافت فرمایا یہ کون ہے لوگوں نے کہا اسماعیل بن ابراہیم بن بردزبہ کا لڑکا ہے۔ فرمایا اس نے صحیح بتایا یاد رکھو یہ لڑکا ایک دن مرد میدان ہوگا (تاریخ بغداد ص ۱۱/۲ طبع مصر ۱۳۴۹ھ)

حافظ ابن حجر نے بھی ھدی الساری میں ابو حفص کبیر کو امام بخاری کے مشائخ میں شمار کیا ہے اور ان کے حق میں ابو حفص کبیر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ھذا یکون لہ صیت، اس کا شہرہ ہوگا (ھدی ص ۴۸۲)

امام ابو حفص کبیر کی وفات ۲۱۷ھ میں ہوئی امام شافعیؒ کے ہم عمر تھے اور ان کے بہت بعد تک زندہ رہے آپ کے زہد و عبادت کے کچھ واقعات روضۃ العلماء امام زندوستی میں مذکور ہیں

ابو حفص کبیر امام محمد کے کبار تلامذہ میں تھے اور بخاری میں علماء احناف کی سربراہی ان پر ختم تھی۔ قالہ الذھبی فی سیر اعلام النبلاء۔

سمعانی نے لکھا ہے کہ ان سے بے شمار لوگوں نے روایت کی ہے (ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۸۵ و ص ۱۸۶)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ابو حفص کبیر فقہ و حدیث کے مشہور ائمہ میں سے ہیں، اور امام بخاری کا اس خاندان سے والد کے زمانہ سے تعلق تھا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے امام بخاری کو احناف سے شروع سے کوئی اختلاف نہیں تھا ان کی شاگردی بھی کی۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

بخاری میں ہوئی (مقدمۃ النووی لشرح البخاری ص۲۳ وھدی الساری ص۴۷۷)
والد صاحب کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا اس لئے ماں کے زیر تربیت نشو ونما پائی
(ھدی ایضاً)

کرامت امام بخاریؒ بچپن میں نابینا ہو گئے تھے۔ والدہ محترمہ خوب دعا کرتی رہیں۔ ایک دفعہ خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ فرمارہے ہیں۔ اے عورت! تیری دعا کی کثرت سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے بچے کی بینائی واپس کر دی۔ صبح اٹھے تو واقعۃً بینا تھے (ھدی ص۴۷۸)

طلب علم علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ بخاری نے ۲۰۵ھ سے تحصیل علم اور سماعِ حدیث شروع کیا اور بچپن ہی میں ابنِ مبارک کی تصنیفات یاد کر لیں (تذکرۃ الحفاظ ص۵۵۵/۲) اس وقت امام بخاریؒ دس سال کے تھے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں مکتب میں تھا جبھی سے حدیث یاد کرنے کا مجھے خیال ہوا۔ ورّاقِ بخاری محمد بن ابی حاتمؒ نے پوچھا۔ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ فرمایا۔ دس سال یا اس سے بھی کم۔ پھر میں مکتب سے نکلا اور محدث داخلی وغیرہ کے پاس جانے لگا ایک روز وہ یوں سند بیان کر رہے تھے ــــ سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم۔ میں نے کہا ابوالزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے۔ تو مجھے ڈانٹا میں نے کہا۔ اگر آپ کے پاس اصل ہو تو دیکھ لیجئے۔ اندر گئے اور دیکھا پھر واپس آئے اور فرمایا کیسے ہے اے بچے؟ میں نے کہا وہ زبیر یعنی ابن عدی ہیں۔ ابراہیم سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد قلم لیا اور اپنی کتاب درست کی اور فرمایا تم نے ٹھیک کہا۔ امام بخاری سے کسی نے پوچھا اس

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شاید فقہ حنفی سے بھی اس وقت واقفیت ہوئی ہوگی لیکن بعد میں حالات کے تغیر اور دوسرے انداز کے لوگوں سے تعلق ہونے پر احناف سے اختلاف ہو گیا۔ کچھ وجوہات آئندہ آنے والی ہیں (دیکھئے مقدمۂ اعلاء السنن ص۲۳۴ مع تعلیق الشیخ عبد الفتاح ابی غدہ۔

وقت آپ کی عمر کیا تھی۔ فرمایا۔ گیارہ سال۔

فرمایا جب میں سولہ سال کا ہوا تو ابن مبارک اور وکیع کی کتابیں مجھے یاد ہو چکی تھیں اور اصحاب رائے کے اقوال معلوم ہو گئے تھے۔ اس کے بعد میں نے اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ حج کا سفر کیا (ھدی ص۴۷۸) اسی عمر میں سفر شروع کرنے سے قبل ابوحفص کبیر سے جامع[1] سفیان ثوری بھی سنی ہو گی جیسا کہ خطیب بغدادی ص۱۱ج۲ کے حوالہ سے گذرا۔ مذکورہ بالا روایت سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جب تک بخاریٰ میں تھے اصحاب الرائے سے اچھے تعلقات بھی تھے اور ان کے اقوال بھی معلوم کئے تھے۔

علمی سفر مذکورہ بالا روایت سے حافظ صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امام بخاری

---

[1] سفیان ثوری م ۱۶۱ھ کی جامع ایک زمانہ میں بڑی مقبول اور متداول رہی ہے۔ امام بخاری کے تذکرہ میں اس موقعہ پر موطا مالک کا ذکر نہیں لیکن جامع سفیان کا ہے۔ امام ابو داؤدؒ نے اس کو تمام کتابوں سے بہتر بتایا ہے۔ جیسا کہ ان کے خط میں جو سنن ابو داؤد کے بارے میں اہل مکہ کو لکھا تھا اس کی تصریح ہے۔ امام زفر متوفی ۱۵۸ کے سامنے بصرہ میں جب یہ جامع سفیان پیش کی گئی تو فرمایا۔ یہ ہمارا کلام ہے جو غیروں سے نقل کر رہے ہیں (ذیل الجواہر المضیئۃ ص۵۳۵) سفیان ثوری کوفہ کے رہنے والے تھے بہت سے مسائل میں ان کا امام ابوحنیفہ سے اتفاق تھا جیسا کہ ترمذی سے ظاہر ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ سفیان ثوری مجھ سے زیادہ ابوحنیفہ کے متبع ہیں (الانتقاء لابن عبد البر ص۱۳۵) امام ثوری اگرچہ خود ابوحنیفہ کی مجلس میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ مگر امام صاحب کی فقہ کو انھوں نے علی بن مسہر سے اخذ کیا ہے جو امام صاحب کے خاص تلامذہ میں ہیں اور محدثین کے یہاں متفقہ طور پر ثقہ ہیں۔ یزید بن ہارون م ۲۰۶ کا بیان ہے کہ سفیان ثوری ابوحنیفہ کی فقہ کو علی بن مسہر سے حاصل کرتے تھے اور انہی کی مدد اور مذاکرہ سے انھوں نے یہ کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام الجامع رکھا ہے (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۸۴)

کا پہلا سفر ۲۱۰ھ سے شروع ہوا جبکہ عمر شریف سولہ سال کی ہوگئی (چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کی تصریح کی ہے) حافظ فرماتے ہیں۔ اگر شروع شروع ہی میں نکل پڑے ہوتے تو اپنے معاصرین کی طرح طبقۂ عالیہ کے مشائخ کو پالیتے جنکو نہیں پاسکے۔ محدث عبدالرزاق کا زمانہ پایا تھا۔ ان کے پاس جانے کا ارادہ بھی کرلیا تھا اور پالینا ممکن بھی تھا لیکن بتایا گیا کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے، اس لئے یمن ان کے پاس نہیں گئے۔ بالواسطہ ان سے روایت کرتے ہیں (ھدی ص۴۷۸ ولبعدہا)

سفرِ حج ۲۱۰ھ میں اپنی والدہ[1] اور بڑے بھائی کے ساتھ حج کو گئے۔ حج سے فارغ ہوکر بھائی تو واپس بخاریٰ آگئے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوگیا۔ امام بخاری مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے۔ علم حاصل کرتے رہے (ھدی ص۴۷۸)

ماں کے بارے میں کتابوں میں کچھ لکھا ہوا نہیں ملا غالباً وہ بھی بڑے بھائی کے ساتھ واپس آگئیں۔ اور غالباً امام بخاری بخاریٰ سے نکلنے کے بعد اس وقت واپس ہوئے جب تمام شہروں کے مشائخ سے حدیثیں حاصل کرلیں۔

حافظ ابن حجر سہل بن السری سے امام بخاری کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں شام، مصر، جزیرہ دو مرتبہ گیا اور بصرہ چار مرتبہ حجاز میں چھ سال قیام کیا اور محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد کتنی بار گیا اس کو شمار نہیں کرسکتا۔ (ھدی ص۴۷۸)

ایک بار فرمایا۔ حج کے بعد میں مدینہ منورہ میں ایک سال تک ٹھہرا رہا حدیثیں لکھتا رہا اور بصرہ میں پانچ سال رہا میرے ساتھ میری کتابیں تھیں کتابیں تصنیف کرتا رہا اور حج بھی کرتا رہا اور مکہ مکرمہ سے بصرہ آتا جاتا رہتا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ان کتابوں

---

[1] والدہ اور بڑے بھائی۔ یہی صحیح ہے۔ بعض کتابوں میں والد اور بہن کا ذکر ہے وہ کاتب یا مصنف کے قلم کی غلطی ہے ۱۲ لامع ص۱

میں برکت عطا فرمائے گا (ھدی ص۴۸۵)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بصرہ میں حدیثیں سنتے اور شام میں لکھتے۔ کبھی شام میں سنتے اور مصر میں جاکر لکھتے (ایضاً ص۴۸۷) حاکم نے تاریخ نیشاپور میں مندرجہ ذیل شہروں کے مشائخ کے نام ذکر کئے ہیں۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، بخاریٰ، مرو، بلخ، ہرات، رے، نیشاپور، بغداد، واسط، کوفہ، مصر، جزیرہ اور لکھا ہے کہ ان شہروں میں گئے اور وہاں کے مشائخ کے پاس ٹھہرے۔ (مقدمۃ النووی لشرح البخاری ص۳۴ تا ص۳۶) یہ کتاب حاجۃ القاری کے نام سے چھپی ہے

امام ذہبی نے ان شہروں کے نام لئے۔ بلخ، بغداد، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام، عسقلان، حمص، کہ ان کے مشائخ سے سنا (تذکرۃ الحفاظ ص۵۵۵ ج۲)

خطیب بغدادی نے کہا۔ بخاری ان شہروں کے محدثین کے پاس گئے، خراسان، جبال اور عراق کے تمام شہر اور حجاز شام اور مصر میں لکھا۔ بغداد کئی بار گئے (مقدمہ نووی لشرح البخاری ص۳۶)

ابن کثیر نے فرمایا کہ بغداد آٹھ مرتبہ گئے اور ہر مرتبہ امام احمد سے ملتے تو وہ بغداد رہ جانے پر ابھارتے اور خراسان میں رہنے پر ملامت کرتے۔ (مقدمہ قسطلانی ص۳۴)

امام بخاری نے فرمایا کہ میں حمیدی کے یہاں حاضر ہوا جبکہ اٹھارہ ۱۸ برس کا تھا۔ یعنی حج کے سال کے شروع میں تو وہاں ان کے اور ایک دوسرے صاحب کے درمیان اختلاف تھا۔ مجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والا آ گیا۔ پھر دونوں نے میرے سامنے اپنا قضیہ پیش کیا تو میں نے حمیدی کے حق میں فیصلہ کیا۔ اسلئے کہ حق ان کے ساتھ تھا (ھدی ص۴۸۳) امام بخاری نے طلب علم میں کثیر دولت صرف کی۔ اپنے والد سے وراثت میں بہت مال پایا تھا اس کو مضاربت پر دیتے تھے۔ فرماتے ہیں۔ میں ہر مہینہ پانچ سو ۵۰۰ درہم حاصل کرتا تھا اور اس کو طلب علم میں خرچ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے پاس جو ثواب ہے وہ بہتر اور پائیدار ہے۔ (ایضاً ص۴۷۹ و ص۴۸۰)

فرمایا جب میں آدم بن ابی ایاس کے یہاں (عسقلان) پہونچا تو میرا خرچ پہونچنے

میں تاخیر ہوئی حتیٰ کہ میں زمین کی گھاس کھانے لگا۔ جب تیسرا دن ہوا تو میرے پاس ایک آدمی آیا جس کو میں پہچانتا نہیں تھا اور دینار کی ایک تھیلی دے گیا (ایضاً ص۴۸) اس طرح اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آئی پہچ ہے۔ وَمَن یَتَوَکَّلْ عَلَی اللہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔

آغازِ تصنیف

امام بخاریؒ نے تقریباً ابتدائے طلب ہی سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا تاکہ جو کچھ حاصل کر رہے ہیں اسکی آئندہ کے لئے حفاظت بھی ہو سکے اور دوسروں کو اس سے استفادہ کا موقع بھی مل سکے۔

خود فرماتے ہیں۔ کہ میں جب اٹھارہویں برس میں داخل ہوا تو صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ اور ان کے اقوال کو جمع کیا اس وقت عبید اللہ بن موسیٰ زندہ تھے اور اسی وقت میں نے تاریخ (کبیر) مدینہ منورہ میں قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چاندنی راتوں میں تصنیف کی۔ فرمایا۔ تاریخ میں جتنے نام ہیں تقریباً سبھی کے بارے میں کوئی قصہ معلوم ہے لیکن میں نے کتاب کو لمبا کرنا پسند نہیں کیا (تذکرۃ الحفاظ ص۵۵۵ وھدی ص۴۷۸)

مشائخِ امام بخاری

امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ میں نے ہزار سے زیادہ ثقہ علماء سے حدیثیں لکھی ہیں اور کوئی حدیث میرے پاس ایسی نہیں جس کی سند مجھے یاد نہ ہو (مقدمۂ نووی لشرح البخاری یعنی حاجۃ القاری بصحیح البخاری ص۳۶) محمد بن ابی حاتم نے امام بخاری سے نقل کیا کہ میں نے ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) اساتذہ سے حدیثیں لکھیں اور یہ تمام محدث تھے۔ یہ بھی فرمایا۔ کہ میں نے صرف انہی اساتذہ سے حدیثیں لکھیں جو اس بات کے قائل تھے کہ ایمان قول و عمل ہے (ھدی الساری ص۴۷۹)

ابو عبد اللہ حاکم نے۔ تاریخ نیشاپور۔ میں اساتذہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

(۱) بخارا میں۔ محمد بن سلام البیکندی، محمد بن یوسف، عبد اللہ بن محمد المسندی،

ہارون بن الاشعث اور ان کے ہمعصروں سے۔

مکہ مکرمہ[۲] میں۔ ابوالولید احمد بن محمد الازرقی۔ عبداللہ بن یزید المقری، اسماعیل بن سالم الصایغ، ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی اور ان کے ہمعصروں سے۔

مدینہ[۳] منورہ میں۔ ابراہیم بن المنذر الحزامی، مطرف بن عبداللہ، ابراہیم بن حمزہ، ابوثابت محمد بن عبیداللہ، عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی، یحییٰ بن قزعہ اور ان کے ہمعصروں سے۔

شام[۴] میں۔ محمد بن یوسف الفریابی، ابوالنضر اسحاق بن ابراہیم، آدم بن ابی ایاس، ابوالیمان الحکم بن نافع، حیوۃ بن شریح، خالد بن خلی قاضی حمص، خطاب بن عثمان، سلیمان بن عبدالرحمن، ابوالمغیرۃ عبدالقدوس اور ان کے ہمعصروں سے۔

مرو[۵] میں۔ علی بن الحسن بن شقیق، عبدان بن عثمان، محمد بن مقاتل، عبدۃ بن الحکم، محمد بن یحییٰ الصایغ، حبان ابن موسیٰ، اور ان کے ہمعصروں سے۔

بلخ[۶] میں۔ مکی بن ابراہیم (تلمیذ الامام ابی حنیفۃ ۱۲ مقدمۂ لامع ص۱۷) یحییٰ ابن بشر، محمد بن ابان، الحسن بن شجاع، یحییٰ بن موسیٰ، قتیبہ بن سعید، اور ان کے ہم زمانہ لوگوں سے۔ یہاں سے امام بخاری نے بہت حدیثیں لیں (مکی بن ابراہیم سے بخاری کی بائیس[۲۲] ثلاثیات میں سے گیارہ[۱۱] روایتیں مروی ہیں ۱۲ مقدمۂ لامع ص۳۰)

ہرات[۷] میں۔ احمد بن ابی الولید الحنفی سے۔

نیشاپور[۸] میں۔ یحییٰ بن یحییٰ التیمی، بشر بن الحکم، اسحاق بن ابراہیم الحنظلی (ابن راہویہ) محمد بن رافع، احمد بن حفص، محمد بن یحییٰ الذھلی اور ان کے ہمعصروں سے۔

رے[۹] میں۔ ابراہیم بن موسیٰ سے

بغداد[۱۰] میں۔ محمد بن عیسی الطباع، محمد بن سابق، سریج بن النعمان، احمد بن حنبل، ابوبکر بن الاسود، اسماعیل بن الخلیل، ابومسلم عبدالرحمن بن ابی یونس المستملی وغیرہم سے۔

واسط[۱۱] میں۔ حسان بن ابی حسان، صفوان بن عیسیٰ، بدل بن المحبر، حرمی بن حفص،

عثمان بن مسلم، محمد بن عرعرہ، سلیمان ابن حرب، ابوحذیفۃ النھدی، ابوالولید الطیالسی، عارم، محمد بن سنان وغیرہم سے۔

کوفہ[۷] میں۔ عبیداللہ بن موسیٰ، ابونعیم، احمد بن یعقوب، اسماعیل بن ابان، الحسن بن الربیع، خالد بن مخلد، سعد بن حفص، طلق بن غنام، عمر بن حفص، فروۃ بن ابی المغراء، قبیصہ کذا بن عقبہ، ابوغسان وغیرہم سے (صحیح قَبیصَہ ہے)

مصر[۸] میں۔ عثمان بن صالح، سعید بن ابی مریم، عبداللہ بن صالح، احمد بن شبیب، اصبغ بن الفرج، سعید بن عیسیٰ، سعید بن کثیر بن عفیر، یحیٰ بن عبداللہ بن بکیر اور ان کے ہمعصروں سے۔

جزیرۃ[۹] میں۔ احمد بن عبدالملک الحرّانی، احمد بن برید الحرّانی، عمرو بن خلف، اسماعیل ابن عبداللہ الرقی وغیرہم سے۔

اساتذہ کے شہروں کے نام ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے طلب علم کے لئے ان شہروں کا سفر کیا۔ وہاں گئے قیام کیا اور ان مشائخ سے تحصیل علم کیا۔ (مقدمۂ نووی شرح صحیح البخاری ص۳۳ وبعدھا)

طبقات خمسہ لشیوخ البخاری حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاری کے شیوخ کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ تفصیل یہ ہے

(۱) وہ شیوخ جنھوں نے تابعین سے حدیثیں حاصل کیں۔ جیسے محمد بن عبداللہ الانصاری[۱]

---

[۱] یہ محمد بن عبداللہ انصاری امام ابویوسف اور امام زفر کے شاگرد ہیں۔ ان سے بخاری میں تین ثلاثی حدیثیں مروی ہیں۔ اسی طرح ابوعاصم نبیل جن کا نام ضحاک بن مخلد ہے یہ بھی امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ ان سے بھی بخاری میں چھ ثلاثیات مروی ہیں۔ اس طرح ۲۲ میں سے ۲۰ ثلاثیات احناف سے مروی ہیں۔

فائدہ صحیح بخاری میں ثلاثیات کے شمار کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور اس کو (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

مکی بن ابراہیم ، ابو عاصم النبیل (ضحاک بن مخلد) عبید اللہ بن موسیٰ ، ابو نُعیم، خلاّد بن یحییٰ ، علی بن عیاش، عصام بن خالد، یہ تمام شیوخ تبع تابعین میں سے ہیں۔

(۲) وہ شیوخ جو تابعین کے زمانہ میں تھے لیکن ثقات تابعین سے سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جیسے آدم بن ابی ایاس ، ابو مُسہر عبد الاعلیٰ بن مُسہر، سعید بن ابی مریم، ایوب بن سلیمان بن بلال۔

(۳) یہ مشائخ کا درمیانی طبقہ ہے۔ ان کو کبارِ تبع تابعین سے سماعت حاصل ہے جیسے سلیمان بن حرب، قتیبہ بن سعید، نعیم بن حماد ، علی بن المدینی ، یحیی بن معین، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابو بکر ابن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، وغیرہم ان سے امام مسلم نے بھی حدیثیں حاصل کیں۔

(۴) وہ لوگ جو طلبِ علم میں امام بخاری کے ساتھ تھے اور وہ جنھوں نے ذرا پہلے سنا۔ جیسے محمد بن یحییٰ الذہلی، ابو حاتم رازی، محمد بن عبد الرحیم صاعقہ، عبد بن حمید، احمد بن النضر وغیرہم۔ امام بخاری ان اساتذہ سے وہی حدیثیں ذکر کرتے ہیں جو اپنے اساتذہ سے نہیں سن سکے یا وہ حدیثیں جو ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ملیں۔

(۵) وہ حضرات جو عمر اور اساتذہ کے لحاظ سے امام بخاری کے تلامذہ کے درجہ کے تھے لیکن ان سے بھی فائدہ کے لئے روایت کیا مثلاً عبد اللہ بن حماد آملی، عبد اللہ بن ابی العاص الخوارزمی، حسین بن محمد القبانی ، وغیرہم۔ ان سے امام بخاریؒ نے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بخاری کی خصوصیات میں سمجھا جاتا ہے اور صحاح ستہ کے درمیان ایک خصوصیت واقعتہً ہے بھی۔ لیکن امام ابو حنیفہ کی اکثر روایات ثلاثی ہیں جیسا کہ مسانیدِ امام اعظم اور ان کی کتاب الآثار سے ظاہر ہے۔ اور بہت سی ثنائی بلکہ بعض وحدانی بھی ہیں۔ اس لئے کہ امام صاحب کا بعض صحابہ سے ملنا اور روایت کرنا ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ متأخرین کی تضعیف متقدمین پر مؤثر نہیں (مقدمہ لامع ص۳۲)

تھوڑی روایتیں لی ہیں۔ ان سے روایت کرکے بخاری نے وکیع کے اس قول پر عمل کیا کہ۔ آدمی عالم نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بڑے، برابر اور چھوٹے سے بھی روایت نہ کرے۔ خود امام بخاری نے بھی فرمایا کہ کوئی محدث[1] کامل نہیں ہو سکتا جبتک اپنے بڑے،

---

[1] امام بخاری کے اس قول۔ لایکون المحدث کاملاحتی یکتب عمن ھو فوقہ وعمن ھومثلہ وعمن ھو دونہ۔ اس پر ایک دلچسپ قصہ ہے جو مقدمۂ اوجز المسالک شرح موطا مالک للشیخ زکریاؒ میں اس طرح مذکور ہے ___ ابو العباس ولید بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ ___ جب میں بڑا ہو گیا تو مجھے علم حدیث کی تحصیل کا شوق ہوا۔ میں امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور غرض بتائی۔ سنکر فرمایا ___ کہ کسی کام میں مت پڑو جب تک اس کی حدود اور اس کی مقدار سے واقفیت نہ حاصل کرلو۔ میں نے کہا میرے مقصد کی حدود و مقادیر کیا ہیں؟ فرمایا۔

لایصیر الرجل محدثا کاملا فی حدیثہ الا بعد ان یکتب اربعا مع اربع، مثل اربع فی اربع عند اربع باربع علی اربع عن اربع لاربع۔ وکل ھذہ الرباعیات لاتتم الا باربع مع اربع۔ فاذا تمّت لہ کلھا ھان علیہ اربع وابتلی باربع فاذا صبر علی ذلک اکرمہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا باربع واثابہ باربع۔

پھر پوچھنے پر اس کی شرح یوں فرمائی۔

الاربعۃ اللتی یحتاج الی کتبھا ھی اخبار الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وشرائعہ والصحابۃ ومقادیرھم والتابعین واحوالھم وسائر العلماء وتواریخھم مع اسماء رجالھم وکناھم وامکنتھم وازمنتھم کالتحمید مع الخطب والدعاء مع التوسل والبسملۃ مع السورۃ والتکبیر مع الصلوات مثل المسندات والمرسلات والموقوفات والمقطوعات فی صغرہ وفی ادراکہ وفی شبابہ وفی کھولتہ عند فراغہ وعند شغلہ وعند فقرہ وعند غناہ بالجبال والبحار والبلدان (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

اپنے جیسے اور اپنے سے کمتر سے روایت وکتابت نہ کرلے (ھدی الساری ص۴۷۹)

یہ طبقاتی تقسیم دراصل ابوالفضل مقدسی م ۵۰۷ھ کی ہے نووی م ۶۷۶ھ نے اس کو مقدمہ شرح صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔ اس کا فائدہ مقدسی نے یہ بتایا ہے کہ امام بخاری کبھی سند میں علو اختیار کرتے ہیں اور کبھی نزول، تو اس طبقاتی تقسیم سے طبقاتی تفاوت معلوم ہو جائیگا اور علو کی صورت میں سقوط راوی کا شبہہ نہیں ہوگا۔ مثلاً کہیں روایت

والبراری علی الاحجار والاخزاف والجلود والاکتاف الی الوقت الذی یمکنہ نقلہ الی الاوراق عمن ھو فوقہ وعمن ھو مثلہ وعمن ھو دونہ وعن کتاب ابیہ یتیقن انہ بخط ابیہ دون غیرہ لوجہ اللہ تعالی طالبا لمرضاتہ والعمل بما وافق کتاب اللہ عزوجل منہا ونشرھا بین طالبیہا ومحبیہا والتالیف فی احیاء ذکرہ بعدہ ثم لا تتم ھذہ الاشیاء الاربع ھی من کسب العبد اعنی معرفۃ الکتاب واللغۃ والصرف والنحو مع اربع ھی من اعطاء اللہ تعالی اعنی القدرۃ والصحۃ والحرص والحفظ فاذا تمت لہ ھذہ کلہا ھان علیہ اربع الاھل والمال والولد والوطن وابتلی باربع بشماتۃ الاعداء وملامۃ الاصدقاء وطعن الجہلاء وحسد العلماء فاذا صبر علی ھذہ المحن اکرمہ اللہ عزوجل فی الدنیا باربع عز القناعۃ وبھمۃ النفس وبلذۃ العلم وبحیاۃ الابد واثابہ فی الاخرۃ باربع بالشفاعۃ لمن اراد من اخوانہ وبظل العرش یوم لا ظل الا ظلہ ویسقی من اراد من حوض نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجاورۃ النبیین فی اعلی علیین فی الجنۃ۔ مجھے متفکر دیکھا تو فرمایا۔ کہ یہ نہ ہو سکے تو فقہ حاصل کرو یہ آسان ہے گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہو اور فقہ حدیث کا ثمرہ ہے اور فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔ چنانچہ میں نے فقہ کو حاصل کیا (مقدمہ اوجز ص۱۳ طبع ملتان) حافظ نے اس قصہ کو مستبعد قرار دیا ہے (ایضاً) سیوطی نے بھی اس قصہ کو تدریب الراوی ص۱۵۷/۲ میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

یوں ہے۔ مکی عن یزید بن ابی عبید عن سلمہ۔ کہیں یوں ہے قتیبہ عن بکر بن مضر عن عمرو بن الحارث عن بکیر عن یزید بن ابی عبید۔ تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ پہلی سند میں یزید کا نام ایک واسطہ کے بعد فوراً آگیا اسلئے بعض راویوں کے نام گرے ہوں گے۔ یہ فرق سند میں علو اور نزول کی وجہ سے ہے۔ یہ بہت ہی اہم فائدہ ہے (ملاحظہ ہو مقدمۂ نووی لشرح البخاری ص۵۴)

امام بخاری کے اساتذہ صحیح بخاری میں دو سو نواسی (۲۸۹) ہیں ان میں صرف بخاری کے مسلم کو چھوڑ کر ایک سو چونتیس (۱۳۴) ہیں۔ (مقدمۂ قسطلانی ص۳۳)

بے نظیر قوتِ حافظہ

امام بخاری سے اللہ تعالیٰ کو عظیم الشان خدمتِ حدیث لینی تھی اسلئے غیر معمولی قوتِ حافظہ کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کے محیر العقول حافظہ کے کئی واقعات مشہور ہیں، محدثِ داخلی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ گذر چکا ہے۔

حاشد بن اسماعیل اور ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ امام بخاری بچپن[1] (نوجوانی) میں ہمارے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس جاتے تھے لیکن لکھتے نہیں تھے ہم نے سولہ (۱۶) دن کے بعد ان کو ملامت کیا تو فرمایا کہ تم لوگوں نے بہت مجھ کو ملامت کیا لاؤ جو حدیثیں لکھی ہیں مجھکو دکھاؤ۔ ہم نے اپنی کتابیں نکالیں تو پندرہ (۱۵) ہزار سے زیادہ حدیثیں ہو چکی تھیں، امام بخاریؒ نے اپنے حافظہ سے سب حدیثیں سنادیں ہم اپنی کتابیں ان کے حافظہ سے درست کرنے لگے۔ فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔

(تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۵۵۶ وھدی الساری ص۴۷۸)

---

[1] یہاں غلام کا معنی نوجوان ہی صحیح ہوگا۔ بچہ نہیں۔ امام بخاری ۱۶ سال کی عمر میں حج کیلئے گئے یہ سفر اسکے بعد ہی کا ہوگا۔ اس لئے امام بخاریؒ اس وقت تک بلا شبہہ بالغ ہو چکے تھے۔ واللہ اعلم۔

ابوبکر بن ابی عیاش الاعین کہتے ہیں کہ ہم نے محمد بن اسماعیل سے جبکہ وہ اَمرد تھے محمد بن یوسف فریابی کے دروازہ پر حدیثیں لکھیں۔ (ھدی الساری ص۴۷۸)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ فریابی کا انتقال ۲۱۲ھ میں ہوا اس وقت امام بخاری کی عمر اٹھارہ ۱۸ سال کے قریب یا اس سے بھی کم رہی ہوگی (ایضاً)

حافظہ کے کمال کی وجہ سے اس عمر ہی میں شیخ بن گئے تھے۔

ایک مرتبہ فریابی نے یوں سند بیان کی۔ حدثنا سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ۔ حاضرین میں سے کوئی نہ جان سکا کہ سفیان کے اوپر کے لوگ کون ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا ابوعروہ محمد بن راشد ہیں، ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ اور ابوحمزہ انس بن مالک رضؓ۔ فرمایا کہ ثوری مشہور لوگوں کی کنیت ذکر کیا کرتے تھے۔ (ایضاً)

حاضرین کو ان مشہور لوگوں کی کنیت یاد نہیں تھی۔ امام بخاری کو یاد تھی اسلئے فوراً سمجھ گئے۔

بغداد کا وہ مشہور واقعہ تو کئی مشائخِ بغداد سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری بغداد آئے تو محدثین جمع ہو گئے اور ان کے حافظہ کا امتحان لینا چاہا۔ چنانچہ سَو حدیثیں لیں اور ان کے متون واسناد کو الٹ پلٹ کر دیا۔ اِس کی سند اُس کے متن کے ساتھ اور اُس کا متن اُس کی سند کے ساتھ اور دس آدمی مقرر کئے گئے ہر ایک کے پاس دس دس حدیثیں تھیں۔ جب مجلسِ درس قائم ہوئی۔ اور مقامی و بیرونی حضرات جمع ہو گئے تو ان دس میں سے ایک شخص نے امام بخاری کے سامنے ایک ایک حدیث پیش کرنا شروع کی امام بخاری برابر یہی کہتے رہے کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا اس طرح اس نے اپنی دسوں حدیثیں پیش کر دیں۔ امام بخاری کا جواب وہی رہا لا اعرفہ پھر دوسرے نے سوال شروع کیا، پھر تیسرے نے اسی طرح دسوں نے اپنی اپنی سب حدیثیں پیش کر دیں۔ بخاری یہی کہتے رہے کہ مجھے معلوم نہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ جن کو حقیقتِ حال کا علم تھا ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ

یہ آدمی سمجھ گیا۔ باقی جنکو قصہ کی خبر نہیں تھی وہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کا حافظہ ٹھیک نہیں ہے۔ عاجز اور قاصر ہیں۔ جب سب سوال کر چکے تو امام بخاریؒ پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم نے پہلی حدیث یوں بیان کی تھی وہ اُس طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے اور جس سند کے ساتھ جو متن تھا وہ بتایا۔ پھر دوسری پھر تیسری تمام حدیثوں کو جس طرح اس شخص نے ذکر کیا تھا اسکو بھی ذکر کیا پھر اس کی تصحیح کی۔ اسی طرح دوسرے شخص کے ساتھ بھی کیا حتیٰ کہ دس آدمیوں میں سے ہر ایک کی تمام احادیث کی اصلاح کر دی۔ اس وقت تمام لوگوں نے ان کے حافظہ اور فضیلت کا اقرار کر لیا۔ حافظ نے یہ واقعہ سند کے ساتھ بیان کیا ہے (ھدی الساری ص ۴۸۶)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ تعجب اس پر نہیں ہے کہ غلطی کی اصلاح کر دی بلکہ تعجب اس پر ہے کہ ہر ایک کی پیش کردہ روایت اسی ترتیب اور پیش کردہ صورت کے ساتھ یاد بھی ہو گئی (ایضاً)

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ سمرقند میں پیش آیا۔ ابوالازہر فرماتے ہیں کہ سمرقند میں چار سو محدثین جمع ہوئے اور امام بخاری کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے شام کی اسناد عراق کی اسناد میں اور عراق کی شام میں، حرم کی یمن میں داخل کر دی۔ لیکن امام بخاری کی کوئی غلطی نہیں پکڑ سکے (ایضاً)

یوسف بن موسیٰ مروزی فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا کسی نے یہ اعلان کیا کہ محمد بن اسماعیل بخاری آئے ہیں تو لوگ ان کی طرف بڑھے۔ میں بھی ان میں تھا۔ میں نے ایک جوان کو دیکھا جسکی ڈاڑھی میں کوئی سفیدی نہیں تھی۔ ستون کے پیچھے نماز پڑھی، فارغ ہوئے تو لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور یہ درخواست کی کہ املاء کی مجلس قائم کریں۔ انھوں نے اس کو قبول کر لیا۔ اور جگہ اور دن طے ہو گیا۔ پھر اس منادی نے اعلان کر دیا کہ امام بخاری کل فلاں جگہ مجلس قائم فرمائیں گے۔ چنانچہ اس جگہ محدثین، فقہاء

حفاظ اور تماشائی ہزار کے قریب جمع ہو گئے۔ امام بخاری املاء حدیث کے لئے تشریف فرما ہوئے سب سے پہلے یہ فرمایا کہ اے بصرہ والو! تم نے مجھ سے حدیث بیان کرنے کو کہا۔ میں تمہارے سامنے تمہارے ہی شہر کی حدیث بیان کروں گا جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا۔ لیکن امام بخاری نے اس پوری مجلس میں حدیثیں لکھوائیں اور ہر حدیث پر یہ کہتے تھے یہ تمہارے پاس فلاں طریق سے ہے۔ لیکن فلاں طریق جسکو میں بیان کر رہا ہوں تمہارے پاس نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۴۸۶)

ایک مرتبہ اسحق بن راہویہ نے فرمایا تھا۔ مجھے اپنی کتاب کی ستر ہزار حدیثیں اس طرح یاد ہیں گویا میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔ کسی نے امام بخاری کے سامنے اس مقولہ کو نقل کیا تو امام بخاری نے فرمایا۔ تم کو اس پر تعجب ہوتا ہے۔ شاید اس زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنی کتاب کی بیس[۱] کروڑ (۲۰۰ ملین) حدیثیں اس طرح یاد رکھتے ہیں۔ مائتی الف الف فرمایا۔ اس سے خود اپنی ذات کو مراد لیا ہے[۲]۔ (ایضاً)

امام بخاری فرماتے تھے مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔ (ایضاً)

امام بخاری حدیث کی کوئی کتاب ایک مرتبہ دیکھ لیتے تو تمام احادیث کے اطراف یاد ہو جاتے۔ (ھدی الساری ص ۴۸۶)

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سوچا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کتنے شاگرد ہوں گے تو فوراً میرے ذہن میں تین سو افراد آ گئے۔ (ھدی الساری ص ۴۸۸)

---

[۱] امام بخاری کی تصنیفات میں اتنی حدیثیں کس طرح ہونگی ہر طریق کو مستقل حدیث ماننے کے باوجود استبعاد ظاہر ہے اسکے بعد ہی ھدی الساری میں ایک اور روایت ہے جس میں مائتی الف مذکور ہے یعنی دو لاکھ یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ۱۲ فضل - [۲] ایک الف کا اضافہ غلط معلوم ہوتا ہے حافظ نے تغلیق التعلیق میں یہی روایت ذکر کی ہے اسمیں مائتی الف حدیث ہی نقل کیا ہے ص ۴۲۷/۵ (مولانا عبد الرشید نعمانی مدظلہ)

احمد بن حمدون کہتے ہیں کہ ایک جنازہ میں امام بخاری اور ذہلی جمع ہوئے۔ ذہلی بخاری سے راویوں کے نام اور علل کے بارے میں پوچھ رہے تھے امام بخاری تیر کی طرح گذر رہے تھے جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ رہے ہوں۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ جب میں کوئی حدیث صحابہ اور تابعین سے نقل کرتا ہوں تو اکثر کی پیدائش اور وفات کا وقت اور جگہ مجھے معلوم ہوتی ہے (ایضاً)

فرماتے ہیں۔ جب میں بلخ پہونچا تو لوگوں نے یہ مطالبہ کیا کہ جتنے شیوخ سے آپ نے حدیثیں لکھی ہیں ان تمام سے حدیثیں لکھوائیے تو میں نے ہزار شیوخ سے ہزار حدیثیں لکھوادیں۔

(مقدمہ قسطلانی ص۳۹ لشرح البخاری ارشاد الساری، مقدمہ لامع ص۳۷)

وراق بخاری کہتے ہیں کہ امام بخاری نے فرمایا کہ میں رات نہیں سویا حتی کہ میں نے شمار کر لیا کہ اپنی کتابوں میں کتنی حدیثیں داخل کیں، تو وہ تقریباً دو لاکھ تھیں۔ میں نے پوچھا حافظہ کے لئے کوئی دوا بھی ہے؟ تو فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں۔ پھر میری طرف توجہ فرماکر فرمایا کہ اس سے زیادہ حافظہ کے لئے کوئی چیز نفع بخش نہیں ہے کہ آدمی حریص ہو اور ہر وقت علم پر نظر رکھے، ایک دفعہ فرمایا بہت سی احادیث میں نے شام میں سنیں اور بصرہ میں لکھیں اور بہت سی بصرہ میں سنیں اور شام میں لکھیں راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا پوری تو بخاری خاموش رہے (ھدی ص۴۸۷)

سیرت و شمائل

امام بخاری رح کے اندر علم نبوی نے پوری طرح اپنا اثر قائم کیا تھا۔ اسلئے امام بخاری اعلی درجہ کے متقی، زاھد، عبادت گذار اور پرہیزگار تھے۔ ذیل کے واقعات اس کے لئے شاہد عدل ہیں۔

امام بخاریؒ کھانا بہت کم کھاتے تھے۔ طلبہ کے ساتھ بہت داد و دہش کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو ان کا قارورہ ڈاکٹروں (حکماء) کو دکھایا گیا

تو انھوں نے کہا کہ یہ تو ان پادریوں کی طرح کا قارورہ ہے جو سالن نہیں استعمال کرتے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ چالیس (۴۰) سال سے میں سالن نہیں استعمال کرتا۔ ڈاکٹروں سے پوچھا گیا کہ علاج کیا ہے۔ تو انھوں نے کہا۔ سالن کا استعمال۔ لیکن امام بخاری باز رہے تا آنکہ علماء اور مشائخ نے اصرار کیا تو اس بات پر راضی ہو گئے کہ روٹی کے ساتھ تھوڑی شکر کھا لوں گا۔

(ھدی ص۴۸۱)

دبلے پتلے تھے۔ نہ لمبے نہ پست قد، گندمی رنگ کی طرف مائل تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص۵۵۵)

ایک دفعہ ایک مقروض نے آپ کا پچیس (۲۵) ہزار (درہم) دبالیا تو لوگوں نے رائے دی کہ والی کا حکم حاصل کر کے اس سے وصول کیجئے۔ آپ نے فرمایا اگر ان سے کوئی تحریر حاصل کروں تو پھر ان کو مجھ سے طمع ہو جائے گی (یعنی اپنی بات مجھ سے منوائیں گے) اور اپنے دین کو دنیا کے بدلہ ہرگز بیچ نہیں سکتا پھر اس مقروض سے اس بات پر صلح کر لی کہ ہر مہینہ دس درہم دیدیا کرے (ظاہر ہے کہ اس طرح اتنی بڑی رقم کیسے وصول ہو سکتی ہے۔ حاصل یہ کہ) سارا مال چلا گیا۔ (ھدی ص۴۸۰)

فرمایا کہ میں نے خود کوئی چیز خریدی یا بیچی نہیں۔ کسی سے کہتا ہوں خرید لاتا ہے۔ پوچھا گیا کیوں؟ تو فرمایا کہ اسلئے کیجئے خریدنے میں کچھ نہ کچھ کمی بیشی یا اشتباہ ہو ہی جاتا ہے (یعنی اس سے بچنے کے لئے میں خود معاملہ نہیں کرتا۔ (ایضاً)

ایک دفعہ امام موصوف کے پاس ابوحفصؒ[1] کا بھیجا ہوا کچھ مال آیا۔ شام کو تجار آئے کہ پانچ ہزار کے نفع سے بیچ دیجئے۔ فرمایا کہ آج واپس جاؤ۔ پھر دوسرے دن دوسرے تجار آئے اور دس ہزار کے نفع پر اس مال کو طلب کیا تو فرمایا کہ رات میں نے

---

[1] ابوحفص کا تذکرہ ص۱۵ کے حاشیہ میں گذر چکا ہے۔

نیت کرلی تھی کہ پہلے تاجروں کو دیدوں گا میں نیت کو توڑنا نہیں چاہتا۔ (ایضا)

ایک دفعہ آپ کی باندی گھر میں داخل ہوتے لگی تو آپ کے سامنے دوات تھی اس پر لڑھک گئی۔ یعنی دوات سے پاؤں ٹکراگیا۔ فرمایا۔ کیسے چلتی ہے؟ باندی نے کہا راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور فرمایا۔ جا تو آزاد ہے۔ کہا گیا۔ آپ کو اس نے ناراض کیا۔ فرمایا۔ میں نے اپنے فعل سے اپنے کو راضی کرلیا۔ (ایضا)

ایک دفعہ فربر میں کتاب التفسیر کی تخریج میں تھک گئے تھے تو چت لیٹ گئے۔ آپ کے کاتب نے پوچھا۔ آپ فرما رہے تھے میں کوئی کام بغیر علم کے نہیں کرتا۔ بتائیے اس استلقاء میں کیا فائدہ ہے؟ فرمایا۔ میں آج تھک گیا ہوں، یہ سرحد کا علاقہ ہے۔ ڈر ہے دشمن کی طرف سے کوئی بات نہ ہو اسلئے میں نے مناسب سمجھا کہ آرام کرلوں اور تیار ہو جاؤں تاکہ دشمن اگر حملہ کرے تو ہم کچھ کرسکیں (ایضا ص ۴۸)

یہی کاتب فرماتے ہیں کہ امام بخاری کثرت سے سوار ہو کر تیر اندازی کرتے تھے۔ اور کبھی میں نے نشانے سے خطا کرتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے دو مرتبہ کے۔ فرماتے ہیں ایک مرتبہ آپ کا تیر نہر کے پل کی کھونٹی میں لگ گیا جس سے کھونٹی پھٹ گئی۔ آپ سواری سے اتر گئے اور تیر کو کھونٹی سے نکالا اور فرمایا کہ واپس چلو اور مجھ سے فرمایا کہ ابوجعفر تم سے ایک کام ہے یہ کہتے ہوئے سانس چڑھ رہا تھا وہ یہ کہ تم اس پل کے مالک سے جاکر کہو کہ ہم نے کھونٹی کو نقصان پہنچایا ہے اس کو معاف کردو اور ہم کو اجازت دو کہ اس کو بدل دیں یا اسکی قیمت لے لو۔ پل کے مالک حمید بن الاخضر نے کہا کہ ابوعبداللہ کو یہ بتادو کہ جو کچھ آپ سے ہوا وہ سب حلال ہے اور ہماری ساری ملکیت آپ پر فدا ہے۔ یہ جواب سنکر امام کھِل گئے اور اس دن باہر والوں کے لئے پانچ سو (۵۰۰) حدیثیں پڑھیں اور تین سو (۳۰۰) درہم صدقہ کئے۔

ایک دفعہ ابومعشر ضریر ایک حدیث امام بخاری سے سنکر خوش ہو کر ہاتھ اور سر ہلانے

لگے امام نے یہ دیکھ کر تبسم فرمایا۔ (پھر خیال ہوا کہ شاید یہ بھی غیبت ہے) اسلئے ان سے معافی مانگی انھوں نے درگذر کیا۔ (ایضاً)

فرمایا۔ جب سے مجھے معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ یہ بھی فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی غیبت پر میرا مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ (ایضاً)

حافظؒ فرماتے ہیں۔ امام بخاری رجال پر کلام کرنے میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ اکثر یوں جرح کرتے تھے۔ سکتوا عنہ۔ فیہ نظر۔ ترکوہ وغیرہ بہت کم کسی کو وضاع یا کذاب کہا کرتے تھے۔ (ایضاً)

آپ پر اعتراض کیا گیا کہ تاریخ میں آپ نے لوگوں کی برائی بیان کی ہے پھر کیسے فرماتے ہیں۔ کہ آخرت میں میرا کوئی خصم نہیں ہوگا۔ فرمایا۔ ہم نے اس کو نقل کیا ہے۔ اپنی طرف سے نہیں کہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک شخص کے بارے میں بئس اخوا العشیرۃ فرمایا تھا۔

(یعنی اس شخص سے مسلمانوں کو ہوشیار کرنے کے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی برائی بیان کی تھی اسی طرح محدثین بھی رجالِ سند کے احوال سے لوگوں کو مطلع کرتے ہیں تاکہ کوئی غلطی میں نہ واقع ہو جائے، اسلئے یہ غیبت نہیں چاہے محدث خود اپنی طرف سے کہے یا کسی سے نقل کرے)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ نماز میں بھڑ نے سترہ مرتبہ کاٹا لیکن آپ نے نماز نہیں توڑی فرمایا میں ایک آیت پڑھ رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ اسکو پوری کر لوں۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ دیکھو تو کیا چیز مجھ کو تکلیف پہونچا رہی ہے۔ دیکھنے پر بھڑ نکلی۔

بخاریٰ کے قریب آپ رباط بنا رہے تھے۔ بہت سے لوگ آپ کی مدد کر رہے تھے لیکن آپ خود بھی اینٹیں منتقل کرتے تھے۔ محمد بن ابی حاتم وراق کہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم کرلیں گے تو فرمایا۔ یہ میرے لئے نفع بخش

ہے۔ آپ نے لوگوں کے لئے گائے ذبح کی اور دعوت کی تو سو یا اس سے زیادہ آدمی جمع ہو گئے۔ آپ کو اندازہ نہیں تھا کہ اتنے آدمی جمع ہو جائیں گے۔ ہم فربر سے تین درہم کی روٹیاں لائے تھے۔ اس زمانہ میں ایک درہم میں پانچ مَن روٹیاں مل جایا کرتی تھیں۔ ہم نے لوگوں کے سامنے روٹیاں ڈال دیں، حاضرین کے کھانے کے بعد بھی اچھی خاصی روٹیاں بچ گئیں۔ (مَن اڑسٹھ تولہ تین ماشہ کے برابر ہوتا ہے ۱۲ اوزان شرعیہ مفتی محمد شفیع۔ عرفاً اس سے بھی زیادہ ۱۲ مجد)

ایک دفعہ آپ کی مجلس میں ایک صاحب نے اپنی ڈاڑھی سے تنکہ نکال کر مسجد کی زمین پر ڈالدیا امام بخاری نے اس کو دیکھ لیا۔ موقعہ پاکر لوگوں کی نظروں سے بچا کر اس کو اپنی جیب میں ڈال لیا۔ مسجد سے باہر جاکر اس کو پھینکدیا (ایضاً) اس طرح مسجد کی صفائی کا خیال رکھتے تھے۔

کاتب بخاری کہتے ہیں کہ سفر میں میں ساتھ ہوتا تھا۔ گرمی کے سوا دوسرے موسم میں ایک ہی کمرہ میں رات گذارنا ہوتا۔ میں دیکھتا کہ بخاری رات میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھتے اور چراغ جلا کر احادیث پر نشان لگاتے پھر سو جاتے۔ میں نے کہا۔ آپ خود زحمت اٹھاتے ہیں۔ مجھے کیوں نہیں جگا دیتے۔ فرمایا تم نوجوان آدمی ہو تمہاری نیند میں خراب نہیں کرنا چاہتا۔

امام بخاری اخیر شب میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اور ایک رکعت سے وتر پڑھتے۔ رمضان میں اپنے شاگردوں کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے۔ ہر رکعت میں بیس آیات۔ اس طرح پڑھ کر قرآن ختم کرتے تھے۔ اور اخیر شب میں نصف سے ثلث تک پڑھتے تھے اور تین راتوں میں قرآن ختم کر لیتے۔ اور دن میں روزانہ افطار کے قریب قرآن ختم کر لیتے اور فرماتے کہ ہر ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ (ایضاً ص۴۸۱)

فرمایا۔ میں نے دو مرتبہ دعا کی جو فوراً قبول ہو گئی۔ اب میں نہیں چاہتا کہ پھر دعا کروں کہیں میری نیکیاں کم نہ ہو جائیں۔ (ایضاً ص۴۸۰)

حاکم نے بخاری کے دو شعر نقل کئے ہیں۔ جن میں بہت اچھی نصیحت ہے۔

اغتنم فی الفراغ فضل رکوع   فعسی ان یکون موتك بغتة

فرصت میں نماز کی فضیلت کو غنیمت سمجھ۔ شاید تمہاری موت اچانک آجائے۔

کم صحیح رأیتُ من غیر سقم   ذهبت نفسه الصحیحة فلتة

کتنے تندرستوں کو میں نے دیکھا کہ بغیر کسی بیماری کے ان کی صحت مند جان اچانک چلی گئی خود امام کے ساتھ قریب قریب یہی صورت پیش آئی کما سیأتی۔ (ایضاً ص ۴۸۱)

امام دارمی کے انتقال کی خبر ملی تو اس وقت بھی امام بخاری نے ایک شعر پڑھا وہ یہ ہے۔

ان عشت تفجع بالاحبة کلهم . وبقاءُ[1] نفسك لا ابالك افجع (ایضاً)

اگر زندہ رہوگے تو تمام دوستوں کے انتقال کا غم کھانا پڑیگا۔ اور تمہارا زندہ رہنا تمہاری زیادہ دردمندی کا سبب ہوگا۔

اہل علم کے تعریفی کلمات

امام بخاری کی شخصیت اپنے فضل و کمال کی وجہ سے ایسی ہے کہ ہم عمروں اور شاگردوں کے علاوہ خود ان کے مشائخ اور اکابر بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ اور سب نے انکی محدثیت کا لوہا مان لیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کچھ کلمات نقل کئے ہیں اور اخیر میں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر متاخرین کے اقوال بھی ذکر کئے جائیں تو کاغذ اور روشنائی ختم ہوجائیگی، اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کو دیکھنے والوں نے جب بلند کلمات ذکر کئے تو بعد والے بھی ان ہی سے نقل کریں گے۔

آپ کے شیخ عبداللہ بن محمد المسندی نے فرمایا۔ محمد بن اسماعیل فن کے امام ہیں۔ جو

---

[1] بعض کتابوں میں یہ لفظ فناء نفسک مروی ہے۔ (قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون ص۲ و ترجمان السنۃ ص۲۵۸ ج۱)

ان کو امام نہ ملنے اس کو مہتم سمجھو نیز فرمایا۔ ہمارے زمانہ کے حفاظ تین ہیں، پھر نمبر ایک پر بخاری کا نام لیا۔

علی بن حجر نے فرمایا۔ خراسان نے تین اشخاص کو پیدا کیا۔ پھر بخاری کا نام سب سے پہلے لیا۔ اور فرمایا کہ ان تینوں میں سب سے زیادہ بصیرت اور حدیث کا علم وفہم رکھنے والے امام بخاری ہیں۔

احمد بن اسحاق سرماری نے فرمایا۔ جو سچے برحق فقیہ کو دیکھنا چاہے وہ امام بخاری کو دیکھ لے۔

حاشد نے فرمایا۔ میں نے عمرو بن زرارہ اور محمد بن رافع کو دیکھا کہ بخاری سے علل احادیث کے متعلق سوالات کر رہے ہیں۔ جب جانے لگے تو دونوں نے حاضرین سے کہا۔ یہ ابو عبد اللہ ہم سے بڑے فقیہ اور عالم ہیں۔ دھوکہ میں نہ رہنا۔

وہی کہتے ہیں۔ ایک دن ہم اسحاق بن راہویہ کے پاس تھے۔ اور عمرو بن زرارہ امام بخاری کی طرف سے املاء کرا رہے تھے۔ اور محدثین لکھ رہے تھے۔ اسحاق نے فرمایا۔ یہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اس وقت بخاری جوان تھے عبد اللہ بن محمد الفرھیانی کہتے ہیں۔ میں ابن اشکاب کی مجلس میں تھا ایک صاحب آئے جو حافظ حدیث تھے اور امام بخاری کے بارے میں کچھ کہا تو ابن اشکاب ناراض ہو کر مجلس سے اٹھ گئے۔

عبد اللہ بن محمد فرماتے ہیں کہ۔ احمد بن حرب کا جب انتقال ہوا تو اسحق بن راہویہ اور امام بخاری جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے۔ میں نے اہل علم کو دیکھا کہ وہ ان دونوں کو دیکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ محمد، اسحق سے زیادہ فقیہ ہیں۔

یحییٰ بن جعفر بیکندی فرماتے ہیں۔ اگر مجھے قدرت ہوتی کہ اپنی زندگی کا کچھ حصہ بخاری کو دے سکوں تو بخاری کی عمر بڑھا دیتا۔ اس لئے کہ میری موت ایک آدمی کی موت ہوگی اور بخاری کے انتقال سے علم چلا جائے گا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر بخاری نہ ہوتے

تو بخاری میں زندگی کا مزہ نہ ہوتا۔ ابوبکر بن ابی شیبہ اور محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے تھے کہ ہم نے بخاری جیسا کسی کو نہیں دیکھا ابن ابی شیبہ آپ کو البازل کہا کرتے تھے یعنی کامل۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ ابن منیر کے پاس تھے جب اٹھے تو عبداللہ بن منیر نے فرمایا۔ اے ابوعبداللہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس امت کی زینت بنائے۔ ترمذی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمالی۔

عبداللہ بن منیر باوجودیکہ آپ کے شیخ ہیں اور صحیح بخاری میں ان سے روایت موجود ہے، پھر بھی امام بخاری سے حدیثیں لکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں ان کا شاگرد ہوں۔ اور فرماتے تھے ان جیسا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔

رجابن رجار فرماتے ہیں۔ امام بخاری کی فضیلت دیگر علماء پر ایسی ہے جیسے مردوں کی فضیلت عورتوں پر۔ یہ بھی فرمایا۔ روئے زمین پر چلتی ہوئی اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہیں۔

حسین بن حریث فرماتے ہیں۔ محمد بن اسماعیل جیسا کسی کو میں نے دیکھا ہو اس کا مجھے علم نہیں گویا وہ حدیث ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

فتح بن نوح نیشاپوری فرماتے ہیں۔ میں نے امام بخاری کو علی بن المدینی کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے دیکھا۔ علی جب حدیث بیان کرتے تو بخاری کی طرف ان سے ہیبت کی وجہ سے متوجہ ہوتے۔ امام بخاری فرماتے ہیں میں نے اپنے کو کسی کے سامنے چھوٹا نہیں سمجھا سوائے علی بن المدینی کے۔ اور کبھی ان کو بھی ایسی حدیث سناتا جو انکو معلوم نہیں ہوتی۔ علی بن المدینی کو بخاری کا یہ مقولہ پہونچا تو فرمایا۔ انکی بات چھوڑو۔ خود انھوں نے اپنا مثل نہیں دیکھا۔ بخاری فرماتے ہیں۔ علی مجھ سے خراسان کے شیوخ کے بارے میں پوچھتے تھے۔ میں نے محمد بن سلام کا تذکرہ کیا تو ان کو نہیں جان سکے یہاں تک کے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ ابوعبداللہ تم جس کو پسند کرتے ہو ہم بھی اسکو پسند کرتے ہیں۔

عمرو بن علی الفلاس نے فرمایا۔ بخاری جس حدیث کو نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں۔

یہ بھی فرمایا کہ خراسان میں ان کا جیسا کوئی نہیں۔

حاشد کہتے ہیں۔ مجھ سے احمد بن ابی بکر زہری نے کہا۔ کہ ہمارے نزدیک امام بخاری امام احمد سے بڑے فقیہ اور حدیث کے عالم ہیں۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا تم حد سے تجاوز کر گئے۔ تو احمد زہری نے کہا، اگر تم امام مالک کو پاتے اور ان کا اور بخاری کا چہرہ دیکھتے تو حدیث و فقہ میں یکساں نظر آتے۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ حدیث و فقہ میں تفکر و تأمل کا انداز یکساں تھا۔ قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں فقہاء، زہاد، عُبّاد کے ساتھ بیٹھا ہوں لیکن جب سے مجھ کو عقل آئی ہے کسی کو بخاری جیسا نہیں پایا۔ وہ اپنے زمانہ میں ایسے تھے جیسے حضرت عمرؓ صحابہ میں۔

قتیبہ ہی کا مقولہ ہے کہ بخاری اگر صحابہ میں ہوتے تو ایک نشانی ہوتے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حدیث میں غور کیا اور رائے میں بھی۔ فقہاء، زہاد، عباد کے ساتھ بھی بیٹھا ہوں لیکن بخاری کا مثل نہیں دیکھا۔ ان سے ایک بار طلاقِ سکران کا حکم پوچھا گیا اتنے میں بخاری آ گئے تو فرمایا کہ لو یہ احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور علی بن مدینی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو تمہارے پاس بھیجدیا۔ یہ کہتے ہوئے امام بخاری کی طرف اشارہ کیا (یعنی امام بخاری ان تینوں شخصوں کے کمالات کے جامع ہیں)

مہیار کہتے ہیں کہ میں نے قتیبہ بن سعید اور یحیی بن معین کو امام بخاری کے پاس آتے جاتے دیکھا۔ یحیٰی بن معین معلومات میں بخاری کے تابع تھے۔

ابراہیم بن محمد بن سلام فرماتے ہیں کہ بڑے رو سار محدثین (پھر بڑے بڑے محدثینِ زمانہ کا نام لیا) احادیث کے بارے میں امام بخاری کے فیصلہ کو اپنے اوپر تسلیم کرتے تھے۔

یعقوب بن ابراہیم دورقی اور نعیم بن حماد خزاعی نے کہا۔ بخاری اس امت کے فقیہ ہیں

بُندار محمد بن بشار نے کہا۔ بخاری ہمارے زمانہ میں اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑے فقیہ ہیں۔

بخاری جب بصرہ پہونچے تو بندار نے کہا آج سید الفقہاء تشریف لائے۔

عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بخاری سے کہا۔ میری کتابوں کو دیکھ کر کہیں کمی ہو تو مجھے اطلاع دیجئے۔

کچھ اقوال ہمعصروں اور متبعین کے

محدث عجلی کہتے ہیں۔ کہ میں نے ابوزرعہ اور ابوحاتم کو دیکھا کہ بخاری کی بات توجہ سے سن رہے ہیں۔ بخاری ایک امت تھے۔ دیندار فاضل تھے۔ ہر کام اچھا جانتے تھے۔ اور ذہلی سے بہت بڑے عالم تھے۔

محدث دارمی فرماتے ہیں۔ بخاری ہم سے بڑے عالم فقیہ اور حدیثوں کے حاصل کرنے والے ہیں، ایک حدیث کے متعلق کہا گیا کہ بخاری نے اس کی تصحیح کی ہے تو فرمایا۔ وہ مجھ سے زیادہ بصیرت رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ ہوشیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو امر و نہی اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کے ذریعہ نازل فرمائی ہے اس کو سمجھ لیا ہے۔ جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو دل، نگاہ اور کان کو مشغول کر دیتے ہیں۔ قرآن کی مثالوں میں غور کرتے ہیں اور حلال و حرام کو پہچانتے ہیں۔ میں نے حرمین۔ حجاز و شام کے علماء کو دیکھا لیکن ان جیسا نہیں دیکھا۔

حاتم بن منصور فرماتے ہیں علم میں ان کو درک اور بصیرت کا ایسا مقام حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔

محمود بن النضر فقیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ، شام، حجاز، کوفہ گیا وہاں کے علماء کو دیکھا۔ ان کے سامنے جب بھی بخاری کا ذکر آتا تو ان کو اپنے اوپر فضیلت دیتے۔

ابوسہل فرماتے ہیں۔ میں نے مصر کے تیس سے زائد علماء کو دیکھا کہہ رہے تھے ہماری دنیا کی ایک حاجت ہے کہ امام بخاری کو دیکھ لیں۔

صالح بن محمد جزرہ فرماتے ہیں کہ بخاری حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ میں

بغداد میں ان کے لئے املاء کرایا کرتا تھا۔ حاضرین کی تعداد بیس ہزار کو پہونچ گئی تھی۔

فضلک رازی سے پوچھا گیا کہ بخاری احفظ تھے یا ابوزرعہ رازی۔ تو فرمایا کہ میری ملاقات بخاری سے نہیں ہوئی تھی۔ ایک سفر میں حلوان اور بغداد کے درمیان ملاقات ہو گئی۔ میں ایک منزل تک ان کے ساتھ چلا اور اس بات کی کوشش کی کہ کوئی ایسی حدیث ان کو سناؤں جو ان کے پاس نہ ہو لیکن یہ نہیں ہو سکا۔ رہے ابوزرعہ تو میں ان کے سر کے بال کے برابر غریب حدیثیں ان کو سنا سکتا ہوں۔

ابن خزیمہ نے فرمایا۔ آسمان کے نیچے بخاری سے بڑا کوئی محدث نہیں۔ ترمذی نے فرمایا علل واسانید کے علم میں بخاری سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ امام مسلم نے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جیسا دنیا میں کوئی نہیں۔ کفارۂ مجلس کی حدیث پیش کر کے مسلم نے بخاری سے پوچھا کیا دنیا میں اس سے اچھی حدیث بھی آپ جانتے ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا اچھی حدیث ہے لیکن معلول ہے۔ تو مسلم نے کہا لا الہ الا اللہ اور کانپ گئے اور فرمایا کہ بتائیے اس میں کیا علت ہے۔ بخاری نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو بات چھپا رکھی ہے میں بھی اس کو چھپاؤنگا پھر مسلم نے اصرار کیا اور قریب تھا کہ رونے لگیں۔ تو بخاری نے اس کی علت بتائی۔ تو مسلم نے فرمایا آپ سے کوئی حاسد ہی بغض رکھ سکتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں۔

ایک روایت یوں ہے کہ مسلم جب آئے تو دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا کہ پاؤں کو بھی بوسہ دینے دیجئے۔ اے استاذ الاستاذین سید المحدثین حدیث کی علتوں کے طبیب الی اخر القصہ۔ (ہدی الساری ص۴۸۲ تا ص۴۸۶)

حاتم وراق کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو خواب میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دیکھا۔ حضرت چل رہے تھے۔ حضرت جب قدم اٹھاتے تو وہیں امام بخاری اپنا قدم رکھتے۔ نجم بن فضیل نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف سے نکلے امام

بخاری پیچھے پیچھے چل رہے ہیں. حضرت کے قدم کی جگہ قدم رکھ رہے ہیں. فربری نے خواب میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ فربری نے کہا محمد بن اسماعیل کا. فرمایا ان کو میرا سلام کہنا (ھدی ص ۴۸۹)

امام بخاری کے تلامذہ اور مسترشدین

آپ کے تلامذہ میں آپ کے مشائخ اور اساتذہ بھی ہیں. چند کے نام یہ ہیں۔

عبد اللہ بن محمد المسندی، عبداللہ بن منیر، اسحاق بن احمد السرماری، محمد بن خلف بن قتیبہ

آپ کے ہم عمروں میں سے مندرجہ ذیل حضرات نے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، ابراہیم الحربی. ابوبکر بن ابی عاصم، موسیٰ بن ہارون الجمال، محمد بن عبداللہ بن مطینؒ، اسحٰق بن احمد بن زیرک الفارسی: محمد بن قتیبہ البخاری، ابوبکر الاعین۔

مشہور بڑے محدثین میں سے مندرجہ ذیل حضرات نے اکتساب فیض کیا۔

صالح بن محمد جزرہ، امام مسلم، ابوالفضل احمد بن سلمہ، ابوبکر بن خزیمہ، محمد بن نصر المروزی امام نسائیؒ. بالواسطہ بھی روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی، عمر بن محمد البجیری، ابوبکر بن ابی الدنیا، ابوبکر البزار، حسین بن محمد القبّانی، یعقوب بن یوسف الاخرم، عبداللہ بن محمد بن ناجیۃ، سہل ابن شاذویہ البخاری، عبیداللہ بن واصل، القاسم بن زکریا المطرز. ابوقریش محمد بن جمعۃ، محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی، ابراہیم بن موسی الجریری، علی بن العباس التابعی. ابوحامد الاعمشی، ابوبکر احمد بن محمد بن صدقۃ البغدادی، اسحٰق بن داؤد الصواف، حاشد بن اسماعیل البخاری، محمد بن عبداللہ بن الجنید، محمد بن موسی النہرتیری، جعفر بن محمد النیسابوری. ابوبکر بن داؤد، ابوالقاسم البغوی، ابومحمد بن صاعد، محمد بن ہارون الحضرمی، الحسین بن اسماعیل المحاملی البغدادی۔

فربری نے ذکر کیا ہے کہ صحیح بخاری کو آپ سے نوّے ۹۰ ہزار لوگوں نے سنا ہے۔ اور میں

ہی اب صحیح کا راوی رہ گیا ہوں۔ کوئی اور باقی نہیں رہا۔ (ہدی الساری ص۴۹۱)

فربری کا نام محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر تھا۔ ابو عبداللہ کنیت۔ فربر بخارا کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ فار کا فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہے۔ فربری نے بخاری سے صحیح کو دو مرتبہ سنا ایک مرتبہ ۲۴۸ھ میں فربر میں، دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں بخارا میں۔ فربری کا انتقال ۳۲۰ھ میں ہوا فربری کو قتیبہ بن سعید اور علی بن خشرم سے بھی سماعت حاصل ہے جو بخاری اور مسلم کے شیوخ میں ہیں، اس طرح فربری بخاری اور مسلم کے ساتھ ان دونوں سے روایت میں شریک ہیں۔ (مقدمہ شرح البخاری للنووی ص۶)

فربری کا یہ جو دعویٰ تھا کہ میرے سوا اور کوئی راوی باقی نہیں رہا واقعہ کے لحاظ سے صحیح نہیں تھا۔ اسلئے حافظ نے اس کی تاویل کی اور فرمایا کہ اپنے علم کے مطابق فرما رہے ہیں ورنہ ان کے ۹ سال کے بعد ابو طلحہ منصور بن محمد بن علی بن ـــ قریۃ البزدوی کا انتقال ہوا ۳۲۹ھ میں۔ یہ بھی صحیح بخاری کے راوی تھے جیسا کہ ابن ماکولا وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

(ہدی الساری ص۴۹۱)

فربری اور ابو طلحہ منصور کے علاوہ صحیح بخاری کو روایت کرنے والے یہ حضرات بھی ہیں۔

۳۔ ابراہیم بن معقل النسفی الحنفی متوفی ۲۹۴ھ لیکن آخر کا کچھ حصہ بخاری سے نہیں سن سکے تھے اس کو اجازۃً نقل کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بارے میں دوسرا قول ۲۹۵ھ کا ہے ذکرہ الذہبی والقرشی

۴۔ حماد بن شاکر النسوی (الحنفی) قال الحافظ اظنہ مات فی حدود التسعین اھ لیکن کوثری نے بتایا ہے کہ صحیح نسبت نسفی ہے اور وفات ۳۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۲۱۲)

ایک پانچویں شخص بھی ہیں۔ القاضی الحسین بن اسماعیل المحاملی۔ متوفی ۳۳۰ھ کرمانی کا کہنا ہے کہ یہ آخری شخص ہیں جنہوں نے بخاری کو امام بخاری سے سنکر روایت کیا۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اسکی تردید کر دی کہ انھوں نے صرف چند مجالس میں شرکت کی تھی جو امام بخاری

نے بغداد کے آخری سفر میں قائم کی تھیں۔ انھوں نے پوری بخاری سنی ہی نہیں تھی۔
(مقدمۂ لامع ص۶۴ عن الفتح)

لیکن ان طرق میں شہرت صرف فربری کے طریق کو ہوئی۔ حافظ صاحب نے اس کی تصریح کی ہے۔ (ہدی ص۴۹۱) اور ہندوستان میں بھی بخاری کی روایت اسی طریق سے شائع ہوئی۔ (مقدمۂ لامع ص۶۵ ص۲۰۶)

فربری سے روایت کرنے والے ۱۲ افراد ہیں۔

(۱) (ابن السَّکَن) ابو علی سعید بن عثمان م ۳۵۳ھ ان کے شاگرد عبداللہ بن محمد بن اسد الجہنی ہیں۔

(۲) (المُستَملی) ابو اسحاق ابراہیم بن احمد م ۳۷۶ھ ان کے شاگرد ابوذر ہَرَوی مالکی م ۴۳۴ھ عبدالرحمن ہمدانی ہیں۔

۳۔ (الاَخسِیکَثی) ابو النصر احمد بن محمد م ۳۷۶ھ ان کے شاگرد اسماعیل بن اسحاق الصفار الزاھد ہیں۔

۴۔ (ابو زید) محمد بن احمد المروزی الفقیہ م ۳۷۱ھ ان کے شاگرد عبداللہ اصیلی مالکی م ۳۹۲ھ ابو نعیم اصبہانی م ۴۳۰ھ ابو الحسن علی بن محمد القابسی المالکی م ۴۰۳ھ ہیں

۵۔ (الشَّبُّوی) ابو علی محمد بن عمر بن شبویہ۔ ان کے شاگرد سعید بن احمد الصیرفی العیار عبدالرحمن ہمدانی المذکور ہیں

۶۔ (الجُرجَانی) ابو احمد محمد بن محمد الجرجانی م ۳۷۳ھ او بعدہا ان کے شاگرد ابو نعیم مذکور ابو الحسن علی بن محمد قابسی مالکی مذکور ہیں

۷۔ (السَّرخَسِیّ الحَمُّوئیؒ[۱]) ابو محمد عبداللہ بن احمد بن حمویہ م ۳۸۱ھ ان کے شاگرد

---

[۱] کذا کتب بیائین فی حاجۃ القاری ص۴۵ و فی اللامع بیاء واحدۃ ہکذا الحموی ۱۲ فضل

ابوذر مذکور، عبدالرحمن داؤدی م ۴۶۷ھ ہیں۔

۸۔ (الکشمیہنی) ابوالہیثم محمد بن مکی م ۳۸۹ھ۔ ان کے شاگرد ابوذر، کریمہ بنت احمد م ۴۶۵، محمد بن احمد الحفصی م ۴۶۶ھ ہیں

۹۔ (الکشانی) اسماعیل بن محمد م ۳۹۱۔ آخر من حدث عن الفربری۔ قالہ الحافظ۔ ان کے شاگرد مستغفری م ۴۳۲ھ ہیں۔

حافظ نے فربری کے انہی ۹ تلامذہ کو ذکر کیا ہے۔

۱۰۔ (ابوسعید) احمد بن محمد
۱۱۔ (محمد بن احمد بن مت) } ان دونوں شاگردوں کو نووی نے ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ (ابولقمان) یحی بن عمار الختلانی المعمر الی ۴۷۲ اسنتہ۔ ذکرہ فی الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور اور قوی طریق ابوذر ہروی مالکی کا ہے اسلئے کہ وہ مستملی، سرخسی، اور کشمیہنی تینوں سے روایت کرتے ہیں، اور تینوں میں تمیز اور فرق کرتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اچھی طرح ضبط کیا ہے (حافظ ابن حجر فی الفتح، مقدمہ لامع ص۲۲۴ و ص۶۸) ہند میں داؤدی عن السرخسی کی سند زیادہ مشہور ہے۔

امام بخاریؒ کا مسلک

امام بخاری کا مسلک حافظ ابن حجرؒ نے مقدمۂ فتح میں اس مسئلہ پر کوئی بحث نہیں کی (فیما اعلم) فتح الباری میں ایک جگہ لکھا ہے کہ امام بخاری تفسیر میں جو کچھ نقل کرتے ہیں اس فن کے ائمہ۔ ابو عبیدہ (معمر بن مثنی) النضر بن شمیل وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ اکثر فقہی مسائل و مباحث امام شافعی ابو عبید وغیرہم سے لئے ہیں اور اکثر مسائل کلامیہ کرابیسی، ابن کلاب وغیرہم سے (فتح الباری ص۲۴۳ ج۱ باب ما یقول عند الخلاء)

لیکن بہت زمانہ سے صحاح ستہ کے مصنفین کے مذاہب زیر بحث رہے ہیں علماء کا اس میں بہت اختلاف رہا ہے امام بخاری کے متعلق علما کی رائیں صحیح ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے امام بخاری کو فقہ میں امام اور مجتہد قرار دیا ہے جیسا کہ جزائری نے توجیہ النظر ص۱۸۵ میں لکھا ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ الکبریٰ میں ذکر کر کے شافعی قرار دیا ہے۔ اسلئے کہ بخاری، حمیدی کے شاگرد ہیں اور حمیدی امام شافعی کے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بخاری نے زعفرانی، ابو ثور اور کرابیسی سے سنا ہے انھوں نے امام شافعی سے۔
(مقدمہ ص۱۵ تا ص۱۹ لامع ص۵۹) و معارف السنن ص۱/۲۱)

لیکن اتنی وجہ امام بخاری کے شافعی ہونے کے لئے کافی نہیں۔ ورنہ امام شافعی کو حنفی کہنا صحیح ہونا چاہیئے اسلئے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے تلامذہ کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح امام احمد کو بھی شافعی ہونا چاہیئے۔ امام شافعی کو مالکی بھی ہونا چاہیئے۔

نیز امام بخاری جس طرح حمیدی کے شاگرد ہیں، اسی طرح اسحاق بن راہویہ بھی انکے خاص استاذ ہیں اسحاق بن راہویہ عبد اللہ بن المبارک کے شاگرد ہیں۔ اور عبد اللہ[1] بن المبارک امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اسلئے امام بخاری حنفی ہوئے۔ بخاری کے بہت سے اساتذہ حنفی تھے

---

[1] عبد اللہ بن المبارک بہت عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ نے ان کو اسلام کی مایۂ ناز ہستی قرار دیا ہے۔ حدیث و فقہ کے امام ہونے کے ساتھ مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ اہل شوریٰ سے مشورہ کے بعد امام ابو حنیفہ کے مسائل کتاب میں درج کئے جاتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ اصول میں درج فرماتے تھے۔ یہ شرف فقہ حنفی ہی کو حاصل ہے کہ وہ شورائی ہے، اور ظاہر کہ جوبات ائمہ حدیث و فقہ اور قیاس کے ماہرین سے مشورہ کے بعد طے پائے وہ کسی ایک مجتہد کی انفرادی تحقیق سے اولیٰ اور اقرب الی الصواب ہوگی۔

مثلاً معلیٰ بن منصور، ابو عاصم نبیل، محمد بن عبد اللہ المثنیٰ الانصاری، مکی بن ابراہیم بلخی (ان سے امام بخاری نے گیارہ ثلاثیات روایت کی ہیں) ان کے علاوہ اور بھی متعدد شیوخ بخاری حنفی ہیں اسلئے مذکورہ دلیل بالکل ناکافی ہے۔

اسی طرح چند مشہور مسائل میں امام شافعی کے ساتھ موافقت ان کے شافعی ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی اگر رفع یدین، آمین بالجہر، قرارت خلف الامام جیسے چند مسائل میں ان کی موافقت کی ہے تو دوسرے بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف اور احناف کے ساتھ موافقت کی ہے۔ جیسے وضو من القبلۃ، وضو من مس الذکر، وضو من مس المرأۃ، جہر بسملہ، تثلیث مسح راس، طہارت منی، کلام فی الصلاۃ وغیرہ مسائل۔ (مقدمہ لامع ص ۱۶ ص ۶۲-۶۱) اسلئے شافعی ہونے کا قول بے دلیل ہے [۲]۔

---

[۱] معلیٰ بن منصور نے امام ابو یوسف اور امام محمد سے کتابیں، امالی اور نوادر روایت کی ہیں۔ بخاری نے ان سے صحیح بخاری کے علاوہ کتابوں میں روایت لی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے بھی شاگرد تھے۔ ابو عاصم ضحاک بن مخلد النبیل بھی امام اعظم کے شاگرد تھے۔ بخاری میں ۶ ثلاثیات ان سے مروی ہیں۔ محمد بن عبد اللہ انصاری امام ابو یوسف اور امام زفر کے شاگرد ہیں۔ بخاری نے ان سے تین ثلاثیات روایت کی ہیں۔ مکی بن ابراہیم بھی امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ اور مذہب حنفی کے بہت حامی۔ امام اعظم سے حدیث و فقہ دونوں کی سماعت کی تھی۔

(مقدمہ لامع ص ۱۶ ص ۱۷)

ان کے علاوہ یحییٰ قطان، نعیم بن حماد خزاعی، حسین بن ابراہیم اشکاب، عمر بن حفص بن غیاث، فضیل بن عیاض، یحییٰ بن معین، وکیع بن الجراح وغیرہم بہت سارے لوگ ہیں جو بخاری کے اساتذہ میں ہیں اور امام اعظم یا ان کے تلامذہ کے تلامذہ ہیں (ایضاً)

[۲] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الانصاف میں فرمایا کہ بخاری اگرچہ امام شافعی کیطرف منسوب ہیں اور بہت سے مسائل میں ان کے موافق بھی ہیں۔ لیکن بہت سے مسائل میں انکے مخالف بھی ہیں۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں فرمایا کہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، اثرم اور اس طبقہ کے لوگ جو امام احمد کے اصحاب میں سے ہیں وہ امام احمد کی ان مقلدین سے زیادہ پیروی کرتے ہیں جو مقلد محض ہیں اور ان کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔" (مقدمۂ لامع ص۱۸-۶۹) ابن ابی یعلی نے بھی ان تینوں (بخاری، مسلم، ابوداؤد) کو طبقات الحنابلہ میں شمار کیا ہے (ایضاً)

نواب صدیق حسن خان صاحب نے ابجد العلوم میں امام بخاری، ابوداؤد اور نسائی کو شوافع میں شمار کیا ہے۔ علامہ نفیس الدین علوی نے سبکی کی تردید کرتے ہوئے امام بخاری کو امام مجتہد مستقل تسلیم کیا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی امام بخاریؒ کو بلاریب مجتہد تسلیم کیا ہے۔ (فیض الباری ص۵۵ و معارف السنن ص۲۱)

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ نے۔ ماتمس الیہ الحاجۃ۔ میں یہ فرمایا ہے کہ امام بخاری اور امام ابوداؤد بھی بقیہ ائمۂ حدیث مصنفین صحاح ستہ کی طرح نہ کسی امام کے مقلد تھے نہ ہی علی الاطلاق مجتہد بلکہ اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف میلان رکھتے تھے اگر یہ مستقل مجتہد ہوتے تو ان کے اقوال بھی دیگر ائمہ مجتہدین کی طرح کتابوں میں منقول ہوتے لیکن ایسا نظر نہیں آتا۔ امام ترمذی کو دیکھئے امام بخاری کے اخص تلامذہ میں ہیں لیکن جامع ترمذی میں ائمہ مجتہدین حتی کہ عبداللہ بن مبارک اور اسحاق بن راہویہ کے اقوال ذکر فرماتے ہیں مگر امام بخاری کے اقوال نہیں ذکر کرتے اسلئے امام بخاری مجتہد مطلق نہیں ہیں۔ (ماتمس الیہ الحاجۃ ص۲۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی تحقیق یہ ہے کہ امام بخاری مستقل مجتہد ہیں۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی مجتہد مطلق ہوئے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے (شافعی نہیں ہیں) کیونکہ احناف کی طرح شوافع پر بھی اعتراضات کئے ہیں۔ ہاں احناف پر اعتراض کے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اسی لئے ان کے تفردات کو مذہب شافعی سے شمار نہیں کرتے ۱۲ (مقدمۂ لامع ص۱۸) بعینہ یہی بات حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کہی تھی۔ (مقدمۂ لامع ص۱۹)

وقت لہجہ ذرا سخت ہوتا ہے۔

جو شخص اختلاف ائمہ سے واقف ہو اگر بخاری کے تراجم میں غور کرے تو اسکو یہ بات ظاہر ہوگی۔ رہی یہ بات کہ ان کا مذہب ائمہ مجتہدین کی طرح کتابوں میں منقول نہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ امام متبوع نہیں تھے۔ دیگر ائمہ کی طرح ان کی تقلید نہیں کی گئی اسی لئے ان کا مذہب شائع نہیں ہوا۔ (مقدمہ لامع ص۱۹، ص۶۰ و ص۶۱)

ہمارے خیال میں ائمہ اربعہ کی طرح امام بخاری کو مجتہد مطلق مستقل ماننا مشکل ہے کیونکہ ان کے اصول معلوم نہیں، نیز صحیح بخاری میں بہت سی جگہ ان کی رائے ظاہر اور صاف نہیں اسی لئے شاید ان کے اقوال کتب میں ذکر نہیں کئے گئے۔ صحیح بخاری کے علاوہ کوئی اور کتاب امام بخاری کی معلوم نہیں جس میں جزئیات بیان ہوئی ہوں۔ ان کے شاگردوں نے جب ان کو فقیہ و مجتہد کی حیثیت سے پیش نہیں کیا تو بعد میں ان کو یہ درجہ کس طرح مل سکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک نوع کے مجتہد ضرور تھے جیسے دیگر ائمہ حدیث مصنفین کتب حدیث اور ان میں امام بخاری کے تراجم سب سے عمیق گہرے اور لطیف ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اور محدثین کے مقابلہ میں انکی نگاہ زیادہ عمیق تھی اور نصوص سے استدلال کا ملکہ زیادہ تھا۔ شاید یہی مطلب ہوگا ان بزرگوں کا جنہوں نے امام بخاری کو مجتہد کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

تتمہ اس موقعہ پر دیگر مصنفین صحاح ستہ کے بارے میں بھی علماء کرام کے اقوال جان لینا مناسب ہوگا اسلئے کہ عام طور سے صحاح ستہ کے مصنفین کے بارے میں یکجا ہی کلام کیا جاتا ہے۔

امام مسلم علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلم کا مذہب مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم نہیں کیونکہ ان کی کتاب کے تراجم ان کے نہیں۔

(فیض الباری ص۵۸ والعرف الشذی مع الترمذی ص۱)

نواب صدیق حسن خان صاحب نے اپنی کتاب الحطہ بذکر الصحاح الستہ اور اتحاف النبلاء دونوں میں امام مسلم کو شافعی کہا ہے۔ (مقدمہ لامع ص۱۸، ص۶۸)

علامہ ابراہیم ٹھٹھوی نے فرمایا کہ لوگوں میں اگرچہ مشہور ہے کہ آپ شافعی ہیں لیکن بایں معنی کہ ان کا اجتہاد امام شافعی کے اجتہاد کے موافق ہوگیا ہے نہ بایں معنی کہ ان کی تقلید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ۔ اتحاف الاکابر۔ میں اس طرف اشارہ ہے کہ امام مسلم مالکی المذہب تھے۔

ابن حجر کی تقریب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم مجتہد تھے۔ (مقدمہ لامع ص۱۸، ص۶۹)

مولانا عبدالرشید نعمانی کی رائے اوپر ذکر ہوچکی کہ نہ مقلد نہ مجتہد مطلق۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے امام مسلم کو شافعی تسلیم کیا ہے۔

(الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص۵۷)

کشف الظنون میں بھی شافعی کہا ہے۔ ص۵۵۵ (مقدمہ لامع ط۱۹، ص۷)

علامہ ابن القیم نے امام بخاری کی طرح ان کو بھی حنبلی مذہب کی طرف منسوب کیا ہے (ایضاً ص۱۸)

علامہ ابن تیمیہ نے اہل الحدیث کے مذہب پر مانا ہے نہ مقلد نہ مجتہد بلکہ ائمہ حدیث شافعی، احمد، اسحاق، ابو عبید وغیرہم ___ کے اقوال کی طرف مائل۔

مولانا محمد زکریاؒ کے نزدیک امام بخاری اور امام ابو داؤد کے علاوہ مصنفین کتب حدیث مجتہدین فی المذہب کے درجہ میں ہیں کسی مسئلہ میں اپنے امام کی موافقت کرتے ہیں اور کسی میں مخالفت اسی لئے ان کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ (مقدمہ لامع ص۱۹، ص۷)

مجتہد فی المذہب اس کو کہتے ہیں جو اصول میں کسی امام مجتہد مطلق مستقل کا تابع ہو مگر فروع میں نہیں۔ جب کسی کو مجتہد فی المذہب کہا جائیگا تو بتانا ہوگا کہ کس مذہب میں اور کس امام کا۔ حضرت شیخ کے کلام میں اس کی نشاندہی نہیں۔ ہمارے خیال میں ابن تیمیہ اور مولانا نعمانی کے اقوال زیادہ مناسب ہیں کہ یہ مصنفین احادیث سے خود مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ کبھی کسی امام مجتہد کے موافق ہوجاتا ہے کبھی کسی دوسرے مجتہد کے۔ شاید شیخ زکریاؒ کے

قول مجتہد فی المذہب کا یہی مطلب ہو کہ یہ لوگ مقلد اور مجتہد مطلق کے بین بین ہیں۔ یعنی ایک طرح کے مجتہد کہ قلنا فقہ میں مجتہد فی المذہب کا جو مطلب ہوتا ہے وہ حضرت شیخ کی مراد ہو۔ واللہ اعلم۔

امام ترمذی

امام ترمذی علامہ کشمیری کے یہاں شافعی ہیں۔ صرف ابراد ظہر کے مسئلہ میں اختلاف کیا ہے علامہ ابراہیم کھٹوی کے نزدیک امام ترمذی مجتہد ہیں انکی فقہ امام شافعی کی فقہ کے موافق ہو گئی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک ابو داؤد اور ترمذی مجتہد ہیں لیکن امام احمد اور اسحاق کی طرف منسوب ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ۔ اہل الحدیث[1] کے مذہب پر مانتے ہیں نہ مقلد نہ مجتہد بلکہ ائمہ حدیث کی طرف مائل۔

مولانا عبدالرشید نعمانی کے نزدیک بھی نہ مقلد نہ مجتہد اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف مائل کما مر۔ شیخ زکریاؒ۔ مجتہد فی المذہب کے درجہ میں رکھتے ہیں کما مر (مقدمۂ لامع ص۱۹؍ ص۴)

امام ابوداؤد

علامہ کشمیری اور شیخ زکریا کے نزدیک حنبلی تھے۔

نواب صدیق حسن خان کے نزدیک شافعی۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک مجتہد ہیں احمد اور اسحاق کی طرف منسوب جیسے کہ امام ترمذی کما مر

علامہ ابن تیمیہ۔ اہل الحدیث کے مذہب پر کما مر (مقدمہ لامع ص۱۸)

امام نسائی

امام نسائی کو علامہ کشمیری حنبلی کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ۔ شاہ عبدالعزیز۔ نواب صدیق حسن خان شافعی مانتے ہیں۔ مولانا زکریا صاحبؒ مجتہد فی المذہب کما مر۔ ابن تیمیہ اہل الحدیث کے مذہب پر۔

---

[1] امام ترمذی نے جگہ جگہ عند اصحابنا فرمایا ہے اس سے ابن تیمیہ کی بات کی تائید ہوتی ہے۔ عند اصحابنا کے بعد کبھی امام شافعی اور امام احمد کا نام حرف عطف کے بعد لاتے ہیں کبھی بغیر حرف عطف کے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الگ بھی ہیں اور ان سے تعلق بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابن ماجہ | کو ابن تیمیہ اہل الحدیث کے مذہب پر۔ شاہ ولی اللہ مجتہد۔ امام احمد واسحاق کی طرف منسوب مانتے ہیں۔ مولانا نعمانی نہ مقلد نہ مجتہد بلکہ اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف مائل۔ شیخ زکریا مجتہد فی المذہب (مقدمہ لامع ۱۹ ص۲۷ و ص۷) علامہ کشمیری۔ ان کا مذہب معلوم نہیں (فیض الباری ص۵۸) شاید شافعی تھے (العرف الشذی ص)

امام بخاریؒ اور احناف

امام بخاریؒ کو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ابو حفص کبیر متوفی ۲۱۷ھ سے تلمذ حاصل تھا ان سے جامع سفیان ثوری کا سماع اپنے وطن میں سفر شروع کرنے سے پہلے ہی کر لیا تھا۔ ابو حفص کبیر اور امام بخاری کے والد کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے اسماعیل کے انتقال کے بعد ابو حفص کبیر امام بخاری کی مدد بھی کرتے تھے۔ ابو حفص احمد کبیر کے بیٹے محمد ابو حفص صغیر اور امام بخاری طلب علم میں مدت تک ہم سفر رہے تھے۔ ابو حفص کبیر امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد تھے امام محمد کے کبار تلامذہ میں ان کا شمار ہے یہ امام شافعی رح کے ہم عمر تھے زندگی طویل پائی تھی ان کے بعد مدت تک زندہ رہے۔ بہت بڑے محدث فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے سماعت کی۔ یہ باپ بیٹے بخارا کے مشاہیر ائمہ حدیث میں سے ہیں ظاہر ہے کہ ان سے تعلق کی وجہ سے امام بخاری کو احناف سے بہت قرب رہا ہوگا۔

بعد میں امام بخاری کا تعلق جب امام حمیدی تلمیذ امام شافعی اور نعیم بن حماد خزاعی سے ہوا تو امام بخاری کے اندر انحراف پیدا ہوا اسلئے کہ یہ دونوں احناف کے بہت مخالف تھے۔

ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء ص۹۶ ج۹ میں سند کے ساتھ حمیدی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کنا نرید ان نرد علی اصحاب الرأی فلم نحسن کیف نرد علیھم حتی جاءنا الشافعی ففتح لنا (ماتمس الیہ الحاجۃ ص۲) ہم اصحاب الرائے کی تردید کرنا چاہتے تھے لیکن ہم اچھی طرح یہ کام نہیں کرسکتے تھے یہاں تک کہ امام شافعیؒ آئے تو انہوں نے اس کو ہمارے لئے کھولا

(آسان کیا)

یہ تو تھا حمیدی کا مبلغ علم اس کے باوجود یہ بھی کہتے ہیں کہ بصرہ کے سفر میں میرا امام شافعیؒ کا ساتھ ہوا تو میں ان سے مسائل معلوم کرتا تھا اور وہ مجھ سے حدیث حاصل کرتے تھے ایضاً

صاحب انوار الباری نے لکھا ہے کہ حمیدی سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام ابوحنیفہ) کی خدمت میں کافی رہے تھے اس لئے احادیث سفیان کے بڑے عالم تھے اور اسی لئے ان کی قدر و منزلت ہوتی تھی اسی لئے امام شافعی بھی ان کی عزت کرتے تھے اور بعض سفروں میں ساتھ بھی رکھا۔ اپنی افتاد طبع کی وجہ سے خود اپنی جماعت میں بھی تفریق کے ساعی ہوئے۔ امام شافعیؒ کے جانشین بننا چاہتے تھے مگر ان کے اندر فقہ کی بڑی کمی تھی۔ کامیابی نہیں ہوئی تو بویطی کے لئے جوڑ توڑ کیا۔ ان میں بھی دوسرے تلامذہ امام شافعی کی بنسبت فقہ کی کمی تھی۔ محمد بن حکم (تلمیذ امام شافعی) نے حمیدی کی تکذیب کی ہے۔ (مقدمہ انوار الباری ص۲۸)

امام بخاری نے ان حمیدی سے اپنی تاریخ صغیر ص۱۵۸ (طبع الہ آباد) میں یہ روایت نقل کی ہے۔ حمیدی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے کہا۔ میں مکہ مکرمہ آیا تو حجام سے تین سنتیں سیکھیں۔ جب اس کے سامنے بیٹھا تو اس نے کہا قبلہ کا استقبال کر کے بیٹھو پھر میرے سر کے داہنی جانب سے شروع کیا اور دونوں ہڈیوں تک پہونچایا۔ حمیدی کہتے ہیں۔ جس آدمی کے پاس مناسک وغیرہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی سنتیں نہ ہوں اسکی تقلید کس طرح میراث زکوٰۃ نماز اور امور اسلام میں کی جاسکتی ہے اور امام بخاری نے اسکو بغیر ردّ کے نقل کر دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اتفاق کیا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔ امام بخاری اپنی صحیح میں تو کفِ لسان کرتے ہیں لیکن باہر خوب تیز لسانی کرتے ہیں یہ کیا چیز ہے دیکھو جزء القراءۃ خلف الامام اور جزء رفع الیدین وغیرہ۔ (مقدمہ انوار الباری ج۱ ص۳۶ و ص۲۶)

شیخ زکریا کاندھلوی فرماتے ہیں۔ بلکہ صحیح میں بھی نام لئے بغیر تیز لہجہ کے ساتھ تردید

کرتے ہیں۔ دوسروں کی تردید اس لہجہ میں نہیں کرتے۔ (مقدمۂ لامع ص۱۵ و ص۱۶)

علامہ محمد زاہد کوثری نے حمیدی کی روایت کا جواب دیا کہ اولاً تو حمیدی نے براہ راست امام ابوحنیفہ سے یہ بات سنی نہیں ہوگی اسلئے کہ ان کا زمانہ متأخر ہے حمیدی کی وفات ۲۱۹ھ میں ہوئی۔ لامحالہ کوئی واسطہ ہوگا معلوم نہیں وہ کون ہے امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کی تنقیص کے لئے سند کی صحت کی ضرورت بھی نہیں سمجھی ایسی جرح کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے خصوصاً جبکہ حمیدی کا تعصب ظاہر ہے۔ (مقدمۂ انوار الباری ص۴۳)

ثانیاً۔ اگر روایت صحیح بھی مان لی جائے تو حمیدی کا نتیجہ صحیح نہیں اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کا پہلا حج رہا ہو جو بچپن میں کیا ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آگے چل کر بھی ان کو مسائل معلوم نہ ہوئے ہوں بلکہ اس سے تو امام ابوحنیفہ کی منقبت نکلتی ہے کہ علم اور سنت کے حریص تھے حتی کہ حجام سے بھی استفادہ کیا اور اس کو یاد رکھا (اور جو ایسا حریص ہوتا ہے بڑا عالم بنتا ہے) دیکھئے الرفع والتکمیل تالیف امام لکھنوی کا حاشیہ ص۳۹۶۔

نیز حج کے مسائل کا دقیق ہونا اور پہلی مرتبہ بھول چوک ہوجانا بڑے بڑے علماء سے منقول ہے مگر امام حمیدی کا نتیجہ ان کے اندرونی جذبات وخیالات کا پتہ دیتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

نعیم | دوسرے صاحب نعیم بن حماد ہیں جنکے بارے میں ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام ہونے کے باوجود منکر الحدیث ہیں دولابی نے کہا کہ نسائی نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ دوسرے کسی نے کہا۔ سنت کی تقویت کے لئے حدیثیں گھڑتے تھے اور امام ابوحنیفہ کی برائی کے لئے حکایات وضع کرتے تھے۔ ابو الفتح ازدی نے بھی یہی بات قالوا سے کہی یعنی لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے نعیم کے اوپر سے اس جرح کو دفع کرنے کی کوشش کی ہے اسلئے کہ امام بخاری نے ایک دو جگہوں پر ان کی روایت لی ہے تعلیقات بھی ذکر کی ہیں امام مسلم نے

بھی مقدمہ میں ایک جگہ روایت لی ہے۔ حافظ سے پہلے ابن عدی نے دولابی کی جرح کو رد کرتے ہوئے یہ کہاکہ دولابی اہل الرائے کے حامی تھے اسلئے نعیم پر جرح نقل کرنے میں متہم ہیں (یعنی اسلئے جرح نقل کی کہ نعیم اہل الرای پر تنقید کرتے تھے) لیکن حافظ نے فرمایا کہ ابن عدی نے دولابی کو متہم قرار دیا حالانکہ وہ اس سے پاک ہیں۔ تہمت ان کے شیخ پر ہے اسلئے کہ وہ مجہول ہیں۔ اسی طرح ازدی کی جرح بھی غیر معتبر ہے اسلئے کہ قالوا کے فاعل معلوم نہیں ہیں اھ حاصل یہ کہ ابن عدی اور حافظ جرح کو رد کرنے میں ٹکرا گئے (دیکھئے تہذیب التہذیب ۱۰ ۴۶۲)

واذا تعارضا تساقطا۔

مولانا عبدالرشید نعمانی فرماتے ہیں۔ ازدی اور دولابی ائمۂ جرح و تعدیل میں سے ہیں وہ اپنے شیوخ سے جرح کو نقل کرتے ہیں حافظ کا یہ اعتذار نعیم کے جرح کو مندمل نہیں کرسکے گا۔ شاید وہ جھوٹی باتیں جو نعیم نے ابوحنیفہ پر گھڑی ہیں حافظ کے کان سے ٹکرائی نہیں ہوں گی اسلئے یہ عذر پیش کر رہے ہیں۔ (ما تمس الیہ الحاجۃ ص ۲)

امام بخاری نے تاریخ صغیر ص ۱۷۴ میں انہی نعیم سے نقل کیا کہ فزاری نے بیان کیا کہ میں سفیان (لعلہ الثوری) کے پاس بیٹھا ہوا تھا ابوحنیفہ کے انتقال کی خبر آئی تو سفیان نے کہا۔ الحمدللہ۔ اسلام کے ایک ایک حلقہ کو توڑ رہا تھا اسلام میں اس سے زیادہ منحوس کوئی پیدا نہیں ہوا اھ (یعنی مر گیا اچھا ہوا۔ العیاذ باللہ) امام بخاری کی ضعفاء کبیر میں بھی نعیم سے بعض روایات امام ابوحنیفہ کی برائی میں مروی ہیں۔ علماء نے اس باب میں امام بخاری کی پیروی کرنے سے منع کیا ہے۔ حافظ سخاوی نے۔ الاعلان بالتوبیخ۔ ص ۶۵ میں لکھا ہے کہ۔ حافظ ابو الشیخ ابن حبان نے اپنی کتاب السنۃ میں بعض ائمہ متبوعین پر جو کلام نقل کیا ہے ایسے ہی ابو احمد ابن عدی نے اپنی۔ الکامل۔ میں۔ حافظ ابوبکر الخطیب نے تاریخ بغداد میں اور ان سے قبل دوسرے لوگوں نے جیسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور بخاری اور نسائی نے...... تو مناسب ہے کہ اس میں ان کی پیروی سے پرہیز کیا جائے (ما تمس الیہ الحاجۃ ص)

سخاوی تو یہ رائے رکھتے ہیں لیکن ان کے استاذ امام بخاری کی حمایت میں نعیم کی طرف سے مدافعت کررہے ہیں. حالانکہ قالوا سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدی کے کئی شیوخ نے یہ بات کہی ہے۔ نسائیؒ نے نعیم کو ضعیف قرار دیا لیکن بخاری نے ان کی روایت بخاری میں بھی لی ہے.

اسماعیل بن عرعرہ

ایک تیسرے صاحب اسماعیل بن عرعرہ ہیں۔ یہ بالکل مجہول الصفت ہیں۔ صحاح ستہ میں ان سے کوئی روایت نہیں (ھدی الساری ص۴۴۷) بخاری کی تاریخ میں بھی مذکور نہیں ان سے امام بخاری نے تاریخ صغیر میں ایک روایت یہ ذکر کی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ جہم کی ایک عورت ہمارے یہاں آئی اور ہماری عورتوں کی اتالیق رہی اھ

یہ ابن عرعرہ بعد کے زمانہ کے ہیں اسلئے اس روایت میں انقطاع ہے۔ امام بخاری نے کس طرح اس روایت کو نقل کرکے سکوت کیا؟ دل میں کچھ ہے جو کہا نہیں جاسکتا روایت کے اصول امام ابوحنیفہ کے بارے میں ضروری نہیں؟ اچھا چلئے قبیلۂ جہم کی جو عورت آئی تھی کیا وہ جہم بن صفوان کی ہم عقیدہ تھی؟ اس کا کیا ثبوت ہے؟ امام ابوحنیفہ نے اس کو کافر کہکر نکال باہر کردیا تھا (فیض الباری ص۵۱۴ عن المسایرۃ) اگر یہ عورت بھی اس خیال کی ہوتی تو اسے استاذ بناکر کیوں رکھا جاتا؟ (دیکھئے مقدمۂ انوار الباری ص۲۲-۲۵ ج۲)

یہ عورت تو قبیلہ جہم کی رہی ہوگی کیا جہم بن صفوان بھی اسی قبیلہ کا تھا؟ یہ تو نہیں کہا گیا کہ وہ عورت جہمیہ فرقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

امام ابوحنیفہ کے بارے میں امام بخاری کا قول

ان صحبتوں کا اثر تھا کہ امام بخاری کے قلم سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ الفاظ نکلے کان مرجئاً سکتوا عنہ وعن رأیہ وعن حدیثہ۔

(تاریخ کبیر ص۸۱ ج۴ قسم ۲)

امام صاحب مرجئی تھے لوگ ان سے۔ ان کی رائے سے۔ ان کی حدیث سے خاموش رہے علامہ کوثری اس کے جواب میں امام بخاری سے حسنِ ظن رکھتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ شاید اس سے مراد گمراہ فرقے خوارج معتزلہ ہوں گے۔ ان سے امام صاحب کے مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ (دیکھئے مقدمۂ انوار الباری ص۲۱/۲)

یا پھر سادہ لوح بے تحقیق لوگ مراد ہیں جو ہر طرح کی افواہ کا اعتبار کر لیتے ہیں ورنہ یہ بات حقیقت کے کسقدر خلاف ہے دنیائے اسلام کا آدھا یا دو تہائی حصہ امام ابوحنیفہ کو جانتا مانتا اور ان کے مسلک کا پیرو ہے۔ بڑے بڑے فقہاء محدثین صوفیاء اتقیاء ان کے زمانہ سے لیکر آج تک ان کی تحقیق پر اعتماد کرتے رہے ہیں۔ ان میں بہت سے امام بخاری کے شیوخ اور شیوخ کے شیوخ ہیں۔ امام وکیع امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے یحیی بن سعید قطان بھی (قالہ الذہبی فی تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ وکیع ۱۲ ما تمس الیہ الحاجۃ ص۲۷)

یحیی بن معین نے فرمایا۔ ابوحنیفہ ثقہ تھے میں نے کسی کو نہیں سنا کہ ان کی تضعیف کرتا ہو۔ (ذکرہ ابن عبد البر فی الانتقاء) ابن معین نے یہ بھی فرمایا کہ ابوحنیفہ ثقہ تھے وہی حدیث بیان کرتے جو ان کو یاد ہوتی۔ جو یاد نہ ہوتی اسکو بیان نہیں کرتے (ذکرہ الحافظ فی التہذیب عن ابن سعد العوفی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو جرحیں نقل کی جاتی ہیں وہ سب بعد کی تصنیف ہیں۔

کثرت خطأ کی جو بات کہی جاتی ہے اس کو بھی ابن معین نے ختم کر دیا۔ اسلئے کہ یہ کہدیا لایحدث الابما یحفظہ ولا یحدث بما لا یحفظ (تہذیب ص۴۵/۱) اور یہ بھی کہدیا کہ شعبہ کی رائے ان کے بارے میں اچھی تھی اور حدیث میں سچے تھے (ذکرہ ابن عبد البر فی جامع بیان العلم) (از مقدمۂ اعلاء السنن ص۱۹/۳)

وقال ابن المدینی۔ ابوحنیفہ ثقۃ لاباس بہ وقال شعبۃ کان واللہ حسن الفہم جید الحفظ۔

علی بن مدینی نے فرمایا کہ ابوحنیفہ ثقہ تھے۔ ان میں کوئی جرح نہیں۔ شعبہ نے فرمایا۔ ابوحنیفہ واللہ اچھی سمجھ کے تھے حافظہ بھی اچھا تھا۔ (مقدمۂ اعلاء ص ۱۹)

ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں۔ قال علی بن المدینی۔ ابوحنیفہ روی عنہ الثوری وابن المبارک وحماد بن زید وہشیم ووکیع بن الجراح وعباد بن العوام وجعفر بن عون وہو ثقہ لاباس بہ۔ نیز فرمایا۔ والذین رووا عن ابی حنیفۃ ووثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۴۹ ج ۲)

اس طرح کی عبارتیں بہت ہیں۔ ان کے لئے مقدمۂ اعلاء السنن جزء ثالث کی طرف مراجعت کی جائے۔ ان عبارتوں کے پڑھنے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ کے محدثین تو ان کے بارے میں رطب اللسان اور کافی مداح ہیں اسلئے امام بخاری کی عبارت میں مذکور مبہم مجہول لوگوں کے سکوت سے امام اعظم کی ثقاہت پر کیا اثر پڑے گا ابھی آپ نے دیکھا تھا کہ حافظ ابن حجر نے نعیم بن حماد کی حمایت کرتے ہوئے دولابی اور ازدی کی جرحوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ معلوم نہیں یہ کون لوگ ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں تو صرف سکوت مذکور ہے کوئی جرح بھی نہیں۔ لہذا اس کا کوئی اثر امام اعظم کی عظیم شخصیت پر نہیں پڑے گا۔

رہا ارجاء کا الزام تو معلوم ہے کہ امام ابوحنیفہ سنی تھے ان کا ارجاء اگر تھا تو ارجاء سنت تھا نہ کہ ارجاء بدعت۔ حقیقت میں ان کا اختلاف محدثین سے صرف لفظی یا اعتباری ہے حقیقی نہیں اسلئے اس لفظ ارجاء سے انکی ثقاہت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

ارجاء کے الزام کی حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے معتزلہ وغیرہ کو جب دلائل قاہرہ سے مغلوب کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں ہیں بلکہ حقیقت سے خارج اور مؤخر ہیں تو معتزلہ وغیرہ نے ابوحنیفہ کو مرجئی کہنا شروع کر دیا۔ اور غسان کوفی جو واقعۃً فرقۂ مرجئہ سے تھا لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے ابوحنیفہ کو مرجئہ میں شمار کرتا تھا اور امام صاحب سے ارجاء کو نقل کرتا تھا تاکہ اس کا مذہب امام صاحب کے نام پر رائج ہو جائے۔ یعنی امام صاحب کی مقبولیت سے

ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ محدثین جو حنفی قضات سے ناراض تھے انھوں نے اس ارجاء کے لفظ سے فائدہ اٹھا کر امام ابوحنیفہ اور احناف پر یہ الزام رکھدیا لیکن حقیقت کہاں چھپ سکتی ہے۔ (دیکھئے ماتمس الیہ الحاجۃ ص ۱۹)

اگر امام بخاری کا یہ کہنا صحیح ہے تو کسی کو یہ کہنے کا حق بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ امام بخاری اور ان کے ہم خیال سب معتزلی ہیں اسلئے کہ معتزلہ کی طرح یہ لوگ بھی اعمال کو ایمان میں داخل مانتے ہیں اور اگر فرق بیان کیا جائے تو وہی فرق امام ابوحنیفہ کے مسلک اور مرجئہ کے درمیان بھی ہے اس کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کتاب الایمان میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور محدثین کے درمیان تعبیر اور نظریہ کا اختلاف ہے نتیجہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ اسلئے امام بخاری کا یہ لفظ کان مرجئا شدت پر مبنی ہے حقیقت پر نہیں۔ واللہ اعلم

امام بخاریؒ نے دیگر احناف پر بھی اس طرح کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ مثلاً

یوسف بن خالد سمتی جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد، مشہور محدث اور فقیہ ہیں۔ امام صاحب سے چالیس ہزار مسائل حل کئے۔ امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کے خاص رکن تھے۔ ابن ماجہ میں ان کی روایت موجود ہے۔ امام مزنی نے ان کو اخیار و ابرار میں شمار کیا ہے لیکن امام بخاریؒ نے ان کو بھی سکوت عنہ قرار دیا۔
(مقدمۂ انوار الباری ص ۲۵)

اسد بن عمرو بھی امام صاحب کے شاگرد اور مجلس کے رکن تھے۔ امام احمد اور احمد ابن منیع کے شیخ ہیں امام احمد نے ان کو "صدوق" کہا ان سے روایت کی۔ نسائیؒ نے لا بأس بہ کہا۔ ہارون رشید نے امام ابو یوسف کے انتقال کے بعد ان کو بغداد اور واسط کا قاضی بنایا۔ اپنی لڑکی سے شادی بھی کی۔ امام بخاری نے ان کو صاحب الرای اور ضعیف کہہ کر قصہ ختم کر دیا۔ (ایضاً)

امام بخاری کی احناف کے خلاف تیزی ان کے رسالہ۔ خیر الکلام۔ فی القراءۃ

خلف الامام میں ملاحظہ فرمائیے۔ امام صاحب پر ناراض ہو کر یہ لکھدیا ویزعم ان الخنزیر البری لاباس بہ ویری السیف علی الامۃ ص۴۲ وہ یہ سمجھتا ہے کہ خشکی کا سور حلال ہے۔ اور امت پر تلوار نکالنے کو بھی جائز سمجھتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا صراحۃً نام تو نہیں ہے۔ لیکن سیاق وسباق سے انہی کا پتہ چلتا ہے۔

یہ دونوں الزام محض افتراء ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے امام ابو حنیفہ کی برأت کی ہے اور لکھا ہے کہ خنزیر بری کی حلت کی نسبت ابو حنیفہ کی طرف قطعاً کذب ہے۔

(منہاج السنۃ ج۱ ص۲۵۹)

واضح رہے کہ اس بات کو بخاری نے کسی سے نقل نہیں کیا ہے۔ اپنی طرف سے بلاسند یہ الزام رکھدیا ہے یہ بحث بہت طویل ہے ہم اس پر بس کرتے ہیں اسکے لئے تانیب الخطیب للکوثری کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

سوال۔ امام بخاری نے امام ابو حنیفہ کی کوئی روایت اپنی صحیح میں کیوں نہیں ذکر کی باوجودیکہ ان کے تلامذہ کے چھوٹے شاگردوں کو پایا تھا۔

جواب۔ ظاہر ہے کہ ابو حنیفہ کو مسکوت عنہ سمجھتے تھے۔ کما مرّ اور اتنا اختلاف تھا کہ فرمایا کہ میں کسی ایسے شخص کی روایت نہیں لیتا جو یہ کہتا ہو کہ۔ اعمال ایمان سے خارج ہیں (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۲۰۱ وہدی ص۴۷۹) بخاری نے یہی معاملہ جعفر صادق کے ساتھ بھی کیا کہ ان کی روایت نہیں لی۔ جبکہ دوسرے لوگوں نے ان کو قبول کیا ہے (ایضاً ص۱۰۱) امام شافعی سے بھی کوئی روایت نہیں لی ہے حالانکہ ان کے شاگردوں سے ملاقات رہی۔ امام احمد کی بھی صرف دو روایتیں لی ہیں ایک تعلیقاً اور دوسری واسطہ سے اسی طرح مسلم نے بخاری کی کوئی روایت نہیں لی۔ امام احمد نے بھی مالک عن نافع روایت بطریق شافعی نہیں لی۔ حالانکہ یہ اصح الطرق میں سے ہے سوائے چار کے۔

اس کی وجہ کوثری نے یہ بیان کی کہ ان ائمہ کے دین وامانت کے پیش نظر ظاہر یہ ہے

کہ انھوں نے دیکھا کہ ان ائمہ کی احادیث محفوظ ہو چکی ہیں ان کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ ان کے شاگردوں نے ان کو ضبط کرلیا ہے یہ سمجھنا ظلم ہوگا کہ بعض جرحوں سے متاثر ہو کر ان کو ترک کردیا یا تعصب کی وجہ سے ایسا کیا۔ ایسی جرحوں کا اعتبار کیا جائے تو کوئی نہیں بچ سکے گا۔[1] (حاشیہ کوثری علی شروط الائمہ للحازمی بمعناہ ص۱۸)

امام بخاریؒ کا ابتلاء اور حادثۂ وفات

خلقِ قرآن کے مسئلہ میں امام بخاری اور انکے شیخ امام ذہلی کا اختلاف ہوا جسکے بعد امام بخاریؒ پر ابتلاء کا دور شروع ہوا، اس سلسلہ کی حافظ نے مقدمہ میں کئی روایتیں ذکر کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے۔

امام بخاریؒ ۲۵۰ھ میں نیشاپور آئے۔ جب آنے کی اطلاع امام ذہلی کو ہوئی تو مجلس میں فرمایا کہ کل میں محمد بن اسماعیل کے استقبال کے لئے جانے والا ہوں جس کو چلنا ہو وہ میرے ساتھ چلے۔ چنانچہ امام ذہلی اور دوسرے علماء نیشاپور نے دو تین منزل آگے بڑھکر استقبال کیا۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اہل نیشاپور کو کسی عالم یا والی کا ایسا استقبال کرتے نہیں دیکھا۔ امام بخاری آکر دارالبخاریین میں ٹھہرے اور حدیثیں بیان کرنے لگے۔ امام ذہلی نے بھی لوگوں سے فرمایا کہ جاؤ اس صالح مرد سے حدیثیں سنو۔

بعض روایتوں میں یہ ہے کہ ذہلی کی مجلس پھیکی پڑ گئی اس لئے بخاری پر اعتراض کرنے لگے اور بعض میں یہ ہے کہ امام ذہلی نے لوگوں کو کسی کلامی مسئلہ کا سوال کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ایک دفعہ جبکہ گھر اور چھت سب بھری ہوئی تھی آنے کے دوسرے یا تیسرے دن کسی نے سوال کرلیا کہ۔ لفظ بالقرآن مخلوق ہے یا نہیں؟ پہلے تو امام بخاری نے اعراض کیا۔ پھر اصرار پر جواب دیا۔ کہ اَلقرآنُ کلامُ اللّٰہِ غیرُ مخلوقٍ وافعالُ العِبادِ مخلوقۃٌ والامتحانُ بِدعۃٌ۔ امام مسلمؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں اَفعالُنا مخلوقۃٌ والفاظُنا من اَفعالِنا تو لوگوں میں

[1] لیکن کوثری صاحب اور ان کے ہم نوا اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ پھر امام مالک، اوزاعی، سفیان ثوری، ابن جریج، لیث بن سعد سے امام بخاری نے کیوں بکثرت روایتیں کیں۔ کیا انکی روایتوں کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا؟ اور انکے شاگردوں نے انکو ضبط نہیں کرلیا تھا۔ خواہ مخواہ بات بنانے سے کیا فائدہ۔ جب بخاری امام صاحب کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے تو ان سے کیوں روایت کرتے؟ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا تذکرہ

اختلاف ہوگیا کوئی کہہ رہا تھا کہ لفظی بالقرآن مخلوق کہدیا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ نہیں کہا اس میں شور و شغب ہوا تو گھر والوں نے آکر لوگوں کو گھر سے نکال دیا۔

امام بخاری نے فرمایا کہ جو یہ کہتا ہے کہ میں نے لَفْظِی بِالْقُرْآنِ حَادِثٌ کہا وہ کذاب ہے میں نے یہ نہیں کہا ہے۔ بلکہ میں نے یہ کہا ہے کہ افعالُ العِبَاد مخلوقۃٌ۔ ایک روایت میں یوں ہے لوگوں کی حرکتیں ان کی آوازیں ان کا کسب ان کی کتابت یہ سب مخلوق ہیں لیکن قرآن جو مصاحف میں مثبت ہے قلوب میں محفوظ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے غیر مخلوق ہے بَلْ ہُوَ آیَاتٌ بَیِّنَاتٌ فِی صُدُورِ الَّذِینَ اُوتُوا العِلْمَ۔

امام ذہلی تک لوگوں نے یہ بات پہونچا دی کہ امام بخاریؒ نے لفظی بالقرآن مخلوق کہدیا تو فرمایا جو یہ کہتا ہے وہ بدعتی ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھا نہیں جاسکتا۔ اس سے بات نہیں کی جاسکتی جو محمد بن اسماعیل کے پاس جائے اسکو متہم سمجھو اسلئے کہ جو ان کے مذہب پر ہوگا وہی ان کے پاس جائیگا۔ ذہلی نے جب یہ اعلان کیا تو لوگ بخاری سے منقطع ہوگئے صرف امام مسلم اور احمد بن سلمہ امام بخاری کے ساتھ رہے۔ ذہلی نے فرمایا جو ایسا عقیدہ رکھتا ہو اس کو ہماری مجلس میں آنے کی اجازت نہیں تو امام مسلم نے اپنی چادر عمامہ پر رکھی اور سب کے سامنے اٹھکر چلے گئے اور ذہلی سے جو حدیثیں لکھی تھیں اونٹوں پر لاد کر ذہلی کے یہاں بھیجدیں۔ (ھدی الساری ص۴۹۱)

اس موقعہ پر حافظ صاحب نے لکھا کہ مسلم نے انصاف کیا کہ اپنی کتاب میں نہ امام بخاری سے کوئی روایت درج کی نہ امام ذہلی سے۔

احمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے کہا کہ یہ (یعنی امام ذہلی) خراسان اور خصوصاً اس نیشاپور میں مقبول آدمی ہیں اور اس مسئلہ پر اڑ گئے ہیں ہم میں سے کوئی ان سے بات نہیں کرسکتا اب آپ کی کیا رائے ہے؟ تو امام بخاری نے ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا۔ اُفَوِّضُ اَمْرِی اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیرٌ بِالعِبَادِ۔ اے اللہ تجھکو معلوم ہے کہ میں نے نیشاپور میں

میں اقامت کچھ شیخی اور اترا ہٹ اور سرداری کا طالب بنکر نہیں اختیار کی ہے میں وطن صرف اسلئے نہیں جانا چاہتا ہوں کہ وہاں مخالفین کا غلبہ ہے (اس سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ سے قبل بخاریٰ میں لوگ امام بخاری کے مخالف ہو گئے تھے۔ دوسری روایات بھی اسکی تائید کرتی ہیں جو آگے آرہی ہیں) اس شخص (ذہلی) نے محض میرے علم کی وجہ سے مجھ سے حسد کیا ہے۔ احمد! میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا تاکہ میری وجہ سے جو تم لوگوں کو پریشانی ہے اس سے تم لوگ بچ جاؤ۔ (ھدی الساری ص۴۹۱)

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مسلم اور احمد بن سلمہ ذہلی کی مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو ذہلی نے کہا یہ شخص میرے ساتھ اس شہر میں نہیں رہ سکتا اس سے امام بخاری کو خطرہ ہوا اور وہاں سے نکل گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس اختلاف کے موقعہ پر محمد بن نعیم نے امام بخاری سے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا۔ قَوْلٌ وَعَمَلٌ یَزِیدُ وَیَنْقُصُ والقرآنُ کلامُ اللہِ غیرُ مخلوقٍ وَافضلُ اصحاب رسولِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم ابُوبکرٍ ثم عُمرُ ثم عثمانُ ثم علیٌّ رضی اللہ عنہم علیٰ ہٰذا حَیِیتُ وعلیہ اَموتُ وعلیہ اُبعثُ اِن شاءَ اللہُ تعالیٰ۔ (ایضاً)

بخاریٰ کیطرف رجوع اور امیر بخاریٰ سے اختلاف

حافظ مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ امام بخاری جب بخاریٰ واپس ہوئے (روایت میں یہ مذکور نہیں کہ کہاں سے اور کب) تو شہر سے ایک فرسخ پر قبے نصب کئے گئے اور شہر کے تمام قابل ذکر حضرات نے استقبال کیا۔ آپکے اوپر دراہم ودنانیر نچھاور کئے گئے۔ ایک مدت تک مقیم رہے پھر امیر بخاریٰ سے اختلاف ہوا تو اس نے بخاریٰ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اسوقت امام بخاری بیکند چلے گئے۔ (ہدی ص۴۹۳)

اختلاف کی وجہ ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ امیر بخاریٰ۔ خالد بن احمد ذہلی۔ نے قاصد کے ذریعہ امام بخاری کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی جامع اور تاریخ میرے پاس آکر سنائیے۔ امام نے قاصد سے کہا۔ کہدو کہ میں علم کو ذلیل نہیں کروں گا بادشاہوں کے دروازوں پر لیکر

نہیں جاؤں گا۔ اگر ان کو ضرورت ہو تو میرے گھر یا مسجد میں آکر سن لیں اور اگر نا گوار خاطر ہو تو پھر آپ سلطان ہیں مجھ کو مجلس قائم کرنے سے روک دیں تاکہ میرے پاس قیامت کے دن اللہ کے یہاں کتمانِ علم کے عذاب سے بچنے کے لئے عذر ہو جائے۔ (ایضاً)

دوسری روایت میں ہے کہ امیر بخاریٰ خالد بن احمد خلیفہ بن طاہر نے یہ کہا کہ میرے گھر آکر میرے بچوں کو تاریخ اور جامع سنائیے۔ امام نے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ خاص لوگوں کو حدیث سناؤں۔ دوسروں کو اجازت نہ ہو۔[1] اس پر خالد نے حریث بن ابی ورقاء وغیرہ کو استعمال کیا انھوں نے بخاری کے مذہب پر اعتراض کیا تو امیر نے شہر سے نکالدیا۔ امام بخاری نے ان کے لئے بد دعا کر دی ــــــ یا اللہ ان لوگوں نے میرے بارے میں جیسا ارادہ کیا ان کو بھی ان کی ذات اور ان کی اولاد اور ان کے اہل میں ایسا ہی دکھا۔

چنانچہ ایک مہینہ بھی نہیں گذرا کہ امیر خالد ذلیل اور قید ہوا اور حریث بن ابی ورقاء نے اپنے اہل میں ایسی بات دیکھی جو بیان سے باہر ہے۔ اور فلاں بھی اپنی اولاد میں مبتلا ہوا اور مصیبتیں دیکھیں۔ (ایضاً)

ایک روایت میں ہے کہ بخاریٰ سے نکل کر سمر قند کے ایک گاؤں خرتنگ (یہ گاؤں سمر قند سے دو تین فرسخ پر ہے ۱۲ مقدمۂ لامع صـ۳) چلے گئے جہاں ان کے رشتہ دار تھے وہیں قیام پذیر ہوئے۔ عبدالقدوس بن عبدالجبار کہتے ہیں کہ میں نے سنا ایک رات صلوٰۃ اللیل سے فارغ ہو کر اپنی دعا میں یہ کہہ رہے تھے اَللّٰھُمَّ قَدْ ضَاقَتْ عَلَیَّ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ۔ یا اللہ زمین مجھ پر تنگ ہو گئی اپنی کشادگی کے باوجود مجھے اٹھا لیجئے۔ اس کے ایک مہینہ کے اندر ہی انتقال ہو گیا۔ (ایضاً)

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے روکا گیا ہے۔ امام بخاری نے خود اپنی صحیح میں ایسی روایت ذکر کی ہے۔ پھر خود موت کی تمنا کیوں کی؟

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ممانعت دنیا کی پریشانی سے گھبرا کر تمنا یا دعا کرنے

[1] امیر نے پہلے گھر آکر سنانے کو کہا پھر اپنی اولاد کیلئے خاص مجلس قائم کرنے کو کہا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے امام نے اس سے انکار کیا [illegible]

پر محمول ہے اگر دینی فتنہ سے بچنے کے لئے ایسا کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ امام بخاری کا یہ فعل ایسی ہی صورت پر محمول کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم (مقدمہ لامع ص۵) لوگوں کا اختلاف فتنہ کا باعث ہوگا میرے انتقال سے اختلاف اور فتنہ ختم ہو جائے گا۔[1] (جامع الدراری ص۴۲)

محمد بن ابی حاتم وراق بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے غالب بن جبرئیل سے سنا جن کے یہاں امام بخاری خرتنگ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ امام بخاری چند دن بیمار ہوئے۔ اہل سمرقند نے ایک قاصد بھیجا کہ ہمارے یہاں آجائیں۔ چنانچہ امام تیار ہو گئے۔ موزے پہن لئے۔ عمامہ باندھ لیا۔ سواری پر سوار ہونے کے لئے تقریباً ۲۰ قدم چلے ہوں گے میں ان کا بازو پکڑے ہوئے تھا کہ فرمایا۔ مجھے چھوڑ دو میں کمزور ہو گیا ہوں۔ ہم نے چھوڑ دیا۔ کچھ دعا کی اور لیٹ گئے پھر انتقال فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اسکے بعد ان کے جسم سے بہت پسینہ نکلا۔ ہم سے فرمایا تھا کہ مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا جن میں عمامہ اور کرتا نہ ہو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ تکفین و نماز کے بعد جب ہم نے قبر میں داخل کیا تو قبر سے نہایت ہی بہترین خوشبو مشک جیسی اٹھی اور کئی دنوں تک رہی۔ لوگ کئی دنوں تک قبر سے مٹی لے جاتے رہے تا آنکہ ہم نے اس پر ایک جالی دار لکڑی رکھدی۔ (ھدی الساری ص۴۹۳)

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(گلستان سعدی) (از جامع الدراری ص۴۲)

کرمانی کے مقدمہ میں ہے کہ جب امام بخاری کو دفن کیا گیا تو ان کی قبر سے مشک سے عمدہ خوشبو آرہی تھی اور قبر کے اوپر آسمان کی طرف سفید لمبی دیواریں ظاہر ہو رہی تھیں۔ اور لوگ برکت کیلئے قبر کی مٹی لے جارہے تھے یہاں تک کہ گڈھا ہو گیا اور محافظ کے ذریعہ حفاظت مشکل ہو گئی

[1] ہمارے خیال میں اسکی وجہ یہ ہے کہ علم کی اشاعت اب مشکل ہو گئی اب جی کر کیا کریں گے ۱۲ فضل

تو جالی دار لکڑیاں رکھدی گئیں۔ پھر بھی لوگ آس پاس سے مٹی اور کنکریاں لے جاتے رہے بہت دنوں تک یہ خوشبو رہی حتی کہ شہر والوں میں یہ بات متواتر ہوگئی اور ایسے بزرگ سے ایسی کرامت مستبعد نہیں ۱۲

تاریخِ وفات عبد الواحد بن آدم طوادیسی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ساتھ میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت بھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ کھڑے تھے میں نے سلام کیا اور پوچھا: حضرت یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ فرمایا۔ محمد بن اسماعیل کا انتظار ہے۔ جب امام کے انتقال کی خبر ملی تو میں نے حساب لگایا تو وہ وہی وقت تھا جس وقت میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا یہ واقعہ شنبہ شبِ عید الفطر ۲۵۶ھ کا ہے عمر شریف باسٹھ ۶۲ سال میں تیرہ دن کم تھی تغمدہ اللہ برحمتہ آمین۔ (ہدی الساری ص۴۹۳)

کسی نے شعر میں سنہ ولادت ووفات اور عمر شریف تینوں کو جمع کر دیا ہے۔

کان البخاری حافظا ومحدثا — جمع الصحیح مکمل التحریر
میلادہٗ صِدقٌ ومدۃ عمرہٖ — فیہا حمیدٌ وانقضٰی فی نُورٍ
۱۹۴ — ۶۲ — ۲۵۶

ص =	۹۰	ح =	۸	ن =	۵۰
د =	۴	م =	۴۰	و =	۶
ق =	۱۰۰	ی =	۱۰	ر =	۲۰۰
	۱۹۴	د =	۴		۲۵۶
			۶۲		

عبرت قسطلانی نے ذکر کیا ہے کہ بخاری کی وفات کے بعد مخالفین نے قبر کے پاس آکر توبہ کی۔ نیز ایک دفعہ قحط پڑا کئی مرتبہ بارش کی دعا کی گئی لیکن بارش نہیں ہوئی ایک صالح آدمی کے

مشورہ پر قاضیٔ وقت اور سمرقند کے لوگوں نے امام بخاری کی قبر کے پاس جاکر دعا کی اور صاحبِ قبر کا وسیلہ بھی اختیار کیا تو بارش ہوگئی۔ (مقدمۂ لامع صنا ص۴۴)

واقعۂ ابتلاء کی تفصیل

روایات کے مجموعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری کو بخاریٰ سے کئی مرتبہ نکالا گیا۔ مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ نے دراسات اللبیب کے حاشیہ میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چار مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا۔

پہلی مرتبہ

امام بخاریؒ جب علمی اسفار سے واپس آئے تو ابو حفص کبیر متوفی ۲۱۷ھ ابھی حیات تھے انھوں نے فتویٰ دینے سے منع کیا لیکن بخاری باز نہیں آئے تا آنکہ ایک دفعہ یہ فتوی دیا کہ ایک بکری کا دودھ پینے والے بچے اور بچی کے درمیان بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ اس مسئلہ کی بنا پر لوگوں نے بخاریٰ سے نکالدیا۔

اس واقعہ کی صحت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب نے الفوائد البہیہ ص۱۸ میں اس کو مستبعد قرار دیا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی اسکو ممکن مانتے ہیں اسلئے کہ نو عمری تھی اس مسئلہ پر غور کرنے موقعہ نہیں آیا ہوگا اور منہ سے ایسا جواب نکل گیا ہوگا۔ یہ ہوسکتا ہے۔ بعض دیگر ائمہ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ بعض مشہور مسائل میں جواب نہیں دے سکے اسلئے کہ یہ ان کا موضوع نہیں تھا۔ مولانا نعمانی لکھتے ہیں کہ اس قصہ کو قاضی حسین بن محمد بن الحسن مالکی نے بھی اپنی مشہور تاریخ الخمیس ص۳۴۲ میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن حجر مکی نے بھی الخیرات الحسان ص۷ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ماتمس الیہ الحاجہ ص۲۷)

دوسری مرتبہ

دوسری مرتبہ جبکہ ائمۂ بخاریٰ نے ایک محضر لکھا تھا کہ ایمان غیر مخلوق ہے جو ایمان کو مخلوق کہے وہ کافر ہے اس پر دستخط کرنے والے امام ابوبکر بن حامد، امام ابو حفص زاہد، شیخ ابوبکر اسماعیلی ہیں اس وقت بہت سے لوگ بخاریٰ سے نکل گئے ان میں امام بخاری بھی تھے یہ واقعہ فصول عمادیہ کے مصنف نے ذکر کیا ہے

اس وقت بھی ابوحفص کبیر حیات تھے۔ امام بخاری اس وقت ۲۳ سال کے تھے۔

تیسری مرتبہ تیسرا نکلنا نیشاپور کے واقعہ کے بعد ہے جبکہ امام ذہلی نے بخاری کے امیر اور مشائخ کے پاس ان کا واقعہ لکھ بھیجا تھا اس وقت ابوحفص صغیر محمد بن احمد متوفی ۲۶۴ھ نے امام بخاری کو رباطِ بخارا کی طرف نکالدیا تھا۔ اس واقعہ کو ذہبی نے سیراعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے (علامہ کشمیری نے ابوحفص صغیر کے اس اخراج میں شریک ہونے پر شبہہ ظاہر کیا ہے اسلئے کہ امام بخاری اور ابوحفص صغیر اسفار علمیہ کے ساتھی تھے ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرتے تھے تو جب تک منافرت کا سبب معلوم نہو اس قصہ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا)

چوتھی مرتبہ آخری خروج وہ ہے جسکے بعد خرتنگ گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ اسوقت امیر بخاری کے ساتھ مذکورہ واقعہ کی وجہ سے نکلنا ہوا۔ (مقدمۂ لامع ص۱۲)

خرتنگ کو آجکل خاجا آباد کہتے ہیں۔ شیخ جمال الدین قاسمی سے بخاری کے کسی نیک آدمی نے بیان کیا اس کو مولانا تقی الدین مظاہری ندوی نے اپنی کتاب میں جو امام بخاری پر لکھی ہے ذکر کیا ہے۔ ص۶۷

تصانیف امام بخاری رحمہ اللہ

قسطلانی فرماتے ہیں کہ آپ کی تصنیفات دنیا میں آفتاب کی طرح مشہور ہیں انکی فضیلت کا انکار وہی کرے گا جس پر شیطان سوار ہو۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) صحیح البخاری۔ اس کا پورا نام یہ ہے۔ الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ (مقدمہ نووی لشرح البخاری ص۳۹) یہی وہ کتاب ہے جس نے امام بخاری کو شہرۂ آفاق کیا۔ اور جو قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب ہے۔

(۲) الادب المفرد۔ ہند میں طبع ہوئی ہے۔ بعض مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اس کے اردو اور فارسی ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔

(۳) جزء رفع یدین۔ ہند میں بھی طبع ہوئی ہے۔ ابھی حال میں کویت سے قرۃ العینین کے نام سے شائع ہوئی ہے

(۴) جزء القراءۃ خلف الامام۔ ہند میں بھی طبع ہوئی ہے۔ مکتبۃ الایمان مدینہ منورہ سے خیر الکلام کے نام سے شائع ہوئی ہے

(۵) التاریخ الکبیر۔ حیدر آباد ہند سے طبع ہوئی ہے۔ اسی کو امام بخاری نے مدینہ منورہ میں چاندنی راتوں میں تصنیف کیا تھا۔ جیسا کہ گذرا۔ اس کتاب کو اسحق بن راہویہ نے امیر عبداللہ بن طاہر کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ۔ تجھے جادو نہ دکھاؤں۔ ابن عبدالبر مالکی نے الاستیعاب میں اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔

(مقدمہ لامع لیھو ص۲۱ ٹائپ ص۷۶)

(۶) التاریخ الاوسط۔ ان کتابوں میں ہے جن کے بارے میں حافظ ابن حجر اور سیوطی نے فرمایا کہ اس وقت موجود ہے [1]

(۷) التاریخ الصغیر۔ الہ آباد ہند میں طبع ہوئی۔ (تاریخ کبیر کی طرح اس میں بھی کچھ باتیں قابل اعتراض ہیں (مقدمۂ انوار الباری ص۲۴)

(۸) خلق افعال العباد۔ مسئلہ خلق القرآن میں اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے امام بخاری نے یہ کتاب لکھی۔ ابھی حال میں بدر البدر کی تحقیق سے انوار السلفیہ کویت سے شائع ہوئی ہے۔

(۹) کتاب الضعفاء (الصغیر) حیدر آباد ہند میں طبع ہوئی ہے۔ اس میں امام ابویوسف کو بخاری نے متروک قرار دیا ہے۔ (مقدمۂ انوار الباری ص۲۵)

(۱۰) الجامع الکبیر۔ حافظ ابن حجر اور سیوطی کو یہ کتاب نہیں ملی۔ مقدمۂ انوار الباری ص۲۴ میں ہے کہ اس کا قلمی نسخہ جرمنی میں تھا۔ فضل الباری ص۶۲ میں ہے کہ ابن کثیر نے یہ پوری کتاب اپنے قلم سے نقل کی تھی۔

(۱۱) المسند الکبیر۔ حافظ ابن حجر اور امام سیوطی کو نہیں ملی مقدمۂ انوار الباری ص۲۴ میں ہے کہ اس کا قلمی نسخہ جرمنی میں تھا۔

(۱۲) التفسیر الکبیر۔ اس کا ذکر آچکا ہے۔ اسی کی تخریج میں تھک کر لیٹ گئے تھے ذکرہ الفربری

(۱۳) کتاب الاشربۃ۔ حافظ ابن حجر اور سیوطی کو یہ کتاب نہیں ملی۔ لامع میں ہے کہ دارقطنی

---

[1] التاریخ الاوسط کا نسخہ کامل۔ الجامع الکبیر کا ابن کثیر کا لکھا ہوا نسخہ۔ اسامی الصحابہ، کتاب المبسوط، الجامع الصغیر کے نسخے المسند الکبیر کا ابن تیمیہ کا لکھا ہوا کامل نسخہ۔ دار العلوم جرمن کے کتب خانہ میں دوسری جنگ عظیم سے قبل یہ سب نسخے موجود تھے (حاشیہ فضل الباری ص۶۳ عن حاشیہ سیرۃ البخاری) یہ سب گپ ہے کوئی عرب سیاح آیا تھا جو مولوی عبد السلام مبارکپوری کو اس قسم کی گپیں لگا کر چلا گیا اور انھوں نے سب سیرۃ البخاری میں درج کر دیں۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو بروکلمان کی فہرست میں اور مشہور ترکی عالم (فواد سوزکین) کی فہرست میں اس کا ذکر ہوتا۔ (مولانا عبد الرشید نعمانی مدظلہ)

نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (مقدمۂ لامع ص۲۱)

(۱۴) کتاب الھبۃ۔ اس میں پانچ سو حدیثیں ہیں۔ جبکہ امام وکیع کی کتاب الھبۃ میں دو یا تین حدیثیں اور عبداللہ بن المبارک کی کتاب الھبۃ میں پانچ حدیثیں تھیں۔ سیوطی کو یہ کتاب نہیں ملی۔

(۱۵) اسامی الصحابۃ۔ علامہ بغوی نے اس سے اپنی کتاب۔ معجم الصحابۃ۔ میں استفادہ کیا ہے۔ ابن مندہ نے بھی اپنی کتاب۔ معرفۃ الصحابہ۔ میں (اسکا قلمی نسخہ بھی جرمنی میں تھا۔ (فضل الباری ص۶۳ والنوار الباری ص۲۴)

(۱۶) کتاب الوحدان۔ یعنی وہ صحابہ جن سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے۔ ابن مندہ نے اس کتاب سے نقل کیا ہے۔ لیکن قسطلانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الوحدان ابن مندہ کی ہے۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں بخاری کی۔ اسامی الصحابہ سے نقل کیا ہے۔

(مقدمۂ لامع ص۲۲ ص۹)

اور وحدان کا مطلب کبھی یہ بھی ہوتا ہے۔ وہ راوی جس سے صرف ایک راوی نے روایت کیا ہو خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی یا کوئی اور۔ اور خواہ اس سے ایک ہی حدیث مروی ہو یا متعدد۔ شرح نخبہ میں یہی معنیٰ مراد لیا ہے۔ وھو من لم یرو عنہ الا واحد ولو سمی ص۷ بہرحال بخاری کی یہ کتاب نایاب ہے کما قالہ الحافظ والسیوطی۔

(۱۷) کتاب المبسوط۔ خلیلی نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن حجر اور سیوطی کو یہ کتاب نہیں ملی مقدمۂ النوار الباری ص۲۵ میں ہے کہ غالباً اس کا قلمی نسخہ جرمنی میں موجود ہے۔ فضل الباری ص۶۳ کے حاشیہ میں بھی ایسا لکھا ہے

(۱۸) کتاب العلل۔ ابن مندہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ سیوطی کو یہ کتاب نہیں ملی۔

(۱۹) کتاب الکنیٰ۔ حاکم ابو احمد نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد ہند سے طبع ہوئی سیوطی کو یہ کتاب نہیں ملی تھی۔ ذہبی نے اس کو حروف ہجا کی ترتیب پر مرتب کیا اور اس کا نام۔ المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ۔ رکھا۔ (مقدمۂ انوار الباری ص۲۶)

(۲۰) کتاب الفوائد۔ ترمذی نے کتاب المناقب میں مناقب حضرت طلحہؓ ص۲۱۵ج۲ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ سیوطی کو نہیں ملی۔

(۲۱) برالوالدین۔ ابن حجر اور سیوطی نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور موجود کتابوں میں اس کو شمار کیا ہے۔ لیکن اب تک اس کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ (فضل الباری ص۶۳)

حافظ ابن حجر اور امام سیوطی نے اتنی ہی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ قضایا الصحابۃ والتابعین کو ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ امام بخاری کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔

(۲۲) قضایا الصحابۃ والتابعین۔ امام بخاری کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ (نایاب ہے)

(۲۳) کتاب الرقاق۔ مقدمۂ انوار الباری ص۲۵ میں کشف الظنون کے حوالہ سے مذکور ہے

(۲۴) الجامع الصغیر۔ اس کا تذکرہ مقدمۂ انوار الباری ص۲۵ اور فضل الباری ص۶۳ میں ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جرمنی میں اسکا نسخہ موجود تھا۔ فضل الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے راوی عبداللہ بن محمد الاشقر ہیں اور یہ کہ ابن حجر نے اسکو اپنے ہاتھ سے لکھا تھا ص۶۳ لیکن ہدی الساری ص۴۹۲ میں الاشقر کو التاریخ الصغیر کا راوی بتایا ہے اور الجامع الصغیر کے نام سے بخاری کی کسی تصنیف کا تذکرہ نہیں کیا ہے امام سیوطی نے بھی اس نام کی کسی کتاب کا تذکرہ نہیں

کیا۔ فلیحقق

(۲۵) بدء المخلوقات ظفر المحصلین ص۱۰۹ میں یہ نام مذکور ہے۔ اس کا کوئی تعارف نہیں کرایا۔

امام بخاریؒ نے اپنی تمام تصنیفات تین بار لکھیں وصنفت جمیع کتبی ثلث مرات۔
(ھدی الساری ص۴۸۷)

صحیح بخاری۔ اور اسکی خصوصیات

نام۔ اس کا نام جیسا کہ پہلے گذرا الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ ہے۔ یہ نام خود امام بخاریؒ نے رکھا ہے (مقدمۂ نووی لشرح البخاری ص۳۹) حافظ نے امور کے بجائے حدیث کا لفظ ذکر کیا ہے۔ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ (مقدمۂ فتح الباری ص۷)

خصوصیات۔

۱۔ یہ پہلی کتاب ہے جو صرف صحیح حدیثوں کے لئے لکھی گئی۔ (مقدمۂ نووی لشرح البخاری ص۳۹)

۲۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ حدیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔ پھر جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور مفید ہے۔ (ایضاً) اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

۳۔ امام بخاریؒ نے یہ کتاب سولہ۱۶ سال میں لکھی ہے۔ چھ لاکھ احادیث سے اس کا انتخاب کیا ہے۔ یہ بات کئی جہات سے مروی ہے (ایضاً ص۴) اور اس کتاب کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنایا۔ (ایضاً)

۴۔ ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے امام بخاری غسل کرتے دو رکعت نماز پڑھتے پھر حدیث درج کرتے اس طرح یہ کتاب جمع ہوئی ہے (ھدی الساری ص۷)

۵۔ امام بخاریؒ نے اس کے تراجم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان تحویل کیا اور ہر ترجمہ پر دو رکعتیں پڑھتے تھے (ایضاص ۴۸۹) (ومقدمۂ نووی ص۱)

اور پہلے یہ روایت گذر چکی ہے کہ بصرہ میں پانچ سال رہا میرے ساتھ میری کتابیں تھیں۔ تصنیف کرتا تھا اور ہر سال حج بھی کرتا تھا۔ اور مکہ مکرمہ سے بصرہ لوٹ جاتا تھا۔

ایک روایت یوں ہے۔ فرماتے ہیں میں نے کتاب الجامع مسجد حرام میں لکھی اور ہر حدیث درج کرنے سے پہلے استخارہ کیا دو رکعت نماز پڑھی اور صحت کا یقین کرلیا۔ جبتک ایسا نہیں کیا کوئی حدیث کتاب میں داخل نہیں کی۔ (ایضاص ۴۲)

ابو الفضل مقدسی نے۔ جواب متعنت البخاری۔ میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں لکھی اور کہا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں لکھی پھر اوپر والی روایت ذکر کی اور پہلی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا کہ میرے نزدیک پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (یعنی یہ کہ بخاری میں لکھی)

امام نووی فرماتے ہیں کہ ان اقوال میں جمع ممکن ہے بلکہ متعین ہے (لہذا ترجیح دینے کی ضرورت نہیں) پہلے گذر چکا ہے کہ سولہ سال میں لکھی اسلئے یوں سمجھا جائیگا کہ مکہ، مدینہ، بصرہ اور بخاری ان تمام جگہوں پر لکھی (ایضاص ۴۲)

حافظ ابن حجرؒ نے ان تمام روایات میں یوں تطبیق دی ہے۔ کہ۔ اولاً تراجم ابواب کا مسودہ ترتیب کے ساتھ مسجد حرام میں تیار کرلیا۔ پھر منبر نبوی اور قبر نبوی کے درمیان اس مسودہ کی تبییض کی اور تراجم کے تحت احادیث کی تخریج اپنے شہر اور دوسرے شہروں میں کرتے رہے (ھدی الساری ص ۴۹) یہ تمام کام سولہ سال میں انجام پایا۔

۶۔ امام بخاری نے اس کتاب کو جمع کرنے کے بعد امام احمد، یحیی بن معین اور علی بن مدینی وغیرہم کو دکھائی تو ان لوگوں نے اسکو پسند کیا اور صحت کی شہادت دی مگر صرف چار احادیث میں۔ عقیلی فرماتے ہیں کہ ان چار احادیث میں بھی بخاری ہی کا قول صحیح ہے اسلئے کہ وہ احادیث صحیح ہیں۔ (ھدی ص ۷) یعنی عقیلی کے خیال میں۔

۷۔ ابوزید مروزی فرماتے ہیں کہ رکن اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان میں سویا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ فرمایا۔ ابوزید! کب تک تم امام شافعی کی کتاب پڑھتے رہو گے۔ میری کتاب نہیں پڑھتے۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ کی کتاب کونسی ہے؟ فرمایا۔ محمد بن اسماعیل کی جامع (ھدی ص۴۸۹) اس طرح کا خواب امام الحرمین سے بھی مروی ہے۔ (مقدمہ لامع ص۲۴، ص۸۵)

۸۔ کسی پریشانی اور مصیبت میں صحیح بخاری کو پڑھا جائے تو وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے اور اس کو لے کر کسی سواری پر سوار ہو جائے تو وہ سواری نجات پاتی ہے۔ یہ بات اہلِ معرفت اور اور اصحابِ فضل سے مروی ہے

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ بہت سے مشائخ اور علماء ثقات نے مرادوں کے حصول، مشکلات کے حل اور مصائب کے دفعیہ کے لئے، بیماریوں سے شفایابی کے لئے اسکو پڑھا ہے اور انکی مرادیں پوری ہوئیں اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ اس کو تریاق کی طرح مؤثر پایا۔ یہ بات محدثین کے یہاں شہرت اور استفاضہ کے درجہ کو پہونچی ہوئی ہے۔

شیخ جمال الدین محدث فرماتے ہیں ہمارے استاذ شیخ اصیل الدین نے فرمایا کہ میں نے صحیح بخاری ایک سو بیس (۱۲۰) مرتبہ اپنے لئے اور دوسروں کے لئے پڑھی جس نیت سے پڑھی وہ مقصد حاصل ہوا اس طرح کی بات شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی بستان المحدثین میں ذکر فرمائی ہے (مقدمۂ لامع ص۲۴، ص۹۴)

حافظ نے بھی ابن ابی جمرہ سے عارفین کے واسطہ سے اصحابِ فضل کا تجربہ ذکر کیا ہے۔ (ھدی ص۱۳)

۹۔ صحیح بخاری کو صحاح ستہ میں یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اس میں بائیس (۲۲) احادیث ثلاثی ہیں جبکہ سنن ابن ماجہ میں صرف پانچ اور سنن ابوداؤد میں صرف ایک (اصل میں رباعی بحکم ثلاثی ہے ۱۲ افضل) اور ترمذی میں بھی صرف ایک ثلاثی ہے۔ اور مسلم ونسائی میں کوئی روایت ثلاثی نہیں

(ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۱۹)

صحیح بخاری کی ۲۲ ثلاثیات میں سے ۲۰ بخاری کے حنفی اساتذہ سے مروی ہیں۔ مکی بن ابراہیم تلمیذ امام ابوحنیفہ سے گیارہ (۱ تا ۴ - ۶ - ۷ - ۱۱ - ۱۲ - ۱۴ - ۱۷ - ۱۹) اور ابو عاصم نبیل ضحاک بن مخلد تلمیذ امام ابوحنیفہ سے چھ (۵ - ۸ - ۹ - ۱۵ - ۱۸ - ۲۱) اور محمد بن عبداللہ انصاری تلمیذ امام زفر و امام ابو یوسف سے تین (۱۰-۱۶-۲۰) باقی رہیں دو ایک نمبر ۱۳ جو عصام بن خالد حمصی سے اور دوسری نمبر ۲۲ جو خلاد بن یحییٰ کوفی سے مروی ہیں ان دونوں کا حنفی ہونا معلوم نہیں۔ (مقدمہ لامع ص ۳۰ مطبوعہ بالجبر)

نوٹ۔ مطبوعہ ہندوستانی نسخہ میں انیسویں ثلاثی ص ۱۰۱۸ پر باب السن بالسن میں انصاری کی حدیث کو بتایا گیا ہے جو بھول ہے۔ یہ حدیث بیسویں ثلاثی ہے۔ انیسویں اس سے پہلے ص ۱۰۱۷ پر باب اذا قتل نفسہ خطأ فلا دیۃ لہ میں مکی بن ابراہیم کی روایت ہے (مقدمہ لامع ص ۳۱)

تنبیہ۔ یہ خصوصیت ثلاثیات کی کثرت کی بلحاظ صحاح ستہ کے ہے ورنہ متقدمین کے یہاں ثلاثی روایات بکثرت تھیں بلکہ ثنائیات اور وحدانیات بھی تھیں۔

امام ابوحنیفہ کی وحدانیات پر تو مستقل تصنیفات لکھی گئی ہیں امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے یہ تو دارقطنی کو بھی تسلیم ہے۔ امام یحییٰ بن معین نے اس کی تصریح کی ہے کہ ابوحنیفہ نے حضرت عائشہ بنت عجرد سے حدیث سنی ہے۔ اور ابونعیم اصفہانی شافعی استاذ خطیب بغدادی نے اس کی تصریح کی ہے کہ ابوحنیفہ نے حضرت انسؓ حضرت عبداللہ بن الحارثؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کو دیکھا اور ان سے سنا بھی ہے (الانتصار والترجیح لسبط ابن الجوزی ص ۱۰)

ابن عبدالبر مالکی نے بھی امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ذکر کی ہے جس میں ابوحنیفہ نے عبداللہ بن الحارث ابن جزء سے سماعت کی تصریح کی ہے اور اس کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا (جامع بیان العلم وفضلہ طبع منیریہ مصر ص ۴۵)

امام سیوطی نے بھی تبییض الصحیفہ میں ایسی روایات ذکر کی ہیں (دیکھئے ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۱)
ثنائی روایات امام ابوحنیفہ کی کتاب الآثار میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بخاری کی ثلاثیات کے ساتھ
اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

۱۔ صحیح بخاری صحاح ستہ میں جامع کہلاتی ہے۔ جیسے ترمذی۔ صحیح مسلم کی جامعیت میں اختلاف ہے اکثر علماء نے اسکو بھی جامع مانا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اسکو جامع نہیں مانا اسلئے کہ اس میں تفسیر کی حدیثیں بہت تھوڑی ہیں۔ اور جامع کی تعریف شاہ عبدالعزیزؒ نے یہ کی ہے۔ جو آٹھ فنون کی جامع ہو جنکو اس شعر میں جمع کیا گیا ہے۔ سیر آداب وتفسیر وعقائد ـ فتن احکام واشراط ومناقب ۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں۔ عقائد، احکام، رقاق، آداب، تفسیر، تاریخ سیر، فتن، مناقب ومثالب (عجالۂ نافعہ ص۱۴)

لیکن صاحب فوائد جامعہ مولانا عبدالحلیم چشتی نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ اصلاح متقدمین کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ شاید شاہ صاحب نے اپنی طرف سے یا اساتذہ سے سنکر یہ تعریف کی ہے ورنہ متقدمین کے یہاں سُنن اور مُصنّف دونوں پر جامع کا لفظ بولا جاتا تھا۔ اسی لئے مؤطا کو جامع کہا جاتا ہے۔ امام ابوداؤد نے کتاب سفیان کو جامع کہا ہے۔ ترمذی کو جامع اور سُنن دونوں لفظوں سے یاد کیا جاتا ہے۔ (فوائد جامعہ ص۱۵۵)

صحیح بخاری کی تالیف کا محرّک

امام بخاریؒ کو ایسی کتاب جمع کرنے کا خیال کیوں پیدا ہوا؟ اسکے کئی محرکات ہیں. لیکن اس سے پہلے یہ جان لینا مناسب ہوگا کہ امام بخاری کے عہد سے پہلے کتنی کتابیں تالیف ہو چکی تھیں اور ان کی کیا نوعیت تھی۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں. صحابہ اور کبار تابعین کے عہد میں حدیثیں جوامع میں مدون نہیں تھیں۔ اولاً اسلئے کہ ابتدائی زمانہ میں صحابہؓ کو حدیثوں کے لکھنے سے منع کر دیا گیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے تاکہ قرآن کریم کے ساتھ اختلاط نہ ہو جائے۔ ثانیاً۔ اسلئے کہ صحابہ کا حافظہ بہت مضبوط تھا اور ان میں اکثر کتابت جانتے بھی نہیں تھے۔

پھر تابعین کے آخر دور میں آثار کی تدوین اور تبویب شروع ہوئی جبکہ علماء شہروں اور ملکوں میں پھیلے خوارج، روافض اور تقدیر کے منکرین زیادہ ہوئے. چنانچہ سب سے پہلے ربیعؒ بن صبیح اور سعید بن عروبہ وغیرہ نے حدیثیں جمع کیں. یہ حضرات ہر باب علیحدہ لکھتے تھے تا آنکہ طبقۂ ثالثہ کے اکابر اٹھے اور انھوں نے احکام کو جمع کیا. چنانچہ امام مالکؒ نے موطا لکھی

---

[1] ان سے پہلے امام زہری اور ابوبکر بن محمد بن حزم نے حدیثیں جمع کرلی تھیں (مقدمۂ لامع ص۲۲) میرے خیال میں حافظ کا مطلب یہ ہے کہ ابواب کی ترتیب کے ساتھ انہی لوگوں نے سب سے پہلے کتابیں لکھیں. امام زہری نے صرف حدیثیں جمع کی ہوں گی. ان میں فقہی ترتیب نہیں رہی ہوگی۔ اسلئے کہ خود حافظ نے تصریح کی ہے کہ سب سے پہلے حدیثوں کو مدون کرنے والے زہری ہیں. پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبد العزیز کے حکم سے (فتح ص۲۰۸) میں ہے۔

اول من دون الحدیث ابن شہاب الزہری علی رأس المائۃ بامر عمر بن عبد العزیز اھ

اور اس میں اہل حجاز کی قوی حدیثیں جمع کیں ساتھ ہی صحابہ اور تابعین وغیرہم کے فتاویٰ اور اقوال بھی جمع کئے نیز ابن جریج نے مکہ میں امام اوزاعی نے شام میں، سفیان ثوری نے کوفہ میں حماد بن سلمہ نے بصرہ میں کتابیں لکھیں پھر ان کے ہم زمانہ بہت سے لوگوں نے ان کے طرز پر کتابیں لکھیں۔

دوسری صدی کے اخیر میں بعض ائمہ کو یہ خیال ہوا کہ صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کریں تو عبید اللہ بن موسیٰ عبسی کوفی نے ایک مسند لکھی۔ مسدد بن مسرہد بصری، اسد بن موسیٰ اموی اور نعیم بن حماد خزاعی نے بھی مسانید لکھیں۔

ان کے بعد جو ائمہ آئے انھوں نے بھی تصنیفات کیں کم ہی کوئی محدث ہوگا جسکی تصنیف نہو۔ امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، عثمان بن ابی شیبہ نے مسانید لکھیں۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے مسند بھی لکھی اور ابواب کی ترتیب پر بھی۔ (ہدی الساری ص۴-۵)

ہمارے شیخ محدثِ جلیل علامہ حبیب الرحمٰن اعظمی متعنا اللہ بعلومہ نے کتابتِ حدیث کے سلسلہ میں نصرۃ الحدیث کے مقدمہ میں بہت اچھی تفصیل لکھی ہے۔ لکھتے ہیں۔

احادیث کی کتابت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد میں شروع ہوگئی تھی پھر صحابہ کے عہد میں اس کی طرف مزید توجہ کی گئی تابعین کے دور میں اس میں اور ترقی ہوئی ہر ایک کے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ کتابتِ حدیث کے اس دستور کے علاوہ باقاعدہ تصنیف کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ابن جریج المتوفی ۱۵۰ھ نے۔ یمن میں معمر بن راشد المتوفی ۱۵۳ھ نے۔ بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ المتوفی ۱۵۶ھ نے۔ اور ربیع بن صبیح المتوفی ۱۶۱ھ نے حدیث کی کتابیں تصنیف کیں۔ اسی عہد میں موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ اور ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ نے کتابیں لکھیں۔

اور ان کے بعد امام اوزاعی متوفی ۱۵۷ھ نے شام میں۔ امام عبد اللہ بن مبارک رح متوفی ۱۸۱ھ نے خراسان میں۔ حماد بن سلمہ متوفی ۱۶۷ھ نے بصرہ میں، سفیان ثوری متوفی

۱۶۱ھ نے کوفہ میں، جریر بن عبد الحمید المتوفی ۱۸۸ھ نے رے میں اور ہشیم المتوفی ۱۸۳ھ نے واسط میں حدیث کی کتابیں لکھیں اور تقریباً اسی زمانہ میں امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے اپنی مشہور کتاب تصنیف فرمائی، ابو معشر سندی متوفی ۱۷۰ھ نے غزوات نبوی پر کتاب لکھی، ابراہیم بن محمد اسلمی متوفی ۱۸۴ھ استاذ امام شافعی نے امام مالک کے طرز پر مؤطا لکھی جو مالک کی مؤطا سے دو گنا تھی۔

معافی بن عمران موصلی متوفی ۱۸۵ھ نے کتاب السنن، کتاب الزہد، کتاب الادب، کتاب الفتن تصنیف کی۔ امام ابویوسف متوفی ۱۸۲ھ نے کتاب الآثار، کتاب الخراج وغیرہ لکھی امام محمد متوفی ۱۸۹ھ نے مؤطا، کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ولید بن مسلم متوفی ۱۹۵ھ نے ستر کتابیں مختلف ابواب پر لکھیں۔ (مقدمہ نصرۃ الحدیث ص۱۸-۲۰)

محدث عبد الرزاق سے امام بخاری کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی ان کی مصنف بھی امام بخاری سے قبل تیار ہو چکی تھی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام بخاری سے پہلے احادیث کی بہت سی کتابیں چھوٹی بڑی تیار ہو کر منظر عام پر آگئی تھیں۔ پھر امام بخاری رحہ نے کس کمی کو پورا کرنے کیلئے اپنی صحیح تصنیف فرمائی؟ حافظ ابن حجر رحہ نے اس کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ امام بخاریؒ نے دیکھا کہ ان کتابوں میں حسن اور صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی ہیں۔ اسلئے خیال ہوا کہ کوئی ایسا مجموعہ تیار کیا جائے جس میں صرف صحیح حدیثیں ہوں۔ اس ارادہ کو اس سے اور تقویت ہوئی کہ ایک بار امام اسحٰق[۲] بن راہویہ نے اپنے اصحاب کی مجلس میں

---

[۱] امام ابوحنیفہ رحہ نے کتاب الآثار لکھی تھی۔ انکے تلامذہ امام ابویوسف امام محمد اسکو امام اعظم سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ مؤطا امام مالک کی تصنیف ہے جسکو ان کے متعدد تلامذہ ان سے روایت کرتے ہیں (نعمانی)

[۲] امام نووی کے مقدمہ میں یوں ہے کہ ہم اسحٰق بن راہویہ کی مجلس میں تھے تو ہم سے (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

فرمایا کہ اگر تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثوں کے لئے کوئی مختصر جمع کرتے (تو اچھا ہوتا) امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور میں نے ۔ الجامع الصحیح ۔ کو جمع کرنا شروع کر دیا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ کہ ایک مرتبہ امام بخاریؒ نے خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں۔ میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں اسکے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدافعت کر رہا ہوں۔ میں نے بعض معبرین سے اس کی تعبیر معلوم کی تو فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کذب کو دور کر دگے اس واقعہ سے متأثر ہو کر میں نے الجامع الصحیح لکھنے کا ارادہ کر لیا۔

(ھدی الساری ص۵ ومقدمۂ نووی ص۴۱)

امام بخاریؒ نے خود فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثوں کی تخریج کی ہے اور جو صحیح حدیثیں اس کتاب میں نہیں ذکر کیں وہ اس سے زیادہ ہیں۔ اسماعیلی جو اس قول کے ناقل ہیں فرماتے ہیں کہ اگر تمام صحیح حدیثیں ذکر کرتے تو ایک باب میں بہت سے صحابہ کی روایتیں جمع ہو جاتیں اور تمام صحیح طرق کو جمع کرتے تو اس طرح کتاب بہت ضخیم ہو جاتی۔

ابراہیم نسفی نے بھی فرمایا کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا فرما رہے تھے کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں جمع کی ہیں اور بہت سی صحیح حدیثیں چھوڑ بھی دی ہیں تاکہ کتاب لمبی نہ ہو (ھدی الساری ص۵)

مقصدِ تالیف

مقصدِ تالیف صحیح بخاری کی تالیف کی غرض اور مقصد، تالیف کے محرک سے ظاہر ہو گیا یعنی صحیح احادیث کا جمع کرنا جیسا کہ صحیح بخاری کے نام اور مذکورہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا الخ ص۲ شاید بعض اصحاب سے مراد خود اسحق بن راہویہ ہی ہوں۔ واللہ اعلم۔

بالا تصریحات سے ظاہر ہوا۔ لیکن امام بخاری کا مقصد اسی میں منحصر نہیں بلکہ فقہی فوائد اور مسائل کا استنباط بھی امام کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

حافظ فرماتے ہیں۔ یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ امام بخاری نے اس کتاب میں صحت کا التزام کیا ہے اور یہ کہ صرف صحیح حدیثیں اس میں جمع کریں گے۔ یہی ان کا اصل موضوع ہے۔ یہ بات صحیح کے نام اور ائمہ کی تصریحات سے ثابت ہے پھر امام نے سوچا کہ فقہی فوائد اور حکیمانہ نکتوں سے یہ کتاب خالی نہ رہے چنانچہ اپنی سمجھ سے متونِ حدیث سے بہت سے معانی کا استخراج کیا جن کو مختلف ابواب میں مناسب جگہ پر پھیلادیا۔ ساتھ ہی آیاتِ احکام کا بھی اہتمام کیا اور ان سے انوکھے معانی اور استدلالات کا استخراج کیا اور اس سلسلہ میں کافی توسع سے کام لے کر آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا۔

شیخ محی الدین (یعنی نووی مقدمۂ شرح بخاری ص۱۵ میں) فرماتے ہیں کہ بخاری کا مقصد صرف احادیث نہیں بلکہ ان سے ابواب کے لئے استنباط اور استدلال (بھی) ہے اسی لئے بہت ابواب اسناد سے خالی ہیں اور صرف کسی صحابی کے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کیطرف اشارہ ہے یا صرف متن مذکور ہے سند نہیں یا معلق روایت مذکور ہے۔ ایسا اسلئے کیا کہ مقصود ترجمۃ الباب پر استدلال ہے اور حدیث معلوم ہے کبھی گذر چکی ہوتی ہے اور کبھی تو قریب ہی گذری ہوتی ہے (ھدی ص۸) اور کبھی جلد ہی آنے والی ہوتی ہے۔

بہت سے ابواب میں بہت سی روایتیں لاتے ہیں۔ بعض میں ایک ہی روایت ہوتی ہے اور بعض میں کچھ نہیں ہوتا۔ بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ امام بخاری نے قصداً ایسا کیا ہے تاکہ یہ بتا دیں کہ ان کے نزدیک ترجمہ کے ہم معنی کوئی روایت ثابت نہیں۔ اسی لئے کتاب کے بعض نسخوں میں کسی کسی جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ حدیث پر باب نہیں۔ کہیں باب ہے تو حدیث نہیں۔ ایسی جگہوں کا سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے۔

لیکن ابوالولید باجی مالکی کے کلام سے اس مشکل کا حل نکل آتا ہے۔ وہ رجال بخاری

سے متعلق اپنی کتاب کے مقدمہ میں سند کے ساتھ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد مستملی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے صحیح بخاری اس اصلی نسخے سے نقل کی جو ان کے شاگرد فربری کے پاس تھا میں نے دیکھا کہ اس میں کچھ چیزیں مکمل نہیں بعض جگہوں پر بیاض ہے۔ بعض ترجموں کے بعد کوئی حدیث نہیں بعض حدیثوں پر کوئی ترجمہ نہیں۔ ہم نے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیا۔

علامہ باجی کہتے ہیں کہ اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ مستملی، سرخسی، کُشْمِیْہَنی اور ابوزید مروزی کی روایتیں تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے مختلف ہیں حالانکہ ان سب نے ایک ہی اصل سے نقلیں لی ہیں، ہوا یہ ہے کہ ایسی جگہوں پر ان حضرات نے اندازہ سے کام لیا ہے۔ ہر ایک نے جو کچھ کاغذ[1] (یا حاشیہ) پر لکھا ہوا پایا اس کو اپنے اندازہ سے کسی خاص جگہ جوڑ دیا اسی لئے کہیں کہیں دو یا زیادہ ترجمے متصل ملتے ہیں ان کے درمیان میں کوئی حدیث نہیں ہوتی۔

علامہ باجی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات اسلئے ذکر کی ہے کہ ہمارے شہر کے لوگ حدیث اور ترجمہ میں مطابقت کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کے لئے ایسا تکلف کرتے ہیں جو روا نہیں ہے انتہی کلام الباجی

حافظ صاحب اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ اچھا قاعدہ ہے جہاں تطبیق مشکل ہو وہاں اس قاعدہ کو جاری کر سکتے ہیں مگر ایسی جگہیں بہت کم ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

تراجم الابواب کی مختلف صورتیں

مجھے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام بخاری رح تراجم الابواب مختلف طریقوں پر لاتے ہیں۔

۱۔ کوئی ایسی حدیث پا جاتے ہیں جو ترجمہ سے مطابقت رکھتی ہو خواہ خفی طریقہ پر ہی کیوں نہ ہو اور بخاری کی شرط کے مطابق بھی ہو تو اس کو حدثنا وغیرہ الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ عنعنہ بھی شرط کے موافق ہو تو ایسی جگہ لے لیتے ہیں۔

---

[1] یہاں لفظ۔ طرۃ۔ لکھا ہوا ہے جسکا ترجمہ حاشیہ بھی ہو سکتا ہے اور کاغذ کا ٹکڑا بھی ۱۲ افضل

۲- اور اگر کوئی حدیث شرط کے موافق نہیں لیکن قابلِ استدلال ہے تو باب میں اسکو بھی ذکر کرتے ہیں لیکن صیغہ اور انداز بدل دیتے ہیں۔ اسی مقصد کیلئے تعلیقات ذکر کی ہیں

۳- اگر کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی مگر ایسی حدیث ملتی ہے جو قابل استیناس واستشہاد ہے اور ایسی حدیث کو ایک قوم قیاس پر مقدم کرتی ہے تو اس کے لفظ یا معنی کو ترجمۃ الباب بنا کر ذکر کر دیتے ہیں پھر اس میں کوئی آیتِ کریمہ اور ایسی حدیث ذکر کر دیتے ہیں جو حدیث مذکور کی تائید کرتی ہو۔ اس طرح ترجمہ کی احادیث کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔ (ہدی الساری ص۹)

مقاصد الائمۃ الخمسۃ

علامہ محمد زاہد کوثری متوفی ۱۳۷۱ھ نے صحاح خمسہ (بخاری مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی) کے مقاصد واغراض پر یوں گفتگو فرمائی ہے۔

بخاری کی غرض احادیثِ صحیحہ متصلہ کی تخریج اور فقہ وسیرت وتفسیر کا استنباط ہے اسلئے موقوف ومعلق اور صحابہ وتابعین کے فتاویٰ اور لوگوں کی آراء کو عرضاً ذکر کیا اس لئے احادیث کے متون اور ان کے طرق ان کی کتاب کے ابواب میں منتشر ہو گئے اور امام مسلم کا مقصد صرف صحیح حدیثوں کو ذکر کرنا ہے استنباط مقصود نہیں اسلئے ہر حدیث کے طرق کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے تاکہ متون کا اختلاف اور سندوں کا تعدد ظاہر ہو جائے یہی وجہ ہے کہ احادیث کے متون انکے یہاں منتشر نہیں ہوئے۔

اور ابوداؤد کا مقصد یہ ہے کہ ایسی احادیث کو جمع کر دیں جن سے فقہاء نے استدلال کیا اور ان پر احکام کی بناء رکھی اسلئے انھوں نے صحیح حسن لین اور عمل کے لائق احادیث کو جمع کر دیا ابوداؤد نے خود فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب میں ایسی حدیث نہیں ذکر کی جسکے ترک پر اجماع ہوا ہو اور جو ضعیف حدیث تھی اسکے ضعف کو بیان کر دیا اور ہر ایسی حدیث پر باب قائم کیا جس سے کسی عالم نے استدلال کیا ہو اور اس کو اپنا مذہب بنایا ہو اور جس حدیث پر کلام کرنے سے سکوت کیا وہ ان کے نزدیک صالح ہے ایک فقیہ کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے اور

ترمذی کا طریقہ مذکورہ دونوں طریقوں کو جمع کرنا ہے گویا امام ترمذی نے شیخین کا طریقہ بھی پسند کیا کہ انہوں نے مبہم نہیں رکھا بیان کر دیا۔ اور ابوداؤد کا طریقہ بھی پسند کیا کہ ہر مذہب کو بیان کر دیا مزید برآں صحابہ اور تابعین نیز فقہائے عظام کے مذاہب کو بھی بیان کر دیا۔ حدیث کے طرق کو مختصر کر دیا اس طرح کہ ایک حدیث ذکر کی اور بقیہ کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر حدیث کا حال بھی بیان کر دیا کہ صحیح ہے یا حسن یا منکر اور ضعف کی وجہ بھی بیان کر دی یا یہ کہ وہ مستفیض ہے یا غریب۔

اور نسائی کو باوجود زمانہ میں تاخر کے بعض لوگوں نے صحیحین کے بعد کا درجہ دیا ہے اسلئے کہ وہ تنقیدِ رجال میں شیخین سے بھی زیادہ سخت ہیں اور ان کی کتاب کی حدیثوں پر صحیحین کے بعد سب سے کم تنقید کی گئی ہے اور وہ علتین اچھی بیان کرتے ہیں [۱]

اور امام بخاری نے رائے میں غور کیا تھا اور بخاری کے اہل الرائے فقہاء سے فقہ حاصل کی تھی اور عبد اللہ بن مبارک تلمیذِ امام ابوحنیفہ کی کتابیں بخاری سے نکلنے سے پہلے یاد کر لی تھیں اور علمی اسفار میں مختلف فقہاء سے ملاقات بھی کر چکے تھے اسلئے انھوں نے خود اجتہاد کیا (حاشیہ شروط الائمۃ الخمسہ للحازمی مطبوعہ مع ابن ماجہ ص۸۲) مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

---

[۱] کوثری نے نسائی کے بارے میں صرف اتنا ہی ذکر کیا۔ لیکن امام ابوعبداللہ بن رشید نے فرمایا کہ سنن نسائی سنن میں لکھی گئی کتابوں میں سب سے اچھی ہے۔ ترتیب بہت عمدہ ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں کے طرز کی جامع ہے۔ ساتھ ہی علتین بھی بیان کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ صحیحین کے بعد ایسی کتاب ہے جس میں مجروح رواۃ اور ضعیف روایتیں بہت کم ہیں اس کے قریب ابوداؤد اور ترمذی ہیں ۱۲ (مقدمۂ زہر الربیٰ للسیوطی ص۳) یعنی نسائی کا مقصد بخاری کی طرح احادیث سے مسائل کا استنباط اور طرقِ حدیث نیز علتوں کا بیان کرنا ہے۔ بخاری اور نسائی میں بہت سی جگہ ابواب میں لفظی موافقت بھی ہے اور بخاری کی طرح تکرار بھی۔ ۱۲

صحیح بخاری میں امام بخاری کے شرائط اور صحیح بخاری کی اہمیت

صحیح بخاری کے شرائط

علامہ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ شروط الائمۃ الستۃ کے شروع میں لکھتے ہیں۔ کہ بخاری اور مسلم نیز دیگر جن مصنفینِ صحاح کی کتابوں کی شرطیں بیان کی جاتی ہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان حضرات سے خود ان کی کتابوں کے شرائط منقول نہیں ہیں بلکہ ان کی کتابوں میں غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انکی یہ شرطیں تھیں۔

پھر فرمایا کہ بخاری و مسلم کی شرط یہ ہے کہ ایسے راویوں کی روایت لیں گے جنکی ثقاہت پر اتفاق[1] ہو ایسے رواۃ صحابی تک چلے گئے ہوں اور سند میں اتصال ہو انقطاع نہو پھر اگر صحابی

---

[1] علامہ کوثری حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ حافظ عراقی نے اپنی الفیہ کی شرح میں اس پر اعتراض کیا کیونکہ نسائی نے ایک ایسی جماعت کی تضعیف کی ہے جن سے شیخین نے یا ان میں سے کسی ایک نے تخریج کی ہے۔ اس کی تفصیل شروط الحازمی میں آرہی ہے۔ (ص۸)

حازمی متوفی ۵۸۴ھ نے اپنی شروط الائمۃ الخمسہ میں ایک جگہ یہ سوال و جواب ذکر کیا ہے۔

سوال۔ جب شیخین نے اپنی کتابوں میں صحت کا التزام کیا ہے تو متکلم فیہ رواۃ سے کیوں روایتیں لیں؟ جیسے فلیح بن سلیمان، عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار، اسماعیل بن ابی ادریس بخاری میں اور محمد بن اسحاق بن یسار جیسے لوگ مسلم میں۔

جواب۔ صحیحین میں بعض ایسے لوگوں کی روایتیں ہیں جن کی طرف کچھ ضعف منسوب ہے لیکن وہ ضعف ایسا نہیں ہے جس سے ان کی حدیث رد کی جاسکے علاوہ بریں ہم یہ نہیں مانتے کہ امام بخاری ایسے رواۃ کی حدیثیں لانا جائز سمجھتے تھے جن میں کچھ ضعف ہے۔ اگر وہ ان میں ضعف کے قائل (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

سے روایت کرنے والے دو راوی ہوں تو بہتر ہے ورنہ ایک راوی کی روایت بھی لے لیتے ہیں
جبکہ سند صحیح ہو البتہ امام مسلم نے ایسے راویوں کی روایت لے لی ہے جنکی حدیثوں کو بخاری
نے شبہہ کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ مسلم نے شبہہ دور کرنے کے بعد ان کی حدیثوں کو قبول کرلیا جیسے
حماد بن سلمہ، سہیل بن ابی صالح، داؤد بن ابی ھند، ابو الزبیر، علا ابن عبد الرحمن وغیرہم۔ ہم
نے ان پانچ کو مثال کے طور پر ذکر کیا ہے اسلئے کہ ان کی شہرت ہے اور روایت بہت ہے۔
ان میں کچھ کلام ہوا ہے لیکن ایسا نہیں کہ اس سے ان کی ثقاہت اور عدالت ختم ہو جائے پھر
بھی امام بخاری رحنے از روئے احتیاط ان کی حدیثوں کی تخریج نہیں کی۔ مسلم نے اطمینان

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہوتے تو ان کی احادیث کی تخریج نہ کرتے۔

کوثری کا تبصرہ اس پر علامہ کوثری لکھتے ہیں۔ بخاری (کے ۸۰) اور مسلم (کے ۱۶۰ کچھ مشترک)
بہت سے رجال پر کلام ہے اور کلام بدعت جہالت، غلطی، مخالفت، تدلیس
وارسال کی وجہ سے ہے۔ اس کا جواب لوگوں نے یہ دیا ہے کہ یہ شواہد اور متابعات میں ہے اصول میں
نہیں یا روایت ان کے اندر سبب ضعف پیدا ہونے سے پہلے کی ہے۔ حافظ نے مقدمۂ فتح میں پورا
زور صرف کرکے مدافعت کی ہے۔

بخاری اور مسلم کی بلند شان میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی کہ ان کی کتابوں میں کچھ مُنفرداتؔ
ہوں اسلئے کہ وہ دونوں معصوم نہیں تھے اور امام بخاری کا آخری تبییض سے پہلے انتقال ہوگیا تھا جیسا کہ روایاتؔ
سے ثابت ہے۔ (حاشیہ شروط الائمۃ الخمسہ للحازمی ص۸۳)

حازمی کی تقریر جواب سے معلوم ہوا کہ راویوں کے بارے میں اختلاف ہوتا ہے کوئی راوی ایک
محدث کے یہاں ضعیف ہوتا ہے تو دوسرے کے یہاں ثقہ اسی لئے محقق ابن الہمام نے یہ کہا کہ شیخین یا
ان میں سے کسی ایک کا کسی راوی کے بارے میں یہ فیصلہ کہ یہ صحت کے تمام شرائط کا جامع ہے قطعی نہیں۔
ممکن ہے انکا یہ فیصلہ واقع کے خلاف ہو۔ بخاری اور مسلم میں متکلم فیہ راوی موجود ہیں۔ اسلئے یہی کہنا ہوگا کہ یہ
مسئلہ علماء کے اجتہاد پر مبنی ہے۔ شروط کا بھی یہی حال ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

کرنے کے بعد قبول کیا۔

مثلاً سہیل بن ابی صالح کے بارے میں یہ کلام ہوا کہ انھوں نے اپنے والد سے سنا ہے یا نہیں. تو بعض نے کہا کہ صحیفہ سے روایت کرتے ہیں. بخاری نے سہیل کی روایت کو چھوڑ دیا (صرف استشہاداً ان کی روایت لی ۱۲ ذہبی) ان کے والد کے دوسرے شاگردوں کی روایات لیں. لیکن مسلم نے سہیل کی روایت کو لیا اسلئے کہ دیکھا کہ وہ کبھی عن عبداللہ بن دینار عن ابیہ کہتے ہیں کبھی عن الاعمش عن ابیہ۔ تو مسلم نے یہ نتیجہ نکالا کہ سہیل کو اپنے والد سے سماعت ہے ہاں کچھ حدیثیں براہِ راست نہیں سنیں بلکہ ابن دینار سے یا اعمش سے یا اپنے بھائی سے اور ان تینوں نے ان کے والد سے۔ اگر صحیفہ کی روایت ہوتی تو ان واسطوں کو کیوں ذکر کرتے؟ معلوم ہوا کہ براہِ راست. اپنے والد سے حدیثیں سنی ہیں (شروط الائمہ الستہ للمقدسی مع ابن ماجہ ص۷ طبع کراچی) حماد بن سلمہ کو بھی بطور مثال ذکر کیا ہے۔

حاکم کا دعویٰ

ابوعبداللہ حاکم صاحبِ مستدرک نے دعویٰ کیا ہے کہ حدیث کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ صحابی سے جہالت منتفی ہو اس طرح کہ اس سے روایت کرنے والے دو ہوں اخیر تک ہر راوی کے دو راوی ہوں. جیسے شہادت پر شہادت اھ۔

حافظ نے شرحِ نخبہ ص۱۱ میں حاکم کا یہ کلام انکی کتاب (معرفتہ) علوم الحدیث سے نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ قاضی ابو بکر بن العربی نے اس کو بخاری کی شرط بتایا ہے۔ حافظ نے مقدمۂ فتح میں حاکم کا یہ دعویٰ ذکر کیا ہے کہ یہی بخاری اور مسلم دونوں کی شرط ہے۔

حازمی متوفی ۵۸۴ھ نے شروط الائمہ ص۴۲ میں حاکم کا ایک طویل کلام انکی کتاب المدخل. سے نقل کیا ہے اس میں بھی حاکم نے یہ ذکر کیا ہے کہ بخاری و مسلم نے ایسے راویوں کی روایتیں لی ہیں جن کے کم از کم دو شاگرد ہیں مقدسی نے بھی شروط الائمہ ص۱۷ میں حاکم کا یہ

یہ کلام ذکر کیا ہے۔ [۱]

حاکم کی تردید

مقدسی اور حازمی دونوں نے حاکم کے قول کی زوردار تردید کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی شرح نخبہ اور ھدی الساری میں اسکی تردید کی ہے۔

مقدسی اور حازمی کے کلام کا خلاصہ

مقدسی نیز حازمی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ بخاری نے ایسی شرط لگائی نہ مسلم نے، نہ ان دونوں سے ایسا منقول ہے بلکہ یہ صرف حاکم کا اندازہ ہے۔ بخدا یہ شرط اچھی ہوتی اگر ان دونوں کتابوں میں موجود ہوتی۔ لیکن حاکم کا یہ قاعدہ واقعہ کے خلاف ہے صحابہ میں مثلاً مرداس اسلمیؓ کو لیجئے ان سے یہ حدیث۔ یذھب الصالحون الاول فالاول لحدیث صرف بخاری نے ذکر کی ہے ص۵۹۳ وص۹۵۲ اور ان صحابی سے صرف یہی حدیث بخاری میں مذکور ہے کوئی اور نہیں اور مرداس کے شاگرد قیس بن ابی حازم تنہا اس کے راوی ہیں کسی اور نے ان سے یہ روایت نہیں ذکر کی۔

نیز حاکم نے مرداس اسلمیؓ کو ایسا صحابی قرار دیا ہے جن سے صحاح میں کوئی روایت نہیں۔ یہ بھی حاکم کی کھلی غلطی ہے۔ بخاری میں ان سے روایت مروی ہے۔

حزنؓ بن ابی وہب المخزومی جن کی روایت بخاری و مسلم نے روایت کی ہے ان کے شاگرد بھی فقط ان کے بیٹے مسیب ہیں اور ان کے شاگرد سعید بن المسیب ان سے بخاری شریف میں دو روایتیں ہیں اول ص۵۴۱ میں جا رسیل فی الجاھلیۃ فکسا ما بین الجبلین۔ دوسری ص۹۱۴ میں

---

[۱] کوثری نے لکھا ہے کہ بیہقی نے بھی حاکم کی اس مسئلہ میں موافقت کی ہے۔ سنن بیہقی کی کتاب الزکوۃ کی ایک عبارت اسکو ظاہر کرتی ہے۔ ابن الاثیر نے بھی جامع الاصول میں حاکم کی موافقت کی ہے بظاہر ان کو حازمی کی کتاب نہیں ملی ہوگی (شروط للحازمی ص۲۷) ابن العربی نے موطا کی شرح میں اس قول کی تردید کی ہے (حاشیہ کوثری علی شروط المقدسی ص۱۳) یعنی اپنے قول سے رجوع کرلیا۔ النکت علی ابن الصلاح میں ہے کہ ابو حفص میانجی نے بھی دو دو کو شیخین کی شرط بنایا ہے۔ قدماء میں اسمٰعیل بن علیہ نے اسکو صحت کی شرط قرار دیا تھا ص۲۴۱

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اسمک زاہر بن الاسود الاسلمیؓ۔ ان سے بخاری نے ایک حدیث ذکر کی ہے۔ انی لاوقد تحت القدور بلحوم الحمر اذ نادی ضہ الخ ان کے شاگرد بھی فقط ان کے صاحبزادہ مجزاۃ بن زاہر ہیں۔

اسی طرح اور بھی کئی صحابہ کے نام ان دونوں نے ذکر کئے جنکے راوی فقط ایک ہی ہیں مثلاً عبد اللہ بن ہشام بن زہرہ قرشی، عمرو بن تغلب، عبد اللہ بن ثعلبہ بن صُعیر وغیرہم۔

حاکم کی تردید کرتے ہوئے حازمی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بخاری کی پہلی حدیث الاعمال بالنیات جس کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے صحیح سند سے صرف حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور ان سے صرف علقمہ نے روایت کیا ہے ان سے صرف ابراہیم تیمی نے اور ان سے صرف یحی بن سعید نے

حافظ نے شرح نخبہ ص۱۵ میں ابن رُشید سے نقل کیا ہے کہ قاضی کے اس دعویٰ کے بطلان کے لئے بخاری کی پہلی ہی حدیث کافی ہے۔ یعنی کہ فرد ہے دو دو سے مروی ہونے کی شرط مفقود ہے

کوثری نے شروط الائمہ للحازمی ص۷۶ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بخاری کی آخری حدیث بھی فرد ہے جیساکہ حافظ بُرہان بقاعی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ بلکہ صحیحین میں دوسو سے زائد ایسی حدیثیں ہیں۔ چنانچہ حافظ ضیاء المقدسی نے۔ غرائب الصحیحین۔ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں صحیحین کی غریب حدیثیں جمع کر دی ہیں۔ (شروط للحازمی ص۷۶)

حافظ کی توجیہ

حافظ نے حاکم کی اس رائے پر ھدی الساری میں بہت مختصر کلام کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حاکم نے جس شرط کا تذکرہ کیا ہے وہ اگرچہ بعض صحابہ کے حق میں منقوض ہے لیکن صحابہ کے بعد کے لوگوں میں معتبر ہے اسلئے کہ بخاری کی کتاب میں کوئی اصل حدیث ایسے راوی کی روایت سے نہیں ہے جس کا صرف ایک ہی شاگرد ہو فلیس فی الکتاب حدیث اصل من روایۃ من لیس لہ الا راو واحد قط (ھدی ص۹)

لیکن حافظ کی یہ بات تسامح پر مبنی ہے اسلئے کہ حاکم کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ بخاری اور مسلم کے ہر راوی کے لئے دو شاگرد ہونا ضروری ہے۔ اگر حاکم یہ کہتے تو کوئی قابل اعتراض بات نہ

ہوتی کیونکہ یہ تو مسلّم ہے کہ صحیح حدیث کے راوی سے جہالت کو منتفی ہونا چاہئے اور جہالت کے انتفاء کے لئے دو راوی ہونا ضروری ہے اسلئے بخاری و مسلم کیا ہر حدیث صحیح کے راوی کو (صحابہ کو چھوڑ کر) ایسا ہونا ضروری ہے۔

حاکم کا دعویٰ تو یہ تھا کہ صحیحین کی ہر روایت ایسی ہے کہ اس کے ہر راوی سے اس حدیث خاص کو روایت کرنے والے کم از کم دو ہیں۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے جیسا کہ ثابت ہوا اسلئے حافظ کی یہ توجیہ ضعیف ہے۔ حافظ سے پہلے غسانی اور قاضی عیاض نے حاکم کے کلام کا یہ مطلب بیان کیا ہے لیکن حاکم کا کلام اس توجیہ کو قبول کرتا دکھائی نہیں دیتا۔ کوثری نے بعض لوگ کہکر اس قول کی تردید کی ہے۔ بہت ممکن ہے بعض الناس سے ابن حجر بھی مراد ہوں واللہ اعلم (دیکھئے حاشیہ کوثری بر شروط الائمہ للحازمی ص۲۷)

بخاری کے شرائط کی تفصیل

مقدسی کے الفاظ شرائط بخاری کے متعلق گذر چکے ہیں۔ علامہ حازمی نے شرائط پر مفصل کلام کیا ہے حافظ نے ہدی الساری میں اس کا خلاصہ پیش کیا ہے وہ اصل سے کچھ اضافہ کے ساتھ یہ ہے۔

اسناد متصل[1] ہو اور راوی مسلمان[2] سچا ہو۔ مدلس[3] اور مختلط[4] نہو۔ صفات عدالت[5] سے متصف ہو۔ ضابط[6] ہو یاد رکھنے[7] والا ہو۔ سلیم الذہن[8] ہو قلیل[9] الوہم ہو اور سلیم[10] الاعتقاد ہو حازمی فرماتے ہیں جو صحیح حدیث کی تخریج کرنا چاہتا ہے وہ عادل راوی کا حال اس کے ثقہ مشائخ کے بارے میں معلوم کرتا ہے کیونکہ بعض کی حدیث صحیح ہوتی ہے اور بعض میں کلام ہوتا ہے اور یہ ایک مشکل بات ہے اور اس کی وضاحت کا طریقہ یہ ہے کہ رواۃ کے طبقات اور ان کے علمی مقام کو پہچانا جائے ہم اسکی مثال ذکر کرتے ہیں۔

امام زہریؒ کے تلامذہ کے پانچ طبقات ہیں اور ہر طبقہ کو نیچے والے طبقہ پر فضیلت حاصل ہے تو جو راوی اوپر کے طبقہ کا ہوگا اس کی روایت انتہائی درجہ کی صحیح ہوگی یہی امام

بخاری کا مقصد ہے۔ دوسرا طبقہ بھی پہلے کیطرح عادل ہے لیکن پہلے طبقہ میں حفظ واتقان کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ وہ اپنے شیخ کے ساتھ طولِ ملازمت کی صفت سے متصف تھا حتی کہ بعض تو سفر وحضر میں زہری کے ساتھ ہی رہتے تھے اور دوسرے طبقہ نے تھوڑی مدت زہری کی صحبت اٹھائی اسلئے اس کو پہلے طبقہ کیطرح زہری کی حدیثوں میں مہارت نہیں حاصل ہوسکی اسلئے اس کو اتقان میں طبقۂ اولیٰ سے کمتر مانیں گے اور یہ طبقہ مسلم کی شرط ہے۔

طبقۂ اُولیٰ کی مثال۔ یونسؒ بن یزید، عُقیلؒ بن خالد، مالکؒ بن انس، سفیانؒ بن عیینہ، شعیبؒ ابن ابی حمزہ۔

طبقۂ ثانیہ کی مثال۔ اوزاعیؒ۔ لیث بن سعدؒ، عبدالرحمٰنؒ بن خالد بن مسافرؒ، ابنؒ ابی ذئب (شروط حازمی میں ان کے بجائے نعمان بن راشد کا نام ہے)

طبقۂ ثالثہ کی مثال۔ سفیان بن سیلم السلمی، جعفر بن برقان، عبدالرحمٰن بن عمر بن حفص العمری (ہدی میں یہ نام نہیں) زمعہ بن صالح المکی (ھدی میں یہ نام چوتھے طبقہ میں ہے)

یہ وہ طبقہ ہے جو پہلے کیطرح زہری کے ساتھ طویل مدت تک رہا لیکن جرح سے بچ نہ سکا۔ یہ طبقہ ابوداؤد اور نسائی کی شرط ہے۔

طبقۂ رابعہ کی مثال۔ اسحاق بن یحیی الکلبی، معاویہ بن یحیٰی الصدفی، اسحاق بن عبدالرحمٰن بن ابی فروہ المدنی۔ ابراہیم بن زید المکی، المثنیٰ بن الصباح وغیرہم۔ یہ لوگ تیسرے طبقہ کی طرح ہیں یعنی ان کی تعدیل بھی کی گئی ہے اور جرح بھی لیکن زہری کی ملازمت حاصل نہیں۔ یہ ترمذی کی شرط ہے لیکن ترمذی چونکہ ضعف کی وجہ کو بیان کردیتے ہیں اسلئے ترمذی کی شرط ابوداؤد سے بڑھی ہوئی ہے۔

طبقۂ خامسہ کی مثال۔ بحر بن کثیر السقا، حکم بن عبداللہ الدیلی، عبدالقدوس بن حبیب الدمشقی۔ محمد بن سعید المصلوب وغیرہم یہ بہت سے لوگ ہیں۔ یہ ضعفا اور مجہولین ہیں انکی حدیثوں کو ابوداؤد اور ان کے نیچے کے لوگوں نے بطور استشہاد واعتبار کے روایت کیا ہے۔

شیخین نے نہیں۔

امام بخاری طبقۂ اولیٰ کی احادیث کو لیتے ہیں۔ کبھی طبقۂ ثانیہ کی حدیثوں کو بھی جو قابلِ اعتماد ہوں لے لیتے ہیں۔ استیعاب کے ساتھ نہیں۔ البتہ امام مسلم ان دونوں طبقوں کی روایتوں کو بطریقِ استیعاب ذکر کرتے ہیں۔ کبھی طبقۂ ثالثہ کی حدیثیں بھی لے لیتے ہیں جبکہ قابلِ اعتماد معلوم ہوتی ہوں۔

حافظ فرماتے ہیں۔ بخاری اکثر و بیشتر طبقۂ ثانیہ کی حدیثوں کو تعلیقاً ذکر کرتے ہیں کبھی طبقہ ثالثہ کی روایتیں بھی تعلیق میں لے لیتے ہیں۔ اور یہ مثال جو ہم نے ذکر کی مکثرین[1] کے بارے میں ہے اسی پر نافع، اعمش، اور قتادہ کے اصحاب کو بھی قیاس کرلینا چاہئے۔ باقی رہے غیر مکثرین تو شیخین نے ان میں سے صرف ان ہی لوگوں کو لیا ہے جو ثقہ اور عادل ہونے کے ساتھ غلطی بہت کم کرتے ہیں ان میں بھی بعض پر اعتماد زیادہ ہوا تو ان کی مفرد اور غریب روایتیں بھی لے لیں مثلاً یحییٰ بن سعید انصاری اور بعض پر اعتماد قوی نہیں ہوا تو ان کی روایتوں کو مقرون بالغیر ہونے کے بعد لیا۔ یہی صورت زیادہ ہے۔ (ہدی الساری ص۱۰)

مدلسین کی تفصیل

حازمی نے جہاں ان شرطوں کو بیان کیا ہے وہاں کوثری نے ایک حاشیہ میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ حافظ ابو سعید صلاح الدین علائی نے اپنی بے حد مفید کتاب۔ جامع التحصیل لاحکام المراسیل۔ میں مدلسین کے نام ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ سب مدلسین برابر نہیں ہیں کہ ان کی معنعن روایت کو قبول نہ کیا جائے جبتک کہ سماعت کی تصریح نہو۔ بلکہ ان کے کئی طبقے ہیں۔

۱۔ بعض ایسے ہیں جو اتنی کم تدلیس کرتے ہیں کہ مدلسین میں ان کو شمار کرنا نامناسب ہوگا۔ جیسے یحییٰ بن سعید، ہشام بن عروہ، موسیٰ بن عقبہ۔

۲۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جسکی تدلیس کو ائمہ نے قبول کیا ہے اور اپنی صحاح میں انکی حدیثوں کی تخریج کی ہے اگرچہ انھوں نے سماعت کی تصریح نہ کی ہو ایسا یا تو ان کی امامت کیوجہ سے

[1] مکثرین: محدثین کی اصطلاح میں ان لوگوں کو کہتے ہیں جنکی مرویات کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہو ۱۲ تقریر ترمذی مفتی محمد تقی عثمانی

ہوا یا اسلئے کہ انکی مرویات میں تدلیس نسبۃً کم ہے یا اسلئے کہ وہ ثقہ ہی سے تدلیس کرتے ہیں. جیسے زہری، اعمش، ابراہیم نخعی، اسماعیل بن ابی خالد، سلیمٰن تیمی، حمید طویل، حکم بن عتبہ. یحیٰ بن ابی کثیر، ابن جریج، ثوری، ابن عیینہ. شریک، ہشیم۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ میں انکی بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جن میں سماعت کی تصریح نہیں۔ بعض ائمہ نے اس کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ شیخین کو اس بات پر اطلاع ہوئی ہوگی کہ اس خاص حدیث کو مدلس نے اپنے شیخ سے سنا ہے۔

لیکن یہ ایک مشکل بات ہے ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ بالا اسباب میں سے کسی سبب سے ایسا ہوا ہے اھ پھر کوثری نے ذکر کیا کہ موسٰی بن عقبہ کو ابن حبان نے اسی طرح اسماعیلی نے مدلسین میں شمار کیا ہے اسماعیلی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ موسٰی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو زہری سے سماعت نہیں پھر بھی ان کی روایت بخاری میں موجود ہے۔ ابان بن عثمان کی روایت مسلم میں موجود ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ اپنے والد سے نہیں سنا. ابواسحاق فزاری کی روایت ابو طوالہ سے بخاری میں موجود ہے حالانکہ ان سے نہیں سنا جیسا کہ ابن مردویہ نے ذکر کیا۔ زہرہ بن معبد کی روایت ابن عمرؓ سے بخاری میں موجود ہے جبکہ ابن ابی حاتم نے اس میں توقف کیا ہے۔ سلیم بن عامر کی روایت مقداد بن اسود سے مسلم میں موجود ہے حالانکہ ابو حاتم نے فرمایا کہ مقداد کو انھوں نے نہیں پایا. شعبی کے بارے میں امام احمد نے فرمایا کہ ابو ہریرہ سے نہیں سنا ہے حالانکہ صحیحین میں ان کی روایت موجود ہے اسکی بہت سی مثالیں اس عظیم کتاب میں موجود ہیں۔

کوثری کہتے ہیں کہ اس بحث سے معلوم ہوا کہ یہ روایات باوجود انقطاع کے کسی سبب سے مقبول ہیں تو اسی طرح مرسل روایت کو بھی قبول کرنا چاہئے جیسا کہ ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے شرط قبولیت میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ۔ اگرچہ بعد کے محدثین کی اصطلاح اسکے خلاف ہے۔ (شروط الحازمی ص۵۲)

انقطاع کی ایک مثال بخاری میں

صحیح بخاری میں انقطاع کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ کتاب التفسیر صـ۷۳۲ وکتاب الطلاق صـ۷۹۶ میں ایک روایت کی سند یوں ہے۔ ہشام عن ابن جریج وقال عطاء عن ابن عباسؓ الخ اس پر اعتراض ہے کہ ابن جریج نے عطاء خراسانی سے سنا نہیں ہے بلکہ ان کے بیٹے عثمان سے کتاب پا گئے تھے اسی سے روایت کرتے ہیں۔ عثمان ضعیف ہیں اور عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا نہیں ہے اسلئے روایت منقطع ہے۔

حافظ صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ابن جریج کے پاس یہ روایت عطاء خراسانی اور عطاء ابن ابی رباح دونوں سے ہو اور بخاری نے عطاء ابن ابی رباح مان کر روایت ذکر کی ہو۔ پھر لکھا ہے کہ یہ مقام ایسا ہے جس کا جواب سدید مشکل ہے۔ ولابد للجواد من کبوۃ (ھدی صـ۳۷۵)

اضطراب کی ایک مثال

کتاب الذبائح صـ۸۲۷ میں نافع کی ایک روایت ہے جس کو وہ کبھی کعب بن مالک کے کسی صاحبزادہ سے نقل کرتے ہیں کبھی ایک انصاری سے کبھی بنی سلمہ کے کسی آدمی سے۔ دار قطنی نے کہا کہ اس روایت میں بہت اختلاف ہے اور بخاری نے تخریج کی ہے۔

حافظ نے فرمایا اسکی علت ظاہر ہے اور جواب تکلف اور تعسف ہے (ھدی صـ۳۷۶)

پھر حافظ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ایک اہم سوال وجواب

علامہ حازمی نے ائمہ کے شرائط ذکر کرنے کے بعد ایک سوال اٹھایا اور پھر اسکا جواب دیا۔

سوال۔ اگر شیخین نے صحیح حدیثوں کی تخریج کا التزام کیا تھا تو پھر بعض ایسے راویوں کی روایت کو کیوں لیا جن میں کلام کیا گیا ہے۔ جیسے فلیح بن سلیمان، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار، اسمٰعیل بن ابی ادیس بخاری میں اور محمد بن اسحاق بن یسار اور ان جیسے مسلم میں؛

جواب ۔ بخاری اور مسلم نے بعض ایسے راویوں کی روایتوں کو لیا ہے جن کی طرف کچھ ضعف منسوب ہے لیکن ان کا ضعف اس حد تک نہیں کہ انکی روایات رد کردی جائیں ۔ اسکے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ امام بخاری ؒ ضعیف راویوں کی حدیثوں کی تخریج جائز نہیں سمجھتے تھے جن لوگوں کیطرف ضعف کی باتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ اگر بخاری کے یہاں قبول ہوتیں تو انکی روایتوں کو قبول نہ کرتے ۔

اس مقام پر یہ جان لینا چاہئے کہ ضعف کی وجہیں متعدد اور مختلف ہیں اور علماء اس میں مختلف ہیں. فقہاء کے یہاں ضعف کے اسباب متعین ہیں اور وہ بیشتر ظاہر شریعت سے متعلق ہیں اور ائمۂ روایت کے یہاں ضعف کے اسباب دیگر ہیں وہ فقہاء کے یہاں معتبر نہیں پھر ائمۂ نقل کا بھی آپس میں بہت اختلاف ہے ان کے مذاہب مختلف ہیں ایک راوی عبدالرحمٰن بن مہدی کے یہاں ثقہ ہے تو دوسرے امام مثلاً یحیٰی بن سعید قطان کے نزدیک مجروح ہے اور کوئی اس کے برعکس حالانکہ یہ دونوں ایسے ائمۂ جرح و تعدیل ہیں کہ ان کے اوپر نقل کا مدار ہے اور انہی سے بیشتر باتیں منقول ہیں۔

رہے امام بخاری تو وہ اپنے وقت کے بے نظیر امام تھے بحث و نقد میں ان کی کوئی مثال نہیں ان کے مرتبہ کو جاننے کے بعد اعتراض نہیں کیا جا سکتا وہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے یہ التزام کیا ہے کہ ایسی حدیث ذکر کروں گا جس کی صحت پر اتفاق ہے میں نے یہ نہیں التزام کیا ہے کہ ایسے راوی کی روایت ذکر کروں گا جس کی عدالت پر اتفاق ہو اسلئے کہ یہ تو ناممکن سی بات ہے ۔ مختلف لوگوں کے یہاں مختلف اسبابِ ضعف ہیں ۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ ایک حدیث بخاری کے یہاں ثابت ہوتی ہے اس کے مختلف طرق ہوتے ہیں کبھی وہ نزول اختیار کرتے ہیں تو اصح طریق کو چھوڑ کر نازل کو اختیار کر لیتے ہیں کبھی تکرار سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں اس طرح کے متعدد اعذار ہو سکتے ہیں امام مسلم ؒ نے اس طرح کی بات صاف صاف ذکر فرمائی ہے ۔ (شروط الائمہ للحازمی صفحہ ۸۳-۸۴)

بعض اہم فوائد اس سوال وجواب سے بعض اہم فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کی طرف کوثری نے اشارے کئے ہیں ایک بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جرح وتعدیل اور راویوں کے ثقہ اور ضعیف نیز حدیثوں کے صحیح اور ضعیف ہونے کا مسئلہ اجتہادی ہے۔ اسی لئے اس میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے جیساکہ قدیم ائمۂ جرح وتعدیل کے اختلاف سے معلوم ہوا۔ صحیحین کے بہت سے رجال پر کلام ہے۔ اسّی رجال صرف بخاری کے ہیں ایک سو ساٹھ ۱۶۰ صرف مسلم کے اور بہت سے دونوں کے مشترک۔ کلام کی وجہ بدعت ہے یا جہالت یا غلطی یا مخالفت یا تدلیس وارسال۔ ان سب اعتراضات کے جوابات دئے گئے کہ ایسے راوی یا تو متابعات وشواہد میں ہیں یا اختلاط سے قبل کی روایتیں لی گئی ہیں یا علوِ سند کیوجہ سے ان طرق کو لیا گیا ہے اصل حدیث دوسرے صحیح طریق سے ثابت ہے یا یہ کہ ضعف شیخین کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔ حافظ نے تفصیلی طور پر ھدی الساری مقدمۂ فتح الباری میں جواب تحریر فرمایا ہے۔

اسی طرح بخاری ومسلم کی دو سو دس ۲۱۰ احادیث پر کلام کیا گیا ہے۔ خاص بخاری کی اٹھتر ۷۸، خاص مسلم کی سو ۱۰۰۔ مشترک بتیس ۳۲۔ نقد کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کا بھی تفصیلی جواب مقدمۂ فتح میں حافظ صاحب نے دیا ہے۔ تفصیلی جواب سے پہلے ایک اجمالی جواب بھی تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے۔

بخاری ومسلم اپنے وقت کے سب سے بڑے امام تھے[1] علی بن مدینی اور ذہلی کے علوم

---

[1] اس موقعہ پر احناف یہ کہتے ہیں کہ جب امام بخاری اور امام مسلم کے بارے میں ان کے علوشان کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے تو کیا ائمۂ مجتہدین اربعہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا جبکہ وہ انکے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ ہیں۔ اور ان کا حدیث وفقہ میں علمی مقام مسلّم ہے۔ (دیکھئے لامع کا مقدمہ ص ۲۶۵ اور انوار الباری کا مقدمہ ص ۴۰ ج ۲)

ان کے پاس تھے اور انھوں نے اپنی اپنی صحیح میں ایسی حدیثیں لی ہیں جو علت سے خالی ہیں اور اگر کوئی علت ہے تو وہ ان دونوں حضرات کے نزدیک مؤثر نہیں تو اگر ناقدین کے نقد کو مان بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائیگا کہ ناقدین کا نقد شیخین کی تصحیح کے معارض ہے. اس صورت میں ظاہر ہے کہ ترجیح شیخین کی رائے کو ہوگی. اس طرح اعتراض دفع ہو جاتا ہے

(ھدی ص۲۷۴)

ابن الہمام کا نتیجہ

یہیں سے محقق ابن الہمام نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کسی خاص راوی کے بارے میں امام بخاری یا مسلم یا دونوں کا یہ فیصلہ کہ یہ صحت کے شرائط کا جامع ہے کوئی قطعی بات نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ ان کا فیصلہ واقع کے مطابق نہ ہو. مسلم نے بہت سے ایسے رجال سے تخریج کی ہے جن پر جرح ہے. ایسے ہی بخاری میں بھی متکلم فیہ رواۃ ہیں اسلئے راویوں کا معاملہ علماء کے اجتہاد پر دائر ہے. یہی حال شرط کا بھی ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہے ایک شرط کسی کے یہاں ضروری ہے تو دوسرے کے یہاں کوئی اور شرط ضروری ہے یہ نہیں. ہاں یہ صحیح ہے کہ غیر مجتہد کا نفس اس پر مطمئن ہوتا ہے جس پر اکثر کا اتفاق ہو. رہا مجتہد جو کسی شرط کے اعتبار اور عدم اعتبار میں مستقل ہے اور اس نے خود راوی اور روایات کو پرکھا اور جانچا ہے تو وہ تو اپنی رائے ہی پر عمل کریگا (شیخین کی رائے اس پر لازم نہیں کیجا سکتی) اس لئے غیر صحیحین کی صحیح روایت صحیحین کے معارض ہو سکتی ہے اھ فتح القدیر ص۳۱۲ ج ۱ ص۱۸۶) ابن امیر حاج. التحریر. کی شرح (التقریر والتحبیر) میں فرماتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ صحیحین کی اصحیت ان کے ماسوا پر صرف مابعد کے لحاظ سے ہے. جو مجتہدین پہلے گذر چکے ہیں ان کے لحاظ سے نہیں. یہ بات ظاہر ہونے کے باوجود بعض لوگوں کو معلوم نہیں یا وہ مغالطہ میں ہیں اھ

علامہ کوثری اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ شیخین اور ان کے معاصر اصحاب سنن فقہ اسلامی کی تدوین کے بعد آئے اور خاص قسم کی حدیثوں کا اہتمام کیا ان سے پہلے کے ائمہ

مجتہدین کے پاس ان سے زیادہ مواد تھا ان کے سامنے مرفوع احادیث کے ساتھ موقوف مرسل اور صحابہ وتابعین کے فتاویٰ بھی تھے انکی نظر صرف حدیث کی ایک قسم پر نہیں تھی۔ ان مصنفات اور جامعات کو دیکھئے جو ائمۂ مجتہدین کے تلامذہ یا ان تلامذہ کے تلامذہ کی مرتب کی ہوئی ہیں۔ ان ائمہ کے لئے احادیث کی سندوں پر نظر کرنا علوِ طبقہ کی وجہ سے آسان تھا خصوصاً جبکہ یہ مسلم ہے کہ کسی حدیث سے استدلال اس کی تصحیح ہے (حاشیہ کوثری علی الحازمی ص۸۳)

مولانا عثمانی کی تحریر

مولانا ظفر احمد عثمانی رحہ نے مقدمۂ اعلاء السنن (قواعد فی علوم الحدیث) میں مستقل ایک فصل قائم فرمائی ہے جس کا عنوان یہ ہے۔ رجال کی توثیق وتضعیف نیز احادیث کی تصحیح وتضعیف امرِ اجتہادی ہے۔ پھر اس کلیہ کے ثبوت میں علامہ ابن تیمیہ، ابن جریر، حافظ ابنِ حجر، امام سیوطی، امام ترمذی۔ علامہ ذہبی کی عبارتیں پیش کی ہیں (دیکھئے مقدمۂ اعلاء السنن ص۳۳ وابعدہا)

خلاصۂ کلام

حاصل کلام یہ کہ صحیحین میں شیخین نے اپنے ضابطہ کے مطابق صحت کا التزام کیا ہے اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے اگر بعض مقامات پر کچھ ضعف کی وجہیں پائی جاتی ہوں تو اس سے ان کتابوں کی اصحیت پر اثر نہیں پڑتا۔

کوثری فرماتے ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں اگر گرفت کی کچھ باتیں ہیں تو ان سے ان دونوں کتابوں کی بلند شان میں کوئی پستی پیدا نہیں ہوتی آخر وہ بھی انسان ہی تھے معصوم تو نہیں تھے اور معلوم ہے کہ امام بخاریؒ اپنی کتاب کی آخری تبییض سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے جیسا کہ ابو الولید باجی کے کلام میں اس کی تصریح گذر چکی ہے۔

بخاری میں اوہام

صحیح بخاری میں کئی جگہ اوہام بھی ہیں۔ شراح اور محشیوں نے ان پر متنبہ کیا ہے حضرت شیخ زکریا رحہ نے پچاس اوہام شمار کرائے ہیں اور لکھا ہے کہ کشف الظنون میں شروح بخاری میں ایک تصنیف۔ التوضیح للاوھام الواقعۃ فی الصحیح۔ احمد بن ابراہیم بن السبط الحلبی متوفی ۸۸۴ھ کی مذکور

ہے اس میں انھوں نے ابنِ حجر، کرمانی اور برماوی کی شرحوں سے اوہام کو جمع کیا ہے۔
(دیکھئے کشف الظنون ص۵۵۳، و مقدمۂ لامع ص۴۳)

صاحب انوار الباری کا وقیع کلام

اس موقعہ پر مولانا سید احمد رضا بجنوری مدظلہ صاحب انوار الباری نے بہت عمدہ بات تحریر فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں. امام بخاری بھی آخر بشر ہی تھے اور کچھ اوہام و اغلاط سے ان کی شان کم نہیں ہوتی بلکہ اس اعتبار سے اور بھی امتیاز مل جاتا ہے کہ اگر کچھ نقائص تھے خواہ رواۃ کے اعتبار سے یا روایات کے لحاظ سے اور اوہام کے طور پر یا تکرار احادیث کی صورت میں تو ان پر دوسرے محدثین نے بے تکلف انتقاد کیا اور اس بارے میں امام بخاریؒ کی جلالتِ شان سے مرعوب نہیں ہوئے نہ انکی کوئی رُو رعایت کی۔ پھر ان کمزوریوں کے متعین ہونے کے بعد باقی پوری کتاب کی قدر و قیمت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جو احادیث ضعیف رواۃ کی وجہ سے ضعیف ہیں وہ دوسرے متابعات کی وجہ سے قوی ہو گئیں۔
(مقدمۂ انوار الباری ص۴۴)

صحیح بخاری کی اصحیت

صحیح بخاری کی خصوصیات کے ذیل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ یہ کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اس کے بعد مسلم پھر دوسری کتابیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے مقدمۂ فتح الباری میں شیخ ابن الصلاح سے یہ نقل کیا ہے کہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ صحیح بخاری صحت میں صحیح مسلم پر مقدم ہے۔ حاکم کے شیخ حافظ ابوعلی نیشاپوری سے جو یہ منقول ہے کہ۔ ماتحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب مسلم بن الحجاج اھ۔ تو اس سے مسلم کی اصحیت ثابت نہیں ہوتی (بلکہ زیادہ سے زیادہ مساوات ثابت ہوتی ہے) لیکن اس سے صحیح بخاری کی اصحیت کی نفی ضرور ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوعلی نیشاپوری کے بھی شیخ امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے فرمایا کہ ان کتابوں میں محمد بن

اسماعیل کی کتاب سے عمدہ کوئی کتاب نہیں اھ جودت سے مراد بظاہر تبادراً جودت اسانید ہے اور نسائی کا مقام نقدِ رجال اور شدتِ احتیاط میں معلوم ہے ماہرین کی ایک جماعت نے ان کو فنِ حدیث میں امام مسلم پر فوقیت دی ہے اور دار قطنی نے ابنِ خزیمہ پر نسائی کو ترجیح دی ہے۔ اسلئے نسائی کا قول ابو علی نیشاپوری کے قول پر مقدم ہوگا۔

محدث اسماعیلی نے اپنی کتاب۔ المدخل۔ میں فرمایا۔ ..... امام بخاری کے طریقہ پر اور لوگوں نے بھی کتابیں لکھیں۔ ان ہی میں امام مسلم بھی ہیں جو زمانہ میں بخاری سے قریب تھے۔ ان سے اور ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے لیکن بخاری نے جیسی تنگی اختیار کی مسلم نے نہیں کی اور بہت سے ایسے لوگوں سے روایت نہیں لی جن سے مسلم نے لی۔ ہر ایک کی نیت اچھی تھی لیکن کوئی امام بخاری کے تشدد کو نہیں پہونچ سکا۔ الخ

امام حاکم ابو احمد نیشاپوری جو ابو علی نیشاپوری کے ہم عصر اور معرفت رجال میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ بخاری کے بعد جن لوگوں نے بھی کتابیں لکھیں بخاری کی کتاب سے استفادہ کیا جیسے مسلم بن حجاج قشیری اھ دار قطنی کے یہاں جب صحیحین کا تذکرہ آیا تو فرمایا۔ لولا البخاری لما ذہب مسلم ولاجاء۔ کبھی فرمایا۔ مسلم نے کیا کیا؟ بخاری کی کتاب لی اور اس کا مستخرج تیار کر دیا۔ کچھ اضافے کر دیئے۔

خود امام مسلمؒ بھی امام بخاری کے تقدم اور امامت کے قائل تھے اور مشہور واقعہ میں بخاری کی خاطر امام ذہلی کو چھوڑ دیا۔ اسطرح کے ائمہ کے کلام بہت ہیں ان سب سے ابو علی نیشاپوری کے قول کا ضعف ظاہر ہے مغرب کے بعض مشائخ (غالباً ابو محمد ابن حزم کما یاتی) سے جو یہ منقول ہے کہ۔ کتاب مسلم افضل ہے کتاب بخاری سے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلم بخاری سے اصح ہے اسلئے کہ اس میں صحت کا لفظ نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم میں مرفوع حدیث کے ساتھ اقوال صحابہ اور تابعین شامل نہیں ہیں۔ خطبہ کے بعد مرفوع احادیث کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اس کے برخلاف بخاری کے تراجم میں معلق احادیث

اور موقوف و مقطوع روایات بھی ہیں۔ یا پھر مطلب یہ ہوگا کہ مسلم کی ترتیب بہت عمدہ ہے اور روایات پوری کی پوری مختلف طرق اور اسانید کے ساتھ یکجا مذکور ہیں برخلاف بخاری کے کہ اس میں روایات ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہیں اور منتشر ہیں۔ اور اگر ان کا مطلب یہی ہے کہ صحت میں مسلم بخاری سے افضل ہے تو یہ قول دلیل کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ (ہدی ص۱۰ تا ص۱۳ وشرح نخبہ ص۲۹)

محدث عبدالرحمٰن یمنی شافعی نے اسی مضمون کو ان دو شعروں میں بیان کیا ہے:

تَنَازَعَ قومٌ فی البخاری ومسلم ۔۔۔ لدیّ فقالوا ایُّ ذین یقدَّمُ

فقلتُ لقدْ فَاقَ البخاریُّ صحۃً ۔۔۔ کما فَاقَ فی حسنِ الصَّنَاعۃِ مسلمُ

(مقدمۂ تقریر بخاری مولانا شبیر احمد عثمانی وما ینفع ص۵۴)

ابو علی نیشاپوری کے قول پر مزید بحث

امام نووی[1] کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو علی نیشاپوری اور بعض مغاربہ مسلم کو بخاری سے اصح مانتے ہیں۔ نووی کے الفاظ یہ ہیں وقال ابو علی النیسابوری وبعض علماء المغرب: صحیح مسلم اصح اھ کلامہ فی مقدمۃ ص۲۹ شرح البخاری لہ وفی مختصرہ فی علوم الحدیث حافظ فرماتے ہیں کہ ابو علی کے کلام کا مقتضیٰ یہ نہیں ہے۔ ان کا کلام مساوات کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو علی نیشاپوری نے مسلم کو بخاری پر شرائط صحت کے علاوہ اور وجہ سے فضیلت دی ہے۔ بات یہ ہے کہ مسلم نے اپنی کتاب شہر میں رہ کر اپنے اصول (لکھے ہوئے نسخے) سامنے رکھ کر بہت سے مشائخ کی حیات میں تصنیف فرمائی ہے اسلئے الفاظ حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط کرسکے اور ان کے پیش نظر بخاری کی طرح احکام کا استنباط نہیں تھا۔ اسلئے تمام طرق کو اکٹھا جمع کردیا اور صرف مرفوع احادیث پر اکتفاء کیا

---

[1] حافظ نے نکت میں نووی کے ساتھ قاضی بدر بن جماعہ اور تاج الدین تبریزی کا بھی نام لیا ہے کہ انھوں نے بھی ابو علی کیطرف یہ بات منسوب کی ہے اور پھر ایک جماعت نے انکا اتباع کیا ہے (النکت علی ابن الصلاح ص۲۹۴)

موقوفات کی طرف توجہ نہیں سوائے چند جگہوں کے وہ بھی تبعًا نہ کہ مقصودًا۔ بخاری کا مقصد احکام کا استنباط تھا اسلئے ابواب قائم کئے اور احادیث کو ٹکڑے کیا۔ ابو علی نے اس لحاظ سے مسلم کو ترجیح دی۔ بعض ائمہ کو میں نے دیکھا وہ یہ کہتے تھے کہ ہوسکتا ہے ابو علی نے صحیح بخاری نہ دیکھی ہو لیکن میں اس کو بعید سمجھتا ہوں اقرب بات وہ ہے جو میں نے ذکر کی اور اگر ابو علی اس کی تصریح کر دیتے کہ بخاری پر مسلم کو صحت کے لحاظ سے فوقیت ہے تو انکی بات دلائلِ مذکورہ سے رد کر دی جاتی۔ (ھدی ص۱۲)

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ یہ فرماتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے سند متصل کے ساتھ ابن مندہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ سمعت ابا علی النیسابوری یقول ومارأیت احفظ منہ۔ ماتحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم (تذکرۃ الحفاظ تذکرہ ابو علی حسین بن علی نیشاپوری) اور ابن مندہ نے جس طرح ان کا قول نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے وہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور مسلم کی اصحیت کا قول جس طرح صراحۃً ابو علی نشاپوری سے منقول ہے متقدمین میں سے کسی سے ____ صحیح بخاری کی اصحیت کا قول ایسی صراحت سے منقول نہیں ہاں نسائی کا ضرور ہے لیکن وہ اصحیت میں نص نہیں اجود کے لفظ سے ہوسکتا ہے جودتِ مضامین مراد ہو اگرچہ حافظ نے جودتِ اسناد ہی کو مراد لیا ہے لیکن جب احتمال دونوں کا ہے تو اصحیت میں یہ لفظ نص نہیں ہوا یہ بھی خیال میں رہے کہ نسائی نے صحیح بخاری کے کئی رواۃ کو کتاب الضعفاء والمتروکین میں داخل کیا ہے اور حدیث ابن عمرؓ کیف بک اذا عمرت بین قوم یخبون رزق سنتہ کو جو حماد بن شاکر کے نسخے میں مروی ہے موضوع بھی کہا ہے۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۱۶)

لیکن متاخرین نے دلائل کی روشنی میں بخاری کی اصحیت کو تسلیم کرلیا ہے اور یہ مسئلہ تقریبًا اتفاقی ہوگیا ہے۔ واللہ اعلم

ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ سے جو الفاظ مولانا نعمانی نے نقل کئے وہی الفاظ حافظ نے

بھی نقل کئے، اس کو مسلم کی اصحیت کے لئے مرجح سمجھنا کیسے صحیح ہوگا جبکہ اس کا صدق اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ ابو علی بخاری و مسلم دونوں کو برابر درجہ کی صحیح کتاب مانتے ہوں۔ تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آسمان کے نیچے مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ فتدبر

صنعانی کا تعقب

البتہ صنعانی نے توضیح الافکار میں حافظ کی تردید کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ ماتحت ادیم السماء اعلم من فلان۔ تو عرفاً اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ فلاں سب سے بڑا عالم ہے کوئی اس کا مساوی نہیں ہاں لغۃً مساوات کا امکان ہے جیسا کہ حافظ نے فرمایا لیکن حقیقتِ عرفیہ خصوصاً مدح ومبالغہ کے موقعہ پر مقدم ہوتی ہے (اسلئے اس کلام کا مطلب یہی لیا جائے گا کہ ابو علی مسلم کو بخاری سے اصح مانتے ہیں) (حاشیہ النکت ص۲۹۴)

ایک تنبیہ

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بخاری کی اصحیت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر حدیث مسلم کی ہر حدیث سے راجح ہے بلکہ یہ اصحیت مجموعہ کے لحاظ سے ہے جیسا کہ زرکشی وغیرہ محققین نے اس کی تصریح کی ہے اسی طرح صحیحین کی اصحیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ مجموعہ کو مجموعہ پر فضیلت ہے اس لئے ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث صرف مسلم میں آئی ہو لیکن متعدد طرق سے مروی ہو تو اس کو بخاری کی مفرد حدیث پر فضیلت ہو ایسے ہی کوئی حدیث صحیح ہے جو صحیحین میں نہیں آئی لیکن اس کی سند اصح الاسانید میں سے ہو تو اس کو صرف بخاری یا صرف مسلم کی حدیث پر فضیلت ہوگی خصوصاً جبکہ بخاری یا مسلم کی روایت میں کوئی متکلم فیہ راوی بھی ہو۔ (دیکھئے مقدمۂ فتح الملہم ص۹۵ و ص۱۰۷ و شرح نخبہ ص۳۲)

ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ مسند امام احمد میں بہت سی سندیں اور متون ایسے ہیں جو بہت سی احادیثِ مسلم بلکہ احادیثِ بخاری کے مساوی ہیں اور یہ حدیثیں نہ صحیحین میں ہیں نہ سنن اربعہ میں (الباعث الحثیث ص۲۵) اس سے ابن الہمام کی اُس بات کی تائید ہوتی ہے جو گذری کہ غیر صحیحین کی صحیح احادیث صحیحین کی احادیث کے مساوی ہوسکتی ہیں۔ ابنِ ماجہ میں

کئی حدیثیں صحیح بخاری کی حدیثوں سے اصح ہیں (دیکھئے ابن ماجہ اور علم حدیث ص۲۴۲)

بعض مغاربہ کون ہیں

مشائخ مغرب میں سے کسی سے صحت کی قید کے ساتھ بخاری کی مسلم پر فضیلت منقول نہیں ہے ہاں مطلقا مروی ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے۔ الالماع۔ میں ابومروان طُبنی سے نقل کیا کہ ان کے بعض مشائخ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت دیتے تھے۔ میں نے اس تفضیل کی تفسیر بعض مغاربہ سے پائی۔ ابومحمد قاسم بن قاسم تجیبی کی فہرست میں میں نے پڑھا کہ ابومحمد بن حزم مسلم کی کتاب کو بخاری کی کتاب پر فضیلت دیتے تھے اس لئے کہ مسلم میں خطبہ کے بعد صرف حدیثیں ہیں اھ میرا خیال یہ ہے کہ یہ ابن حزم ابومروان طبنی کے شیخ ہیں جن کو قاضی عیاض نے مبہم ذکر کیا۔ ہو سکتا ہے کوئی دوسرے ہوں لیکن دونوں کے قول کا مطلب ایک ہی ہوگا۔

اسی طرح کا قول دار قطنی کے معاصر مسلمہ بن قاسم قرطبی کا ہے۔ انھوں نے صحیح مسلم کے تذکرہ میں فرمایا لم یضع احد مثلها اس جیسی کتاب کسی نے نہیں لکھی۔ اس کا بھی مطلب یہ ہے کہ حسن وضع اور ترتیب کی عمدگی میں۔ میں نے بہت سے مغاربہ کو دیکھا جیسے عبدالحق کہ وہ احکام کی کتابوں میں سند کو حذف کر کے حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور اس میں وہ مسلم پر اعتماد کرتے ہیں۔ بخاری پر نہیں اسلئے کہ مسلم میں متون تام مل جاتے ہیں بخاری اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا تعلق صحت سے نہیں (ہدی ص۱۳)

حافظ فرماتے ہیں۔ اگر صحیح مسلم کو یہ فضیلت حاصل ہے تو اس کے مقابلہ میں بخاری شریف کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس کے پڑھنے سے پریشانی دور ہوتی ہے اور کشتی کے سفر میں ساتھ رکھنے سے وہ غرق نہیں ہوتی جیسا کہ ابن ابی جمرہ نے اہل فضل سے نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ مستجاب الدعوات تھے انھوں نے اس کے قاری کے لئے دعا کی ہے۔ اسی طرح بخاری کے تراجم کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس کی تحویل وتبییض بخاری

نے قبر نبوی اور منبر نبوی کے درمیان کی ہے اور ہر ترجمہ کے لئے دو رکعتیں پڑھتے تھے اسی لئے یہ تراجم محیر العقول واقع ہوئے ہیں جن میں لوگوں کی فکریں اور نظریں حیران ہیں۔ (ہدی ص۱۱)

دار قطنی کے قول پر تبصرہ

دار قطنی کا مذکورہ قول کہ مسلم نے کیا کیا؟ بخاری کی کتاب کا کچھ اضافہ کے ساتھ استخراج کر دیا۔ اھ امام مسلم کی شان میں غیر مہذب اور ناشائستہ معلوم ہوتا ہے۔

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی فرماتے ہیں۔ کہ حافظ چونکہ بخاری کی عقیدت میں ڈوبے ہوئے ہیں اسلئے اس پر کچھ نہیں فرمایا ابو احمد حاکم نیشاپوری مذکور متوفی ۳۷۸ھ جو حاکم کبیر سے مشہور ہیں جن کا قول اوپر ذکر ہو چکا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام مسلم نے جو تاریخ لکھی ہے وہ بھی امام بخاری کی تاریخ سے قدم بہ قدم منقول ہے تھوڑا سا اضافہ کیا ہے جو بآسانی شمار ہو سکتا ہے اور نقل کرنے میں بڑی جرأت دکھائی ہے کہ اس کے قائل کی طرف اس کو منسوب بھی نہیں کیا ہے۔ ان صاحب نے صرف امام مسلم ہی پر یہ الزام نہیں لگایا بلکہ ابو حاتم رازی اور ابو زرعہ رازی جیسے عظیم محدثین پر بھی یہی الزام لگایا ہے۔ دیکھئے طبقات الشافعیہ الکبری لتاج الدین السبکی۔ حالانکہ ابو حاتم رازی نے امام بخاری کی تاریخ پر تنقید کر کے بہت سے غلطیاں نکالی ہیں۔

لطف یہ ہے کہ بعض لوگوں نے امام بخاری پر بھی یہی الزام لگایا ہے کہ انھوں نے علی ابن مدینی کی کتاب العلل جب کہ وہ کہیں گئے ہوئے تھے ان کے بیٹے سے مال کا لالچ دے کر حاصل کر لی اور کاتبوں سے نقل کروا لیا علی بن مدینی کو جب اس کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور اسی رنج میں ان کا انتقال بھی ہوا۔ بخاری کو اس کتاب کے بعد علی بن مدینی کی ضرورت نہیں رہی۔ خراسان چلے گئے اور اپنی صحیح مرتب فرمائی۔

اس پر حافظ صاحب یہ کہنے لگے کہ یہ حکایت بالکل غلط ہے اور تفصیل سے اس کی تردید کی۔ لیکن امام مسلم کے متعلق اسی طرح کی بات بغیر ردو قدح کے ذکر کر دی بلکہ اس

سے استدلال بھی کر لیا۔

صحیح بات یہ ہے کہ کسی نے کسی کی کتاب نہیں لی نہ اس کو نقل کیا بلکہ یہ سب ائمہ معاصر تھے ان کے اساتذہ بہت سے مشترک تھے اسلئے باتیں اور علم بھی یکساں تھا۔ معلومات مشابہ تھیں ہاں یہ صحیح ہے کہ ہر متاخر نے متقدم کی کتاب سے استفادہ کیا تھا اس طرح ہر متقدم کو متاخر پر فضیلت حاصل تھی۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۹۵ تا ص۹۷)

بخاری کی تفصیلی فضیلت مسلم پر

اس سے پہلے بخاری کی تفضیل و تقدیم پر حافظ صاحب کا جو کلام گذرا وہ اجمالی فضیلت ثابت کرتا ہے پھر حافظ نے تفصیلی طور پر بخاری کی فضیلت پر گفتگو فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔
اگر تفصیلاً بخاری کی اصحیت معلوم کرنی ہو تو یوں سمجھئے کہ چھ وجوہ سے بخاری کو مسلم پر اصحیت حاصل ہے۔

۱۔ بخاری میں متکلم فیہ رجال بنسبت مسلم کے کم ہیں۔ بخاری کے رجال ۴۳۰ سے زائد ہیں ان میں کلام صرف اسّی پر ہے۔ مسلم کے کل رجال ۶۲۰ ہیں۔ ان میں سے ۱۶۰ پر کلام ہوا ہے یعنی بخاری کے ۱۸ فیصد اور مسلم کے تقریباً ۲۶ فیصد رجال متکلم فیہ ہیں۔ (بخاری کے رجال ۴۳۵ ہیں۔ نکت ص۲۸۶ و فتح المغیث للسخاوی ص۲۹)

۲۔ صرف بخاری کے متکلم فیہ رجال سے بخاری میں روایتیں کم آئی ہیں۔ صرف عکرمۃ عن ابن عباس ایک ایسی متکلم فیہ سند ہے جس سے روایتیں بخاری میں بہت آئی ہیں، اس کے برخلاف مسلم بہت سے متکلم فیہ رجال سے کثرت سے روایتیں لاتے ہیں جیسے ابو الزبیر مکی عن جابر۔ سہیل عن ابیہ، علاء بن عبد الرحمن عن ابیہ، حماد بن سلمۃ عن ثابت وغیر ذالک۔

۳۔ بخاری نے جن مخصوص متکلم فیہ رواۃ سے روایتیں لی ہیں ان میں اکثر ان کے شیوخ ہیں جن سے وہ ملے ہیں ان کے پاس بیٹھے ہیں ان کے احوال اور احادیث کو جانچا

اور پر لکھا ہے اس کے برخلاف مسلم کے مخصوص متکلم فیہ رواۃ میں اکثر قدیم زمانہ کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ محدث اپنے شیوخ کی حدیثوں کو متقدمین کی حدیثوں کی بنسبت زیادہ جانتا ہے۔

۴۔ بخاری طبقۂ ثانیہ کی حدیثوں کو چھانٹ کر لیتے ہیں جبکہ مسلم ان کی روایتوں کو اصولا (اور استیعاب کے ساتھ) لیتے ہیں جیسا کہ حازمی کے کلام میں گذر چکا۔ یہ وجہیں اتقان سے متعلق تھیں۔

۵۔ اسناد معنعن میں بخاری کے یہاں اتصال کے لئے ایک مرتبہ ملاقات ہونا ضروری ہے۔ اور صحیح میں اس کا التزام بھی کیا ہے۔ جبکہ مسلم کے یہاں صرف معاصرت کافی ہے اگر راوی مدلس نہ ہو ہم اگر مان بھی لیں کہ مسلم کا مذہب صحیح ہے پھر بھی بخاری کے یہاں جو صورت معتبر ہے وہ اتصال کے لئے زیادہ واضح ہے۔

۶۔ صحیحین کی کل منتقد علیہ روایات ۲۱۰ ہیں۔ ان میں صرف بخاری کی ۷۸ اور صرف مسلم کی ۱۰۰ بقیہ ۳۲ دونوں کی مشترک، اور ظاہر ہے کہ جس پر تنقید کم ہو وہ اس سے اولیٰ ہے جس پر تنقید زیادہ ہو (ھدی ص۱۲) اس جگہ حافظ کی عبارت صاف نہیں ہے لکھا ہے اختص منہا باقل من ثمانین و باقی ذالک یختص بمسلم۔ حالانکہ بقیہ میں سے ۳۲ میں بخاری بھی شریک ہیں۔ جیسا کہ حافظ نے تفصیلی جواب کے بعد ص۳۸۳ میں ظاہر کیا ہے۔ حاصل یہ کہ بخاری کی ایک سو دس ۱۱۰ حدیثوں پر کلام ہوا ہے۔ ؎

؎ صنعانی نے حافظ کے اس کلام پر نقد کیا ہے۔ اور کہا ہے رجال کی تین قسمیں ہوئیں۔ اول دونوں کے مشترک رواۃ۔ یہی زیادہ ہیں اس سے بخاری کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ دوم وہ رجال جو صرف بخاری کے ہیں۔ انہی کے لحاظ سے بخاری کو فضیلت حاصل ہے اسلئے کہ یہ صرف مسلم کے رجال سے جو قسم سوم ہیں اعلیٰ ہیں اسلئے کہ ان میں بخاری کے شرائط موجود ہیں ان میں بھی یہ قید لگانی چاہئے کہ وہ متکلم فیہ نہوں۔ (حاشیہ نکت ص۲۸۹)

اس مضمون کو کسی شاعر نے ایک شعر میں بیان کر دیا ہے۔

فَدَعْ غدٌ لجُعفيٍّ وقَافٌ لِمُسْلِمٍ وبَلْ لَهُمَا فاحفظْ وُقِيتَ عن الرَّدَى
(۷۸) (۱۰۰) (۳۲)

(ماینفع الناس ص۵ ومقدمۂ کوکب ص۲۴)

حدیث معنعن میں اتصال کی شرط

غیر مدلّس راوی کی معنعن روایت کب قبول ہوگی اور کب نہیں اس میں اختلاف ہے. اگر راوی اور مروی عنہ میں معاصرت نہیں ہے اور روایت عن عن سے ہو رہی ہے تو اسکو ارسالِ جلی کہتے ہیں یہ روایت انقطاع کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں ہوگی الایہ کہ تابعی کسی قول وفعل کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے یعنی صحابی ساقط ہو تو اس روایت کی قبولیت میں مشہور اختلاف ہے. احناف ومالکیہ کے یہاں قابلِ قبول ہے. امام شافعی اور احمد کے یہاں کچھ شرطوں کے ساتھ مقبول ہے نہ کہ مطلقا.

اور اگر دونوں میں معاصرت ثابت ہے لیکن ملاقات ثابت نہیں تو امام بخاری، علی بن مدینی، ابوبکر صیرفی اور محققین کے یہاں متصل نہیں مانی جائیگی نووی نے کہا کہ یہی اصح ہے. (شرح نووی کا مقدمہ ص۱۱)

اور امام مسلم کے یہاں ایسی سند متصل مانی جائیگی۔ امام مسلم نے اسی کو متقدمین اور متاخرین کا مذہب قرار دیا ہے اور پہلے مذہب کو بعض منتحلی الحدیث کے عنوان سے ذکر کیا ہے جس سے بظاہر مراد امام بخاری ہیں اور زور دار انداز میں اس کی تردید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ قول مخترع اور بدعت ہے جس کا کوئی قائل نہیں۔ (دیکھئے مقدمۂ مسلم مع النووی ص۲۲-۲۱) لیکن بعد کے لوگوں نے عام طور سے بخاری کی تائید کی ہے نووی کا قول گذر چکا کہ وہو الاصح۔ حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں یہ تقریر کی ہے۔

بخاری کی روایات اتصال کے لحاظ سے راجح ہیں اس لئے کہ انھوں نے اتصال کے لئے راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات کو خواہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہو ضروری

قرار دیا ہے جبکہ مسلم نے صرف معاصرت کو کافی سمجھا ہے۔ اور بخاری پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ تب ان کو معنعن روایت بالکل قبول نہیں کرنی چاہیئے (اسلیئے کہ نہ سننے کا احتمال موجود ہے) لیکن یہ بات بخاری پر لازم نہیں آتی اسلیئے کہ جب ایک بار ملاقات ثابت ہوگئی تو نہ سننے کا احتمال جاری کرنے سے راوی کا مدلّس ہونا لازم آئیگا جبکہ یہ اختلاف غیر مدلّس میں فرض کیا گیا ہے (شرح نخبہ صفحہ ۳)

اس کو سمجھنے کے لئے ارسال اور تدلیس کا فرق سمجھنا چاہئے۔ ایک ارسال تو اوپر مذکور ہوا وہ ارسالِ جلی تھا۔ اس میں دونوں میں معاصرت نہیں ہوتی ہے۔ دوسری صورت ارسالِ خفی کی ہے۔ اس میں اور تدلیس میں باریک فرق ہے۔ ارسالِ خفی یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ میں معاصرت معلوم ہے لیکن ملاقات معلوم نہیں۔

تدلیس:۔ معاصرت کے ساتھ ملاقات بھی معلوم ہے پھر بھی کوئی روایت بغیر سنے ایسے صیغہ سے بیان کردے جس میں سننے اور نہ سننے دونوں کا احتمال موجود ہے جیسے عن وغیرہ۔

(شرح نخبہ صفحہ ۵۴ طبع کراچی)

تو اگر کسی راوی کا مدلّس ہونا معلوم ہے تو اس کی معنعن روایت بالاتفاق مردود ہے جبتک سماعت کی تصریح نہ کرے لیکن راوی اگر مدلس نہیں ہے تو بخاری کے یہاں کم ازکم ایک بار ملاقات ضروری ہے ورنہ روایت منقطع سمجھی جائیگی۔ مسلم کے یہاں صرف معاصرت اتصال کے لئے کافی ہے۔

بخاری یہ کہتے ہیں کہ اگر ملاقات نہیں ہے تو احتمال ہے کہ وہ ارسال کررہا ہو یعنی بغیر سنے ہوئے بیان کررہا ہو ہاں ملاقات کے بعد اگر ایسا کرے گا تو اس کو تدلیس کہیں گے نہ کہ ارسال۔ کیونکہ تدلیس میں معاصرت کے ساتھ ملاقات بھی ثابت ہے۔ اگر ملاقات نہیں تو وہ ارسال ہے نہ تدلیس۔ تو ملاقات کے باوجود کوئی روایت بغیر سنے ہوئے بیان کررہا ہے تو وہ تدلیس ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ راوی مدلس نہیں۔ لہٰذا وہ ہماری بحث

سے خارج ہے۔ یہ ہے حاصل بخاری کی تقریر کا۔

امام مسلم کا اعتراض اس پر امام مسلم نے یہ اعتراض کیا کہ ایک دفعہ ملاقات اور سماع سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر حدیث جو صیغۂ محتملہ سے بیان ہو رہی ہے وہ سن ہی کر ہو۔ ہو سکتا ہے کہ راوی کچھ حدیثیں بغیر سنے ہوئے عن وغیرہ سے بیان کر رہا ہو، لہٰذا جہاں روایت عن کے ساتھ آئی وہاں عدم سماع کا احتمال موجود ہے۔ اسلئے کوئی معنعن روایت بخاری کو نہیں قبول کرنی چاہئے۔

محاکمہ مسلم کا اعتراض صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے کہ لقاء نہ ثابت ہونیکی صورت میں جس طرح عدم سماع کا احتمال ہے ایک دفعہ لقاء ثابت ہونے کے بعد بھی وہ احتمال موجود ہے خواہ پہلی صورت میں اس کا نام آپ ارسال رکھئے اور دوسری صورت میں تدلیس کیونکہ اب تک اس راوی کا مدلس ہونا خارج سے معلوم نہیں تھا تو بظاہر غیر مدلس ہے۔ اب کسی خاص روایت میں یہ بحث پیش آئی کہ یہ متصل ہے یا نہیں۔ تو اسے مدلس کا عنعنہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ اس کا مدلس ہونا معلوم نہیں۔ ابھی تک تو وہ غیر مدلس ہی کا عنعنہ ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رح فرماتے ہیں کہ معاصرت ثابت ہو لیکن لقاء وسماع ثابت نہو تو یہ صورت ایک حیثیت سے تدلیس کہلانے کی مستحق ہے کیونکہ معاصرت پائی جاتی ہے اور دوسری حیثیت سے ارسال کہلانے کی مستحق ہے کیونکہ سماع ثابت نہیں۔ مگر ارسال جلی نہیں کیونکہ معاصرت ثابت ہے اور تدلیس بھی نہیں کیونکہ سماع ولقاء ثابت نہیں۔ پھر بھی اس کو بعض نے تدلیس کہا اور بعض نے ارسال حافظ ابن حجر نے اس کا نام ارسال خفی رکھا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ تھوڑا سا تدلیس میں داخل کرو اور تھوڑا سا ارسال میں۔ اگر صرف معاصرت ہے سماع ولقاء ثابت نہو بلکہ عدم کا ثبوت ہو جائے تو اب مرسل ہے کیونکہ دھوکہ نہیں اور اگر معاصرت ثابت ہو اور سماع ثابت نہو اور سماع کی

نفی بھی ثابت نہ ہو تو معاملہ مبہم ہے اس کو تدلیس میں داخل ہونا چاہئے اسلئے کہ تدلیس وارسال میں یہی فرق ہے۔ جہاں دھوکہ ہو وہ تدلیس ہے اور جہاں عدم سماع کا ثبوت ہوگیا وہ ارسال ہے۔ سخاوی وغیرہ نے اس کو بیان کیا ہے۔

اب سمجھئے کہ مسلم کا اعتراض درست ہے کیونکہ بخاری کہتے ہیں کہ بغیر لقاء احتمال ارسال ہے اور لقاء کے بعد تدلیس کا احتمال ہے نہ کہ ارسال کا تو مسلم کہیں گے کہ لقاء کے بعد بھی تدلیس ہے اور لقاء کے عدم ثبوت کی صورت میں بھی وہ تدلیس ہی ہے خواہ آپ اس کو ارسال خفی کہئے یا کچھ اور۔ اسلئے کہ یہ بھی ابہام ہی کی صورت میں عنعنہ ہے اور ارسال میں ابہام نہیں ہوتا والمسئلۃ مفروضۃ فی غیر المدلس (توجیسے لقاء کے بعد مقبول ہے لقاء کے قبل بھی۔ ثقہ ہونیکی وجہ سے حسن ظن رکھتے ہوئے)

رہا مخضرمین کی روایت کا مرسل ہونا نہ کہ مدلّس تو ٹھیک ہے۔ کیونکہ ان کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی تو جب عدم لقاء معلوم ہے تو بات صاف ہے ابہام نہیں لہذا اس کو مرسل ہی کہنا چاہئے نہ کہ مدلّس (تقریر بخاری مولانا عثمانی رحمہ اللہ ص ۱۶-۱۵)

اب رہا یہ سوال کہ بخاری کے یہاں غیر مدلس کے عنعنہ کے مطلقاً صحیح ہونے کیلئے لقاء شرط ہے یا صحیح بخاری میں داخل کرنے کیلئے یہ شرط ہے۔ تو بعض نے پہلی بات کہی بعض نے دوسری حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ صحیح بخاری کیلئے یہ شرط ہے نہ کہ نفسِ صحت حدیث کیلئے۔ (ایضاً)

موطا مالک اور صحیح بخاری

امام شافعیؒ کا مشہور مقولہ ہے۔ مَا اَعْلَمُ فِی الاَرْضِ کِتَاباً فِی العِلْمِ اَکْثَرَ صَوَاباً مِنْ کِتَابِ مَالِکٍ۔

بعض لوگ اَصَحّ مِنْ کِتَابِ مَالِکٍ نقل کرتے ہیں۔ اس مقولہ سے بخاری کی اصحیت مجروح ہوتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اسوقت صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا وجود نہیں تھا اگر یہ کتابیں ہوتیں تو شاید امام شافعیؒ ایسا نہ فرماتے۔ اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ اسوقت جتنی کتابیں

موجود ہیں ان میں موطأ مالک سب سے زیادہ صحیح ہے۔ یہ ابن الصلاح کے جواب کا حاصل ہے۔ اس سے صحیحین کی اہمیت برقرار ہو جاتی ہے۔

حافظ فرماتے ہیں۔ بعض ائمہ کو یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کہ علی الاطلاق بخاری کو موطأ سے اصح کہا جائے اسلئے کہ دونوں ہی میں صحت کو شرط قرار دیا گیا ہے اور تحری و تثبت کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہے۔

لیکن جواب یہ ہے کہ بخاری کی شرطِ صحت کڑی ہے وہ انقطاع کو صحت میں قادح سمجھتے ہیں جبکہ امام مالک سند میں انقطاع کو قادح نہیں سمجھتے اسی لئے مراسیل، منقطعات، اور بلاغات کو اصل موضوعِ کتاب میں ذکر کرتے ہیں۔ بخاری ایسا نہیں کرتے وہ تراجم میں معلقات وغیرہ کو ذکر کرتے ہیں جو اصل موضوعِ کتاب نہیں (ھدی ص۱۰) تراجم بھی بڑا مقصد ہیں ان کو موضوع سے خارج قرار دینا کیسے صحیح ہوگا۔ بخاری کا مقصد استنباطِ مسائل بھی تھا کما مر۔

اس تحقیق پر مولانا نعمانی کا تبصرہ

حافظ کی اس تحقیق پر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی نے (ابن ماجہ اور علم حدیث میں) یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ حافظ کی یہ تقریر اگر دونوں کتابوں کے محض ظاہری تقابل کے اعتبار سے ہے تو بے شک صحیح ہے۔ ورنہ حقیقت کی رو سے موطأ کی تمام مراسیل، منقطعات اور بلاغات متصل مرفوع مسند ہیں۔ اسلئے کہ ابن عبد البر نے بجز چار کے تمام مرسلات، بلاغات اور منقطعات کو بطریق صحیح متصل ثابت کیا ہے او ابن الصلاح نے ان چار کو مستقل ایک تصنیف میں متصل ثابت کیا ہے۔ علامہ صالح فلانی فرماتے ہیں کہ میرے پاس وہ تالیف موجود ہے اور اس پر ابن الصلاح کی تحریر بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ موطأ اور صحیح بخاری میں کوئی فرق نہیں۔ علامہ صالح فلانی کی یہ تحقیق علامہ کتانی نے۔ الرسالۃ المستطرفہ ص۶ میں ذکر کی ہے وہیں سے مولانا نعمانی نے اس کو نقل کیا ہے۔

صاحب فلانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ کے کلام میں نظر ہے اگر وہ موطا میں اسی طرح غور فرماتے جس طرح بخاری میں غور کیا ہے تو ایسا نہ کہتے۔ ان کا یہ کہنا کہ مالک نے بلاغات کو منقطع سنا ہے صحیح نہیں اسلئے کہ وہ یحییٰ کی روایت میں بلاغاً یا مرسلاً ذکر کرتے ہیں لیکن دوسرے تلامذہ اسی کو امام مالک سے موصولاً مسنداً بھی ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح حافظ کا یہ کہنا کہ مالک اور ان کے متبعین کے نزدیک مرسل روایت حجت ہے دوسرے کے یہاں نہیں درست نہیں اسلئے کہ امام شافعی اور محدثین کے نزدیک بھی وہ حجت ہے جبکہ وہ کسی سند سے مؤید ہو جائے جیسا کہ ابن عبدالبر اور سیوطی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اسی طرح عراقی کا یہ کہنا کہ بعض بلاغات مالک معروف نہیں۔ مردود ہے کیونکہ ان سب کا بطریق صحیح موصول ہونا ثابت ہو چکا ہے (ملاحظہ ہو الرسالۃ المستطرفہ ص۶)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے موطا کو حدیث کی تمام کتابوں میں سب سے مقدم اور افضل قرار دیا ہے موطا کی شرح مصفیٰ میں اس کے دلائل ذکر فرمائے ہیں۔

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے موطا کی ترجیح کے مندرجہ ذیل دلائل ذکر فرمائے ہیں۔

۱۔ موطا کی تصنیف کے وقت کبار تابعین کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ صحیحین کو یہ امتیاز حاصل نہیں۔

۲۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک راوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس روایت کو بیان کرے اس کا حافظ بھی ہو۔ شیخین کے نزدیک یہ چیز ضروری نہیں۔

۳۔ امام مالک کے نزدیک کسی بدعتی کی روایت قابل قبول نہیں خواہ کیسا ہی وہ پاکباز اور راستباز ہو جبکہ صحیحین میں ایسے مبتدعین کی روایات موجود ہیں جو ثقہ اور صادق اللہجہ ہیں۔

(حاصل یہ کہ صحیح بخاری کی اصحیت موطا پر تدقیق و تحقیق کے بعد محل نظر ہے) (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۸۰)

مولانا نعمانی کی تحقیق کتاب مذکور میں یہ ہے کہ فنی اور فقہی ترتیب پر جو حدیث کی کتاب سب سے پہلے وجود میں آئی وہ امام ابوحنیفہ کی تالیف۔ کتاب الآثار۔ ہے جس کو ان سے ان کے مختلف تلامذہ روایت کرتے ہیں۔ اس دعوی کے قوی دلائل وشواہد ص۱۵۸ اور اسکے مابعد میں ملاحظہ ہوں۔ امام مالک نے اسی کا اتباع کیا ہے۔ امام سیوطی نے اس کی تصریح کی ہے لکھتے ہیں۔ من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بہا انہ اول من دون علم الشریعۃ ورتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک فی ترتیب الموطا ولم یسبق اباحنیفۃ احد (تبییض الصحیفۃ ص۳۶) امام ابوحنیفہ کے خاص مناقب میں یہ بات ہے کہ انھوں نے سب سے اول علم حدیث کو مدون اور ابواب پر مرتب کیا۔ امام مالک نے موطا کی ترتیب میں اسی کا اتباع کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ پر کسی کو تقدم حاصل نہیں۔

ان دونوں مجموعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو مبنیٔ اول اور صحابہ وتابعین کے فتاوی کو مبنیٔ ثانی قرار دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھئے تو بخاری اور موطا میں میں کوئی فرق نہیں۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۶۹) اس تحقیق سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ یہ مشہور بات کہ موطا حدیث کی پہلی کتاب ہے جو فقہی ترتیب پر وجود میں آئی خلاف واقعہ ہے۔ یہ جملہ امام ابوحنیفہ کی کتاب الآثار پر صادق آتا ہے۔

الیقاظ ساتھ ہی یہ بھی سن لیجئے کہ سند متصل سے یہ بات مروی ہے کہ امام مالک امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۶۱)

سفیان ثوری بھی امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں مجلس درس میں حاضر ہوئے مگر امام صاحب کی فقہ ان کے شاگرد علی بن مسہر سے حاصل کرتے تھے اور ان کی مدد اور مذاکرہ سے اپنی جامع تیار کی تھی۔ یزید بن ہارون نے اس کی تصریح کی ہے۔ کتابوں کے حوالجات اور ثبوت کے لئے دیکھئے۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۸۴)

امام ابوحنیفہ کی روایت امام مالک سے ثابت نہیں دیکھئے اقوم المسالک فی بحث روایۃ مالک عن ابی حنیفۃ وروایۃ ابی حنیفۃ عن مالک للکوثری۔

امام مالک کی فقہ اسد بن فرات تلمیذ امام محمد نے کس طرح مرتب کی اور اس میں امام محمد اور ابوحنیفہ کی کتابوں کو کیا دخل تھا اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی للمحدث الکوثری ص۱۵ وبعدہا

بخاری میں تکرار کیوں

حافظ نے مقدمہ میں مقدسی سے نقل کیا ہے کہ بخاری ایک حدیث کو متعدد جگہ مختلف اسناد سے لاتے ہیں اور باب کے مطابق ہر جگہ اپنے حسنِ استنباط سے بہترین معنی نکالتے ہیں۔ بہت کم جگہ ایک سند اور ایک لفظ سے کوئی حدیث مکرر لاتے ہیں۔ (ہدی ص۱۵)

امام بخاری نے باب التعجیل الی الموقف ص۲۲۶ میں خود فرمایا ہے قال ابو عبداللہ یزاد فی ہذا الباب ہم ہذا الحدیث حدیث مالک عن ابن شہاب ولکنی ارید ان ادخل غیر معاد اھ بخاری کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث کو مکرر نہیں لانا چاہتے پھر بھی بعض جگہوں پر سند اور متن کے ساتھ تکرار موجود ہے۔ ایسی جگہیں حافظ نے شمار کیں تو ۲۱ نکلیں قسطلانی نے ایک کا اضافہ کیا تو ۲۲[1] ہوگئیں۔ قسطلانی نے اپنی شرح کے مقدمہ میں ان سب کو شمار کرادیا ہے۔ حافظ ابن حجر کے قلم سے لکھی ہوئی ایک تحریر ملی تھی اس میں ۲۱ حدیثیں درج تھیں اس کا بھی تذکرہ کیا ہے (مقدمۂ قسطلانی ص۳۰-۲۹) ورنہ مقدمۂ فتح میں حافظ نے صرف اتنا لکھا تھا وَاِنْ کَانَ قَدْ وَقَعَ لَہٗ مِنْ ذٰلِکَ شَیٌٔ فَعَنْ غَیْرِ قَصْدٍ (ھدی ص۱۷) اگرچہ

---

[1] حضرت شیخ زکریاؒ نے لامع کے مقدمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مولانا یونس صاحب مدرس حدیث مدرسہ مظاہر علوم نے ۲۰ کا اضافہ کیا ہے اور رسالہ کا نام ارشاد القاصد الی ما تکرر فی البخاری باسناد واحد رکھا ہے (مقدمہ لامع ص۳۱) شاید ان جگہوں میں سند تو ایک ہوگی لیکن متن میں کمی زیادتی کا فرق ہوگا۔ اس کو شراح تکرار نہیں کہتے۔

بلا قصد چند جگہوں پر سند و متن کے ساتھ تکرار ہو گئی ہے وھو قلیل جداً (ایضاً) اور وہ بہت قلیل ہیں۔ ہاں سند یا متن کے فرق کے ساتھ تکرار بہت ہے لیکن وہ فائدہ سے خالی نہیں۔

مقدسی نے تکرار کی آٹھ وجوہ بیان کی ہیں۔

۱۔ ایک صحابی سے ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد دوسرے صحابی سے وہی حدیث ذکر کرتے ہیں تاکہ غرابت ختم ہو جائے اسی طرح نیچے کے طبقات میں بھی کرتے ہیں ..... اپنے مشائخ تک۔

۲۔ اسی متابعت اور تائید کے قاعدے سے بخاری نے کئی احادیث کی تصحیح کی ہے ہر حدیث مختلف معانی پر مشتمل ہوتی ہے اسلئے اس کو مختلف ابواب میں مختلف طرق سے لاتے ہیں۔

۳۔ ایک حدیث کو بعض راوی مختصر کرتے ہیں اور بعض مکمل لاتے ہیں بخاری ہر ایک کی روایت کو اسی کے طریقہ پر ذکر کرتے ہیں تاکہ راوی سے شبہہ کو دور کریں۔

۴۔ راویوں کی عبارتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کسی کی روایت میں کوئی کلمہ ہے جو ایک معنی کا احتمال رکھتا ہے اسی روایت کو دوسرا راوی ایسے کلمہ سے تعبیر کرتا ہے جس میں دوسرے معنی کا احتمال ہے تو بخاری اس کے متعدد طرق ذکر کرتے ہیں اور ہر لفظ پر الگ باب قائم کرتے ہیں۔

۵۔ روایت میں اتصال و ارسال کا اختلاف ہوتا ہے اور اتصال راجح ہوتا ہے پھر بھی ارسال والی روایت ذکر کرتے ہیں تاکہ بتا دیں کہ یہ ارسال والی روایت وصل کے رجحان میں کوئی خلل نہیں پیدا کرتی۔

۶۔ اسی طرح وقف و رفع کے اختلاف میں بھی۔

۷۔ کسی حدیث کے بعض طرق میں کسی راوی کا اضافہ ہے اور بخاری کی تحقیق یہ ہے کہ روایت دونوں طرح ثابت ہے اس شیخ کے واسطہ سے بھی

اور بغیر واسطہ کے بھی تو دونوں کو ذکر کر دیتے ہیں (تاکہ بتا دیں کہ یہ مزید فی متصل الاسانید کے قبیل سے ہے)

۸۔ کوئی روایت معنعن مروی ہے لیکن دوسرے طریق سے سماعت کی تصریح ہے تو اس طریق کو بھی ذکر کر دیتے ہیں تاکہ لقاء کا ثبوت ہو جائے۔ (ھدی ص۱۵)

بخاری میں تقطیع کیوں؟

بخاری نے احادیث کے متون کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے اور متون میں اختصار بھی۔ اس کی وجہ مقدسی نے یہ بیان کی ہے کہ متن اگر مختصر ہو یا آپس میں مربوط ہو اور دو چار احکام پر مشتمل ہو تو بخاری اس کا اعادہ کر دیتے ہیں اور کوئی حدیثی فائدہ اس میں بیان کر دیتے ہیں مثلاً دوسرے شیخ سے اس کو روایت کرتے ہیں اور اگر اس کی گنجائش نہ پا سکیں اسلئے کہ اس حدیث کا ایک ہی طریق ہے تو اس میں کچھ تصرف کر دیتے ہیں مثلاً ایک جگہ موصولاً ذکر کرتے ہیں تو دوسری جگہ معلقاً۔ کبھی ایک جگہ مختصر تو دوسری جگہ تام۔ اور اگر متن طویل ہے کئی معانی پر مشتمل ہے اور وہ معانی آپس میں مربوط نہیں بلکہ ہر معنی مستقل ہے تو ہر جملہ کو مستقل باب میں لاتے ہیں تاکہ تطویل نہ ہو کبھی نشاط ہوا تو پوری حدیث ذکر کرتے ہیں اھ حاصل یہ کہ قصداً کسی حدیث کو سند و متن کے اتحاد کے باوجود دوبارہ نہیں لاتے ایسا اگر ہوا ہے تو وہ بلا قصد ہے اور بہت کم جگہ ہے۔

بعض جگہ ایسا ہوا ہے کہ ایک حدیث کو مختصر کیا اور کسی اور جگہ بھی اس کے بقیہ حصہ کو ذکر نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محذوف حصہ صحابی پر موقوف تھا اس کو رفع کا حکم حاصل نہیں تھا۔ جیساکہ ہزیل بن شرجیل کی حدیث عبداللہ بن مسعود سے قَالَ اِنَّ اَھْلَ الْاِسْلَامِ لَا یُسَیِّبُوْنَ وَاِنَّ اَھْلَ الْجَاھِلِیَّۃِ یُسَیِّبُوْنَ الخ (ھدی ص۱۶)

تعدادِ احادیثِ صحیح بخاری

حافظ ابن حجرؒ نے مقدمۂ فتح میں دو جگہ ص۴۶۸ و ص۴۷۴ صحیح بخاری کی احادیث کی تعداد کے بارے گفتگو فرمائی ہے۔ پھر فتح الباری میں بھی دو جگہ ص۱/۸۴ و ص۱۳/۵۴۳ لیکن سب سے پہلے ابن الصلاح اور نووی

کے اقوال ذکر کئے ہیں اور ان کی تردید کی ہے۔

ابن الصلاح کا قول

ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ بخاری کی احادیث کی تعداد تکرار کے ساتھ۔ سات ہزار دو سو پچہتر (۷۲۷۵) ہے اور تکرار کو حذف کر کے چار ہزار (۴۰۰۰)

نووی نے بھی انہی کا اتباع کیا ہے چنانچہ تقریب میں بعینہٖ یہی بات کہی ہے (تقریب مع تدریب الراوی ص۱۰۲) ہاں شرح میں (یعنی شرح بخاری کے مقدمہ میں) مسند کی قید اس میں لگادی اور یوں کہا کہ بخاری میں تمام مسند روایتیں تکرار کے ساتھ (۷۲۷۵) ہیں۔ مسند کی قید سے تعلیقات اور غیر مسند روایتیں خارج ہو گئیں۔ پھر تفصیل کے ساتھ فہرست کی طرح انکو شمار کرایا (ھدی ص۴۶۵) مقدمۂ نووی ص۴۵)

پھر حافظ نے اس کو ذکر کیا اور جہاں جہاں کمی تھی اس کو پورا کیا اس سلسلہ میں حیرت انگیز غلطیاں ان کو ملیں جس پر تعجب کا اظہار کیا اسلئے کہ نووی نے اس کو حموی سے نقل کیا انھوں نے ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی کی کتاب۔ جواب المتعنت۔ سے اور پھر مصنفین اور ناقلین اس کو نقل کرتے رہے ہیں۔ نظم کرنے والے نظم کر رہے ہیں تاکہ اس کا یاد کرنا آسان ہو لیکن کوئی تحقیق نہیں کرتا۔ فیا للعجب

باب باب شمار کرنے کے بعد آخر میں حافظ صاحب نے مجموعہ یوں ذکر کیا۔ کہ معلقات اور متابعات کو الگ کرنے کے بعد تمام احادیث تکرار کے ساتھ سات ہزار تین سو ستانوے (۷۳۹۷) ہیں۔[۱]

پھر معلقات اور متابعات کو شمار کرنے کے بعد مجموعہ بتایا کہ کتاب میں تمام معلقات

---

[۱] واضح رہے کہ اس موقعہ پر تدریب الراوی میں ایک غلطی ہے وہ یہ کہ سات ہزار کے بجائے اس میں چھ ہزار مذکور ہے۔ فبلغت بالمکررۃ سوی المعلقات والمتابعات ستۃ آلاف وثلثمائۃ و سبعۃ وتسعین (تدریب ص۱۰۳)

ایک ہزار تین سو اکتالیس (۱۳۴۱) اور متابعات نیز اختلاف روایات پر تنبیہ ملا کر تین سو اکتالیس (۳۴۱)

اب سب کو جمع کر لیا جائے اس طرح

موصولات	۷۳۹۷
معلقات	۱۳۴۱
متابعات وغیرہ	۳۴۱
	۹۰۷۹

تو مجموعہ ۹ ہزار اناسی بنتا ہے۔

لیکن آخر میں حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ تمام حدیثیں جو کتاب میں ہیں تکرار کے ساتھ تسعۃ آلاف واثنان وثمانون حدیثا (ھدی ص۲۶۹) ۹ ہزار بیاسی ہیں۔ معلوم نہیں تین کا اضافہ کس طرح ہوگیا۔ مقدمۂ لامع میں شیخ زکریاؒ نے اس کو محلِ نظر بتایا ہے۔ (مقدمۂ لامع ص۱۲۶)

مقدمۂ ارشاد الساری میں قسطلانی نے متابعات اور اختلاف روایات پر تنبیہ کی تعداد تین سو چوالیس (۳۴۴) بتائی ہے وجملۃ ما فیہ من المتابعات والتنبیہ علی اختلاف الروایات ثلثمائۃ واربعۃ[1] واربعون حدیثا (مقدمۂ قسطلانی ص۳۳) اسطرح حساب ٹھیک ہوجاتا ہے اور مجموعی تعداد (۹۰۸۲) نو ہزار بیاسی ہی قرار پاتی ہے۔ اور یہی صحیح ہے چنانچہ حافظ نے فتح الباری کے اخیر میں جو تقریبا ۳۰ تیس سال بعد لکھی ہے یہی تعداد ذکر کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ جامع بخاری کی تمام روایات موصولات ومعلقات ومتابعات تکرار کے ساتھ نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) ہیں اور تمام موصول ومعلق تکرار کو ختم کرکے دو ہزار پانچ سو تیرہ (۲۵۱۳) ہیں۔ ان میں معلق ومتابع ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہیں باقی موصول (فتح الباری ص۵۴۳ ج۱۳) وہ (۲۳۵۳) ہیں۔

مجموعی تعداد ۹۰۸۲ جو بتائی گئی مرفوع روایات کی ہے اس مجموعہ میں موقوفات اور

---

[1] تدریب الراوی ص۱۰۳ میں ۲۸۴ ثلثمائۃ واربعۃ وثمانون چھپا ہوا ہے جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔

مقطوعات وغیرہ داخل نہیں ہیں. حافظ فرماتے ہیں- یہ شمار صحابہ کے موقوفات اور تابعین وغیرہم کے مقطوعات کے سوا ہے. اور میں نے ان تمام کا وصل استیعاب کے ساتھ اپنی کتاب. تعلیق التعلیق میں کیا ہے- یہ تعداد جو میں نے تحقیق کے ساتھ ذکر کی ہے انتہائی تحقیق ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولی ہے- مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے کسی نے اس طرح اسکو بیان کیا ہے لیکن میں بھی سہو وخطا سے معصوم نہیں ہوں- واللہ المستعان (ھدی ص۴۶۹)

ایک اختلاف

ھدی الساری میں حافظ نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں تمام متون موصولہ بغیر تکرار کے تحقیق کے مطابق دو ہزار چھ سو دو (۲۶۰۲)[2] ہیں اور معلق مرفوع جو بخاری میں کسی جگہ بھی موصولاً مذکور نہیں ایک سو انسٹھ (۱۵۹) ہیں. تو تمام دو ہزار سات سو اکسٹھ (۲۷۶۱) ہو گئیں. اس عدد میں اور ابن الصلاح وغیرہ کی بیان کی ہوئی تعداد میں بہت فرق ہے (ھدی ص۴۷۷) ابن الصلاح وغیرہ نے تکرار کو ختم کر کے چار ہزار کی تعداد بتائی تھی. فتح الباری جلد اول میں ہے کہ بخاری کی حدیثوں کا شمار تحقیق کے مطابق دو ہزار پانچ سو تیرہ (۲۵۱۳) ہے جیساکہ مقدمہ میں میں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے (فتح ص۸۴) لیکن مقدمہ میں ۲۵۱۳ کی تعداد نہیں مذکور ہے (فیما اعلم) اب اگر سوال ہو کہ تکرار کو ختم کر کے بخاری کی (مرفوع) حدیثوں کی تعداد کیا ہے؟ تو ھدی الساری ص۴۷۷ کی عبارت سے جواب ہو گا کہ تمام مرفوع روایتیں موصول و معلق کو ملا کر (۲۷۶۱) دو ہزار سات سو اکسٹھ۔

اور فتح الباری جلد اول ص۸۴ سے جواب نکلتا ہے (۲۵۱۳) دو ہزار پانچ سو تیرہ

---

[1] یہ کتاب ابھی جلد ہی تحقیق کے ساتھ چھپی ہے، محقق نے اسکا نام تغلیق التعلیق پہلے میں غین معجمہ کے ساتھ بتایا ہے۔

[2] بعض نسخوں میں یہاں (۲۴۶۴) مذکور ہے اور مجموعہ (۲۶۲۳) یہ حساب بھی صحیح ہے۔

۲۴۶۴ + ۱۵۹ = ۲۶۲۳

اور فتح ص ۵۴۳/۱۲ سے بھی یہی تعداد معلوم ہوتی ہے

ایک اور اختلاف اگر سوال ہو کہ صرف موصول روایات، بخاری میں تکرار کو ختم کر کے کتنی ہیں؟ تو اس کے جواب میں بھی اختلاف ہوگا۔

مقدمہ سے جواب ہوگا (۲۶۰۲)[۱] (ھدی ص ۴۷۷)

اور فتح الباری " " ۲۳۵۳ (فتح ص ۵۴۳/۱۲)

ایک اور اختلاف اگر سوال ہو کہ معلق مرفوع روایات بغیر تکرار کے کتنی ہیں۔ تو اس کا جواب بھی مختلف ہوگا۔

مقدمہ ص ۴۷۷ سے جواب ہوگا ۱۵۹[۱] اور مقدمہ ص ۴۶۹ سے جواب ہوگا ۱۶۰ اور فتح ص ۵۴۳/۱۲ سے بھی جواب ہوگا ۱۶۰ واللہ اعلم

تمام آثار جو صحابہ یا بعد کے لوگوں پر موقوف ہیں ان کی تعداد ایک ہزار چھ سو آٹھ (۱۶۰۸) ہے (فتح ص ۵۴۳/۱۲)

کتب اور ابواب صحیح بخاری میں کل۔ کتاب کے عنوان۔ ایک سو سے زیادہ ہیں اور کل۔ باب کے عنوان۔ تین ہزار چار سو پچاس (۳۴۵۰) ہیں تھوڑے اختلاف کے ساتھ (مقدمۂ قسطلانی ص ۳۳)

احادیثِ بخاری کل مرفوع متصل غیر متصل موقوف مقطوع وغیرہ۔ ۱۶۰۸+۹۰۸۲ = ۱۰۶۹۰ ہیں تکرار کے ساتھ اور کل احادیث مرفوع موقوف مقطوع وغیرہ بغیر تکرار کے

۲۵۱۳ + ۱۶۰۸ = ۴۱۲۱ ہیں یا ۴۳۶۹ - ۲۷۶۱ + ۱۶۰۸ = ۴۳۶۹

کیا صحیحین کی احادیث مفیدِ یقین ہیں؟ صحیحین کی احادیث کے مفید یقین ہونے نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے دونوں

---

[۱] وکذا فی فتح المغیث للسخاوی ص ۲۴/۲ ونقلہ شیخ الاسلام زکریا فی شرح الفیۃ العراقی (حاشیۂ تدریب ص ۱۰۳/۱)

طرف علماء محققین ہیں۔ ابن الصلاح متوفی ۶۴۲ ھ نے اپنے مقدمۂ علم حدیث میں یہ دعوی کیا کہ صحیحین کی متفق علیہ احادیث کی صحت یقینی ہے اور اس سے علم نظری حاصل ہوتا ہے لیکن کچھ لوگ اس کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے۔ امت نے اسکو اسلئے قبول کیا کہ ظن پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور ظن خطأ بھی کرتا ہے۔ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ میں بھی پہلے اسی کا قائل تھا لیکن بعد میں یہ ظاہر ہوا کہ پہلا ہی قول صحیح ہے اسلئے کہ امت معصوم عن الخطأ ہے اور معصوم کا ظن خطأ نہیں کرتا اسی لئے جو اجماع اجتہاد کی بنار پر ہوتا ہے وہ قطعی ہوتا ہے اکثر اجماعات ایسے ہی ہیں۔ یہ بہترین نکتہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف مسلم یا بخاری کی روایات بھی ایسی ہی ہوں گی۔ ہاں اس سے وہ روایات مستثنیٰ ہوں گی جن پر دارقطنی نے تنقید کی ہے۔ (مقدمۂ ابن الصلاح ص۱۴ طبع ملتان)

امام نووی متوفی ۶۷۶ ھ نے تقریب (ص۱۳۲ مع التدریب) میں ابن الصلاح کے قول کو ذکر فرما کر فرمایا خالفہ المحققون والاکثرون فقالوا یفید الظن مالم یتواتر۔ محققین اور اکثر علماء نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ مفید ظن ہیں جب تک متواتر نہ ہوں (مقدمۂ شرح بخاری ص۴۰ میں بھی نووی نے یہی فرمایا ہے۔)

شرح مسلم میں اس کی وجہ بیان فرمائی کہ یہی آحاد کا حال ہے اس میں صحیحین اور غیر صحیحین میں کوئی فرق نہیں اتنا فرق ہے کہ صحیحین کی حدیث پر عمل کرنے کے لئے غور کرنے کی ضرورت نہیں غیر صحیحین میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے رہی تلقی بالقبول تو اس سے عمل کا وجوب ثابت ہوا اسی وجوب عمل پر اجماع بھی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا بھی یقینی ہو جائے۔ ابن برہان اور ابن عبد السلام نے بھی ابن الصلاح کے قول کی تردید کی ہے۔ حافظ زین الدین عراقی نے بھی اپنی الفیہ میں نووی کے قول کو محققین کا قول قرار دیا ہے سخاوی نے اسی کو اکثر علماء کا قول قرار دیا ہے۔

(تدریب الراوی ص۱۳۲ و فتح المغیث ص۱۵)

بُلقینی۔ ابن الصلاح کی حمایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نووی اور ابن عبدالسلام وغیرہ کی بات تسلیم نہیں اسلئے کہ بعض حفاظ متاخرین نے ابن الصلاح کی طرح شافعیہ کی ایک جماعت کا قول نقل کیا ہے جیسے ابو اسحق اسفرائینی ابو حامد اسفرائینی، قاضی ابوالطیب، شیخ ابو اسحاق شیرازی، حنفیہ میں سے سرخسی، مالکیہ میں سے قاضی عبدالوہاب، حنابلہ میں سے ابو یعلی، ابوالخطاب ابن الزغوانی، اشعریہ میں سے ابن فورک اور اکثر اہل کلام، تمام محدثین، اکثر سلف، بلکہ ابن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ نے ان حدیثوں کو بھی شامل کرلیا ہے جو شیخین کی شرط پر ہوں۔

حافظ ابن حجرؒ نے یہ تو تسلیم کیا کہ نووی نے جس قول کو اختیار کیا ہے وہ اکثر کا قول ہے لیکن یہ نہیں تسلیم کیا کہ وہی محققین کا قول ہے بلکہ فرمایا کہ محققین نے (یعنی ان میں سے کچھ نے) ابن الصلاح کی بھی موافقت کی ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۳۲/۱) حاصل یہ کہ محققین میں بھی اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں اس مسئلہ پر بہت مناسب کلام کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اختلاف حقیقت میں لفظی ہے۔ جس نے مفید علم کہا اس کی مراد علم سے علم نظری ہے جو استدلال سے حاصل ہوتا ہے اور جس نے انکار کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ علم بدیہی صرف متواتر سے حاصل ہوتا ہے۔ آحاد سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے نہ کہ یقینی۔ لیکن یہ لوگ بھی مانتے ہیں کہ جو اخبار آحاد محتف بالقرائن ہوں وہ ان اخبار سے راجح ہوتی ہیں جو محتف بالقرائن نہ ہوں (اور ترقی کرکے علم کی مفید ہوسکتی ہیں)

پھر محتف بالقرائن کی ایک صورت یہ بیان کی کہ کوئی حدیث متفق علیہ ہو اور حدِ تواتر کو نہ پہنچی ہو اور اس پر تنقید بھی نہ کی گئی ہو اور اُسی جیسی کسی حدیث سے اس کا مفہوم مخالف بھی نہ ہو تو وہ مفیدِ علم ہوگی اور یہاں قرائن یہ ہیں۔ ۱۔ فن حدیث میں شیخین کی جلالتِ شان۔ ۲۔ صحیح اور غیر صحیح کے درمیان فرق کرنے میں ان کا تقدم۔ ۳۔ ان دونوں کی کتابوں کا مقبول ہونا۔ صرف یہ تلقی ہی افادیتِ علم کے حق میں بنسبت کثرتِ طرق کے

زیادہ قوی ہے۔

سوال۔ اگر کوئی کہے کہ لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیحین کی حدیثیں واجب العمل ہیں۔ اس پر اتفاق نہیں کہ اس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے تو

جواب۔ یہ ہوگا کہ لوگوں کا اتفاق تو ہر صحیح حدیث پر وجوب عمل کے بارے میں ہے تو صحیحین کی فضیلت کیا ہوئی جبکہ ان کی فضیلت مسلم ہے۔

لیکن اس جواب پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحیحین کی فضیلت اس طرح ثابت ہے کہ ان کی حدیثیں اصح ہیں اتنا مان لینے سے ان کی فضیلت ثابت ہوگئی (شرح نخبہ ص۲۱) مزیت کی خاطر ان کی حدیثوں کو مفید علم ماننا ضروری نہیں کما ہو ظاہر اسلئے افادیت علم کے لئے جو تقریر حافظ صاحب نے کی تھی وہ بیکار ہوگئی اور مقصود حاصل نہیں ہوا۔

حاصل یہ کہ حافظ نے ابن الصلاح کی تائید کی اسی طرح ابن کثیر اور سیوطی نے بھی۔ لیکن جو دلیل پیش کی گئی وہ تام نہیں جیسا کہ حافظ کے آخر کلام سے دلیل کا ضعف ظاہر ہوگیا۔ اسی طرح ابن الصلاح کی دلیل بھی قوی نہیں۔

ابن الصلاح کی دلیل کا جواب

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں صحت کے شرائط موجود ہیں یہ مطلب نہیں ہوتا کہ نفس الامر میں وہ قطعی ہے یعنی صحت حدیث سے اس بات کی قطعیت لازم نہیں آتی کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ (ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۷۵ و فتح المغیث للسخاوی ص۲۱)

اب یہ سمجھئے کہ اس بات پر اجماع ہوا ہے کہ صحیحین کی احادیث صحیح ہیں لہٰذا اس اجماع سے صحیحین کی احادیث کی صحت بالمعنی الاصطلاحی المذکور قطعی ہوئی کیونکہ جس بات پر اجماع ہوتا ہے اسی کی قطعیت اجماع سے ثابت ہوتی ہے دوسری کسی چیز کی نہیں لہٰذا اس اجماع سے صحت نفسی ثابت نہیں ہوگی جس سے مضمون اور مفہوم کا قطعی ہونا ثابت ہو۔

امام سیوطی نے ابن الصلاح کی تائید تو کر دی لیکن ابن الصلاح کی اس رائے اور محدثین کی ھذا حدیث صحیح کی تشریح مذکور کے درمیان جو تضاد تھا اس کا کوئی حل ان کو سمجھ میں نہیں آیا اسلئے یہ کہہ کر گذر گئے فَلْيُنظَرْ فِي الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا فَإِنَّهُ عَسِرٌ لَمْ أَرَ مَنْ تَنَبَّهَ لَهُ (تدریب ص ۱۳۴)

حقیقت میں اس مشکل کا کوئی حل ہمارے خیال میں ہے بھی نہیں سوائے اس کے کہ صحیحین کی اصحیت پر اجماع کا صحیح مطلب سمجھا جائے اور صحیح مطلب سمجھنے کے بعد کوئی اشکال ہی نہیں رہے گا لیکن پھر ابن الصلاح کا ساتھ نہیں دیا جاسکے گا۔

پھر یہ بھی سوچئے کہ جس طرح صحیحین کی صحت یا اصحیت پر اجماع ہے اسی طرح ان تمام احادیث کی صحت پر اجماع ہے جو شرائط صحت کی جامع ہوں خواہ صحیحین میں نہ ہوں اور نہ ان کے شرائط پر ہوں، تو کیا ان تمام صحیح احادیث سے علم یقینی حاصل ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی قائل نہیں. تو جب مطلق صحیح اخبارِ آحاد کی صحت پر اور موجبِ عمل ہونے پر اجماع سے ان کا موجبِ علم یقینی ہونا ثابت نہیں ہوتا تو خاص صحیح احادیث یعنی احادیث صحیحین کی صحت پر اجماع ہونے سے ان کا موجبِ علم یقینی ہونا کیسے ثابت ہوگا؟ غور کرنے کا مقام ہے۔

جمع بین الصلاتین بالمدینۃ کی حدیث مسلم[1] میں مذکور ہے سنداً اسکی صحیح ہے لیکن پھر بھی امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس پر کسی کا عمل نہیں۔ دیکھئے حدیث بالمعنی الاصطلاحی صحیح ہے یعنی رواۃ ثقہ ہیں سند میں اتصال ہے شاذ اور معلل نہیں. لیکن اس سے لازم نہیں آیا کہ اس کا مضمون قطعی ہو۔

اسی طرح یہ سمجھئے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قاضی کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہو اور مدعی کی تائید میں دو عادل گواہ گواہی دیدیں تو مدعی کے حق میں فیصلہ کرنا ضروری ہے اس پر اجماع ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قاضی کا فیصلہ بھی قطعی ہو اور نفس الامر کے مطابق بلکہ عین ممکن ہے کہ قاضی سے غلطی ہوجائے جن کو عادل سمجھا ہو وہ عادل نہ ہوں. بالکل اسی طرح یہاں بھی سمجھئے۔

[1] بخاری میں بھی ہے ص ۱/۷۸ ص ۱/۱۵۷

یہی وہ اشکال ہے جس کی وجہ سے حافظ کی دلیل رد ہو گئی جو شرح نخبہ میں انھوں نے پیش کی تھی. پھر یہ بھی سوچئے کہ جو حدیثیں صحیحین میں آنے سے قبل اخبار آحاد یعنی ظنی تھیں وہ صحیحین میں آنے اور تلقی بالقبول حاصل کرنے کے بعد کس طرح موجب یقین ہو جائیں گی۔ صحیحین میں آجانا ہی موجب یقین ہے تو پھر متکلم فیہ احادیث کا استثناء کیوں کیا گیا، کیا ان احادیث کو داخل کرتے وقت شیخین کی علمی شان کچھ کمزور ہو گئی تھی؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں. اگر تلقی بالقبول کو علت قرار دیا جائے تو بھی صحیحین کے ساتھ خاص نہیں. غیر صحیحین کی بہت سی احادیث کو بھی تلقی بالقبول حاصل ہے پھر ان کو بھی موجب علم قرار دینا چاہیئے۔

یہ بھی سوچئے کہ دار قطنی کے آنے سے قبل بھی صحیحین کی حدیثیں موجب علم رہی ہونگی پھر دار قطنی نے کس طرح یہ جرأت کی کہ موجب علم احادیث پر تنقید کر کے ان کے ایجابِ علم کو باطل کر دیا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ دار قطنی کی تمام تنقیدات بجا نہیں ہیں بلکہ اکثر کا حافظ نے تشفی بخش جواب دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان میں کی اکثر احادیث بھی صحیح ہیں اور شیخین کا فیصلہ ہی صحیح ہے پھر تمام کو کیوں مستثنیٰ کر دیا گیا۔ ابن الصلاح نے تو صرف متکلم فیہ احادیث ہی کا استثناء کیا تھا حافظ نے مَالَمْ يَقَعِ التَّخَالُفُ بَيْنَ مَدْلُوْلَيْهِ (شرح نخبہ ص۲۰) کی قید لگا کر ایسی حدیثوں کو بھی مفیدِ علم ہونے سے خارج کر دیا جن کے مفہوم میں مخالفت پائی جاتی ہے. گویا ابن الصلاح وغیرہ نے ایسی حدیثوں کو موجب علم مانا تھا. حافظ نے ان کی افادیت علم سے انکار کر دیا. اس سے بقیہ کی افادیت میں بھی شبہ پیدا ہو گیا۔

یہ تقریر جو میں لکھ رہا ہوں اُس تقریر سے ماخوذ ہے جو علامہ شبیر عثمانی رح نے فتح الملہم کے مقدمہ ص۱۰ میں لکھی ہے اور بہت جاندار ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جمہور اور اکثر لوگوں کا قول ہی اس باب میں صحیح ہے۔ ابن تیمیہ نے بھی ابن الصلاح کی تائید کی ہے بلکہ ان کے اولین مؤیدین میں ہیں اور اس پر دو مقالے بھی لکھے ہیں جیساکہ جزائری نے توجیہ النظر ص۱۲۲ میں ذکر کیا ہے۔ مولانا عثمانی لکھتے ہیں کہ

یہ دقیق نکتہ جو میں نے ابن الصلاح کی دلیل کے جواب میں ذکر کیا ہے اس کی طرف ابن تیمیہ اور ان کے ہم خیال متوجہ نہیں ہوئے ورنہ ایسی بات نہ کرتے۔ تعجب ہے کہ ابن حجر اور سیوطی کو بھی اشکالات پیش آئے اور جواب نہیں دے سکے پھر بھی اپنی رائے پر جمے رہے۔

اظہار حق ان سب کے بعد یہ سمجھئے کہ حافظ نے شرح نخبہ میں جو بات شروع میں کہی تھی وہ کسی درجہ میں صحیح تھی یعنی یہ کہ یہ اختلاف لفظی ہے لیکن اس کا تعلق صحیحین یا غیر صحیحین کے ساتھ نہیں ہے بلکہ بعض اخبار آحاد ایسے شخص کے لئے جو فن حدیث میں تبحر رکھتا ہو۔ حدیثوں کے تمام طرق سے واقف ہو روات کے احوال اس کے سامنے ہوں۔ علل احادیث کا ماہر ہو موجب علم ہیں۔ ایسے شخص کو نظر واستدلال سے علم نظری حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ بات صحیحین کے ساتھ خاص نہیں۔ غیر صحیحین کی احادیث سے بھی ایسا علم حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ نے شرح نخبہ میں بعد میں یہ بات ذکر کی ہے۔ اس طرح کہ محتف بالقرائن کی تین صورتیں ذکر کیں۔ ۱۔ صحیحین کی احادیث۔ ۲۔ حدیث مشہور۔ ۳۔ حدیث مسلسل بالائمۃ الحفاظ المتقنین اور ان کو مثلاً کہہ کر ذکر کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ محتف بالقرائن ہونے کی یہی تین صورتیں نہیں ہیں ان کے سوا بھی ہو سکتی ہیں۔

الحاصل۔ شرح نخبہ کا حافظ کا یہ دعویٰ وقد یقع منہا ما یفید العلم النظری بالقرائن علی المختار، ہم کو تسلیم ہے۔ اور ہم صحیحین کی احادیث کو موجب علم مانتے ہیں لیکن سب کے لئے نہیں متبحر ماہر طرق واسانید کے لئے اور علم بھی نظری استدلالی جو نظر واستدلال سے حاصل ہوگا۔ صرف کسی حدیث کو صحیحین میں دیکھ کر نہیں بلکہ وہ دیکھے گا کہ یہ حدیث کتنے طرق سے مروی ہے صحابہ وتابعین نیز تبع تابعین اور بعد کے لوگ اس کو نقل کرتے آرہے ہیں ان میں کتنے پایہ کے لوگ ہیں۔ اس پر عمل بھی ہوتا آرہا ہے۔ پھر اسکو علم نظری حاصل ہوگا۔ اور یہ بات غیر صحیحین کی حدیث میں بھی پائی جا سکتی ہے۔ شاید اسی لئے ابن الصلاح نے اس کو متفق علیہ کے ساتھ خاص نہیں کیا تھا بلکہ بخاری اور مسلم کی مفرد حدیثوں

میں بھی اس کو جاری کیا تھا اور ان سے قبل ابن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ نے اسکو ان حدیثوں میں بھی جاری کیا تھا جو شیخین کی شرط پر ہوں کما مر (دیکھئے تدریب الراوی ص ۱۳۳)

ابن تیمیہ کا کلام

اس موقعہ پر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کا ایک وقیع کلام ملاحظہ فرمائیے۔ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں۔ تصحیح احادیث میں ائمہ حدیث نے بخاری اور مسلم کی تقلید نہیں کی ہے۔ بلکہ اکثر احادیث صحیحین، شیخین کے وجود کے قبل ہی سے ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح اور مقبول تھیں شیخین کے زمانہ میں بھی رہیں اور شیخین کے بعد بھی۔ جب ائمہ حدیث نے ان کی کتابوں کو دیکھا تو احادیث کی تصحیح میں ان سے اتفاق کیا صرف چند احادیث تقریبًا بیس پر تنقید کی ان میں اکثر مسلم کی ہیں۔ بعض نے ناقد سے موافقت کی اور بعض نے شیخین سے اور صحیح اس میں تفصیل ہے (مقدمۂ فتح الملہم ص ۹۶) یعنی بعض میں ناقد کی بات صحیح ہے اور بعض میں شیخین کی۔

علامہ انور شاہ کا ارشاد

ان سب کے بعد خاتمۃ المحققین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ارشاد سنئے۔ فیض الباری میں ان کی تقریر یہ ہے۔

احادیث صحیحین کے مفید قطع ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور نفی کے قائل ہیں حافظ مفید قطع مانتے ہیں۔ سرخسی ابن تیمیہ اور ابن الصلاح بھی یہی کہتے ہیں یہ اگرچہ تھوڑے لوگ ہیں لیکن انہی کی رائے رائے ہے لیکن حافظ نے تصریح کر دی ہے کہ افادیت قطع نظری ہے جیسے اعجاز قرآن کہ سب کو اس کا پتہ نہیں چلتا بلکہ جس کو علوم عربیت میں کمال حاصل ہو۔ اسی لئے کہا جاتا ہے لم یدر اعجاز القرآن الا الاعرجان۔ قرآن کے اعجاز کو صرف دو لنگڑوں نے جانا۔ (زمخشری۔ جرجانی)

اگر تم کہو کہ صحیحین میں اخبار آحاد بھی ہیں وہ تو مفید ظن ہی ہوں گی۔ تو جواب۔ یہ ہے کہ ہاں اصل کے لحاظ سے مفید ظن ہیں لیکن محتف بالقرائن ہونے اور کثرت طرق کی وجہ سے مفید یقین ہیں اسی لئے یہ بات اہل فن ہی کو حاصل ہو گی جو کھرے کھوٹے میں تمیز

کرسکیں رواۃ کے احوال اور جرح وتعدیل سے واقف ہوں تو ایسے لوگ طرق کی تحقیق کریں گے رجال سند کا حال دیکھیں گے پھر ان کو علم حاصل ہوگا یہیں سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ احادیث قطع امت کے صحیحین پر اجماع کی وجہ سے نہیں[1]۔ بلکہ احوال رواۃ میں غور کرنے کی وجہ سے ہے اصل راز یہ ہے کہ احادیث کی تقسیم قرون ثلٰثہ کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے اسی لئے اتفاق اور عدم اتفاق کا اعتبار اُسی زمانہ کے لحاظ سے ہوگا اگر کوئی خبر واحد بعد کے زمانہ میں مشہور ہو جائے تو اس کی شہرت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک ظنی الاصل چیز بعد میں شہرت کی وجہ سے قطعی نہیں ہو سکتی۔ لہذا امت کا اتفاق صحیحین کی خبروں پر ان کو مفید قطع نہیں بنا سکتا اسلئے کہ اصل میں وہ آحاد ہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ احوال اسناد اور احوال رجال کی جہت سے وہ مفید قطع ہوں یہ اور بات ہے۔ اس کی نظیر صحابہ کا خبر واحد کی بنیاد پر نماز میں پھر جانا ہے وہاں خبر واحد محتف بالقرائن ہونے کی وجہ سے قطعی بن گئی۔ (فیض الباری ص ۴۵)

دیکھئے اس میں شاہ صاحب نے نتیجہ تو تسلیم کر لیا لیکن دلیل وہ نہیں تسلیم کی جو ابن الصلاح نے دی تھی اور نہ وہ جو حافظ صاحب نے اولاً بیان کی تھی اور دلیل کی رو سے یہ بات صحیحین کے ساتھ خاص نہیں رہتی بلکہ خود حافظ صاحب نے ہی اس میں عموم پیدا کیا اور دوسری قسموں کو داخل کر کے بیان کیا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ فتدبروا وکونوا علی بصیرۃ۔

اب ابن الہمام کے اس حقیقت پر مبنی قول کی قدر و قیمت کو پہچانئے۔ کہتے ہیں۔

یہ کہنا (صحیح نہیں بلکہ) تحکم ہے جس میں تقلید جائز نہیں کہ صحیحین کی احادیث (ہر حال میں) ان تمام احادیث پر مقدم ہوں گی جو رجال شیخین سے غیر صحیحین میں مروی ہوں اسی طرح ان احادیث پر بھی جو علی شرط الشیخین ہوں اگرچہ ان کا مخرج بھی امام ہو اھ

---

[1] ابن الصلاح تو اجماع امت ہی کی وجہ سے افادیت قطع کے قائل تھے اور ابن تیمیہ نے ان کی حمایت کی۔ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب ان سے دلیل میں متفق نہیں۔ صرف نتیجے میں ہیں۔ واللہ اعلم۔

ان تمام بحثوں کا مقصد نعوذ باللہ صحیحین کی حیثیت کو گھٹانا اور کم کرنا نہیں. جو ایسا کرتا ہو ہم اس کو بدعتی اور گمراہ سمجھتے ہیں. جیساکہ ہمارے اکابر کا مذہب ہے. بلکہ ہمارا مقصد حدیث کی دوسری کتابوں کی اہمیت کو برقرار رکھنا ہے اس لئے کہ ان میں بھی بہت سی احادیث صحیحین کی طرح ہیں اور بہت سی مطلق صحیح جن پر عمل کرنا امت پر بالاجماع واجب ہے اس لئے صحیحین کی اصحیت اور اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے حق میں کسی غلو اور افراط سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے۔ محبت وعقیدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی احادیث سے ہونی چاہیئے اس حیثیت سے کہ وہ احادیثِ رسول ہیں۔ صحیح اور معتبر سند سے مروی ہیں نہ اس حیثیت سے کہ وہ فلاں کتاب میں مروی ہیں۔ واللہ یقول الحق وہو یھدی السبیل والحمد للہ علی ما وفقنا لہذا۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

صحیح بخاری کی منتقد علیہ روایات

صحیح بخاری کی ایک سو دس (۱۱۰) روایات پر دار قطنی نے اعتراضات کئے ہیں ۳۲ روایات مسلم میں بھی ہیں باقی ۷۸ احادیث صرف بخاری کی ہیں. حافظ نے ان اعتراضات کے جوابات دو طرح سے دیئے ہیں۔ ۱- اجمالاً ۲- تفصیلاً

جواب سے پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ وہی روایات ہیں جن کے بارے میں ابن الصلاح وغیرہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کو اس کتاب کے بقیہ بیشتر حصہ کی طرح تلقی بالقبول نہیں حاصل ہو سکی (اسلئے ان سے علم یقینی نہیں حاصل ہو سکے گا)

حافظ فرماتے ہیں یہ بہترین استثناء ہے۔ پھر فرمایا کہ امام نووی کا کلام ان منتقد علیہ روایات کے بارے میں مختلف ہے۔ مقدمۂ شرح البخاری میں یہ کہا کہ بعض محدثین کے یہ اعتراضات انتہائی ضعیف قواعد پر مبنی ہیں اس لئے ان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے (مقدمۂ نووی لشرح البخاری ص۶۸) حافظ فرماتے ہیں. نووی کی یہ بات صحیح نہیں۔

شرح مسلم کے مقدمہ میں نووی کا کلام یہ ہے. کچھ لوگوں نے بخاری اور مسلم کی بعض احادیث پر اعتراضات کئے ہیں جن میں ان کی شرطیں پورے طور پر موجود نہیں ہیں، دار قطنی نے ایک کتاب لکھی ہے (اس کا نام. کتاب الالزامات والتتبع ہے) ابو مسعود دمشقی نے بھی استدراکات کئے ہیں. ابو علی غسانی نے بھی التقیید کے علل والے حصہ میں کچھ استدراکات کئے ہیں ان کا یا ان میں سے اکثر کا جواب دیا گیا ہے انتہیٰ کلام النووی۔

حافظ فرماتے ہیں یہ بات نووی کی صحیح ہے اسلئے کہ بعض اعتراضات کے جوابات تشفی بخش نہیں ہیں (ھدی ص۳۴۶)

اجمالی جواب

حافظ نے اجمالی جواب یہ دیا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم اپنے زمانہ اور بعد کے زمانہ کے محدثین پر حدیث صحیح اور معلل کے جاننے میں فوقیت رکھتے ہیں یہ بھی متفق علیہ امر ہے کہ علی بن مدینی

اپنے زمانہ کے علل حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے انہی سے بخاری نے اس فن کو لیا ہے حتی کہ فرماتے تھے کہ کسی کے یہاں میں نے اپنے کو صغیر نہیں سمجھا سوائے علی بن مدینی کے اس کے باوجود علی بن مدینی کو جب بخاری کا کوئی قول پہونچتا تو فرماتے کہ ان کے قول کو جانے دو انھوں نے اپنا مثل نہیں دیکھا۔

امام محمد بن یحییٰ ذہلی اپنے زمانہ میں حدیث زہری کی علتوں کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ شیخین نے ان سے استفادہ کیا۔ امام بخاری سے مروی ہے انھوں نے فرمایا۔ میں نے بخاری میں جو حدیث بھی داخل کی استخارہ اور صحت کے تیقن کے بعد۔ امام مسلم نے فرمایا۔ میں نے اپنی صحیح امام ابوزرعہ رازی کو دکھائی انھوں نے جس حدیث میں کوئی علت بتائی اس کو میں نے خارج کر دیا۔ ان اقوال سے معلوم ہوا کہ شیخین نے اپنی صحاح میں صحیح حدیث ہی درج کی ہے۔ تو اگر ناقدین کے اعتراضات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہی لازم آتا ہے کہ ان کا کلام شیخین کی تحقیق کے معارض ہے اب ظاہر ہے کہ جب اس فن میں شیخین کا تقدم تسلیم ہے تو اس اختلافی مقام پر شیخین ہی کی تحقیق قابلِ ترجیح ہو گی۔ (ھدی ص ۳۴۶)

تفصیلی جواب

تفصیلی جواب سے پہلے بھی حافظ نے ایک تقریر کی ہے جس سے جوابات کا خلاصہ نکل آتا ہے ہم اسی تقریر کو بطور خلاصہ یہاں ذکر کرتے ہیں تفصیلی جواب بہت طویل ہے اس کو ھدی الساری ہی میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

احادیث منتقد علیہ کی کل ۶ چھ قسمیں ہیں۔

۱۔ جن میں رجال سند میں کمی اور زیادتی کا اختلاف ہے۔ اگر صحیح میں وہ حدیث زائد رجال کے ساتھ آئی ہے تو ناقد کا ناقص سند کو لیکر اعتراض کرنا صحیح نہیں اسلئے کہ جو ناقص ہے اس میں انقطاع ہے اور منقطع کو لے کر جو ضعیف حدیث ہے صحیح پر اعتراض کیسے صحیح ہوگا اسکی مثال حدیث ۵ ہے۔

اور اگر صحیح میں آئی ہوئی روایت مزید فی متصل الاسانید کے قبیل سے ہے تو بھی کوئی

اعتراض نہیں کہ دونوں روایتیں صحیح ہو سکتی ہیں جیساکہ حدیث نمبر ۲ اور ۸ ہیں۔

اور اگر صحیح میں آئی ہوئی حدیث ناقص سند والی ہے اور اعتراض زائد سند والی کو لیکر کیا گیا ہے تو دیکھا جائیگا کہ وہ زائد راوی صحابی ہیں یا ایسے ثقہ غیر مدلس جن کو مروی عنہ سے یقینی طور پر ملاقات حاصل ہے یا اگر وہ مدلس ہیں تو کسی طریق میں سماعت کی تصریح ثابت ہے اگر ایسا ہے تو ان تمام صورتوں میں اعتراض ساقط ہے۔

ورنہ بظاہر انقطاع ہے۔ اس وقت جواب یہ ہوگا کہ مصنف کے نزدیک اس حدیث کی صحت مجموعی طور پر ثابت ہوئی ہوگی۔ کوئی متابع مل گیا ہوگا یا قرینہ[۱] سے اس کی صحت معلوم ہوئی ہوگی۔ اس کی مثال حدیث نمبر ۲۴ ہے۔

بعض ناقدین نے ایسی روایات پر جرح کی ہے جس میں راوی نے مروی عنہ سے سن کر روایت نہیں کی بلکہ مکاتبت اور اجازت کی بنیاد پر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک[۲] اجازت کی بناء پر روایت کرنا صحیح ہے اسلئے اس پر انقطاع کا الزام لگانا صحیح نہیں۔

---

[۱] اسی طرح یہ سمجھنا چاہیئے کہ ائمہ مجتہدین نے جن روایتوں سے استدلال کیا ہے وہ ان کے نزدیک قابلِ احتجاج ہیں اگرچہ متأخرین کو ان میں کوئی عیب دکھائی دیتا ہو۔ ثقہ عادل تابعین کی مرسل روایتیں امام ابوحنیفہ اور امام مالک اسی لحاظ سے قبول کرتے تھے۔

[۲] اس جواب سے یہ پتہ چلا کہ اسی طرح ان ائمہ مجتہدین پر بھی اعتراض صحیح نہیں جو خود اپنے مسلک کی بناء پر کسی حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں اور بعد کے لوگ اصول کے اختلاف کی وجہ سے اس کو صحیح نہیں سمجھتے۔ یا مجتہد کے نزدیک متابع یا قرینہ کی وجہ سے صحت ثابت ہوگئی اور لوگوں کے نزدیک نہیں ثابت ہوئی۔ یا اس کے پاس تو حدیث صحیح سند کے ساتھ پہنچی متأخرین کے پاس لمبی سند کے ساتھ پہنچی جس میں متکلم فیہ راوی آگئے۔ ان تمام صورتوں میں ائمہ مجتہدین پر اعتراض نہیں ہوگا۔ فتذکرہ وکن علیٰ ذکرٍ فانہ نفیسٌ۔

(دیکھئے مقدمۂ لامع ص۹۲)

۲۔ جن میں رواۃ کا اختلاف بعض سند کے رجال کے تغیر سے ہوتا ہے ایسی صورت میں اگر دونوں کو جمع کرسکتے ہوں بایں طور کہ دونوں حفظ و عدد میں برابر ہوں تو یوں سمجھیں گے کہ راوی کے پاس یہ روایت دونوں طریقوں سے ہے اسکی مثال حدیث نمبر ۴۸ ہے۔

اور اگر جمع ممکن نہ ہو اسلئے کہ اختلاف کرنے والے برابر نہیں ہیں بلکہ حفظ و عدد میں متفاوت ہیں تو مصنف راجح طریق کی تخریج کرتے ہیں اور مرجوح کو یا تو چھوڑ دیتے ہیں یا اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں اس کی مثال حدیث نمبر ۷۱ ہے۔

اسلئے ان تمام صورتوں میں اختلاف موجب اضطراب نہیں ہوگا۔

۳۔ جن میں بعض راویوں نے زیادتی ذکر کی لیکن زیادتی نہ ذکر کرنے والے زیادہ ہیں یا اضبط ہیں تو اس سے بھی کوئی حرج نہیں الا یہ کہ زیادتی ایسی منافی ہو کہ جمع کرنا محال ہو (تو اعتراض ہوگا) اسلئے کہ یہ زیادتی ایک مستقل حدیث کے درجہ میں ہے۔ (لہذا کوئی اعتراض نہیں)

الا یہ کہ دلائل قویہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ زیادتی متن میں بعض راویوں کی طرف سے ہے تو جو اس قسم کی ہوگی وہ موثر ہوگی ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۳۴۔

۴۔ جن میں بعض ضعیف راوی ہیں اور وہ متفرد ہیں۔ اس نوع کی صرف دو حدیثیں ہیں نمبر ۷۴ اور ۲۴ ضعیف راوی ان دو حدیثوں کے سوا میں بھی آئے ہوئے ہیں لیکن وہاں متابع مذکور ہیں اس لئے دار قطنی نے ان کا تذکرہ نہیں کیا صرف ان دو جگہوں کا تذکرہ تفرد سمجھ کر کیا ہے لیکن جواب یہ ہے کہ حدیث نمبر ۷۲ میں ابی بن عباس ابن ابی سہل جو ضعیف ہیں ان کی متابعت ان کے بھائی عبد المہیمن نے کی ہے اور ان کی روایت ترمذی اور ابن ماجہ نے ذکر کی ہے اور حدیث نمبر ۴۲ میں اسماعیل بن ابی اویس جو ضعیف ہیں ان کی متابعت معن بن عیسی نے کی ہے۔ دونوں نے مالک سے یہ روایت بیان کی ہے۔ (ھدی ص ۳۶۳ تا ص ۳۸۹)

۵۔ وہ روایات ہیں جن میں وہم کا حکم لگایا گیا ہے۔ بعض وہم تو عیب پیدا کرتا ہے اور بعض وہم کوئی قدح پیدا نہیں کرتا۔

لہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو

۶۔ وہ روایات جن کے متن میں بعض الفاظ میں تغیر کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ان میں اکثر روایات ایسی ہیں جن میں تطبیق ہو سکتی ہے یا ترجیح۔

دار قطنی وغیرہ نے متن سے متعلق اعتراضات کا استیفار نہیں کیا ہے۔ صرف اسناد سے متعلق اعتراضات کا استیفار کیا ہے۔ متن میں اختلاف کی مثالیں جن سے ائمہ نقد نے تعرض نہیں کیا یہ ہیں۔ جابرؓ کی روایت جمل کے قصہ سے متعلق۔ انہی کی روایت ان کے والد کے دفاءِ دین سے متعلق۔ رافع بن خدیج کی روایت مخابرہ میں۔ ابوہریرہ کی روایت ذوالیدین کے قصہ میں۔ سہل بن سعد کی روایت اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت کے بارے میں۔ انس کی روایت الحمدللہ رب العالمین سے قرارت شروع کرنے کے مسئلہ میں۔ ابن عباس کی روایت اس عورت کے قصہ میں جس نے اپنی ماں یا بہن کی نذر کے متعلق سوال کیا تھا ان سب مقامات کی شرح اپنے مقام پر آئیگی۔

تحقیق و تحریر کے بعد معلوم ہوا کہ کتاب کے اصل موضوع میں بحمداللہ یہ اختلافات قادح نہیں الا النادر (ھدی ص۳۴۸) والنادر کا لمعدوم

صحیح بخاری کے متکلم فیہ رجال

حافظ نے تفصیلاً ان تمام راویوں پر جن پر کوئی جرح کی گئی ہے حروف تہجی کی ترتیب سے بحث کی ہے بحث سے پہلے ایک تقریر کی ہے جس سے جواب کے اصول معلوم ہو جاتے ہیں تفصیل تو ھدی الساری میں دیکھی جائے۔ وہ تقریر مختصراً یہ ہے۔

تفصیل میں جانے سے قبل یہ جان لینا چاہئے کہ صاحب الصحیح کی کسی راوی سے حدیث کی تخریج سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ راوی اس کے نزدیک عادل ضابط اور غیر غافل ہے خصوصاً

لہ لیکن عبدالمہیمن بھی ضعیف ہیں اسلئے کام نہیں بنا۔ حافظ نے نکت میں یہ فرمایا ہے کہ بخاری نے مجموعی قوت کی وجہ سے صحت کا حکم لگایا ہے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ حدیث احکام سے متعلق نہیں ہے۔ (نکت ص۲۱۸)

جبکہ جمہور ائمہ نے صحیحین کو صحیح تسلیم کرلیا ہے۔ یہ بات ان راویوں میں نہیں پائی جاتی جن سے شیخین نے تخریج نہیں کی ہے۔ اس طرح صحیحین کے راویوں کی توثیق پر جمہور کا اتفاق ثابت ہوجاتا ہے۔ یہ ان راویوں کے بارے میں ہے جن سے اصول میں امام بخاری نے روایت لی ہے۔ باقی متابعات وشواہد اور تعلیقات میں جن کی روایتیں لی ہیں ان کے درجات ضبط وغیرہ میں متفاوت ہیں اگرچہ سب صادق ہیں۔

اب اگر صحیحین کے کسی راوی کے بارے میں کسی امام کی جرح پائیں تو چونکہ یہ جرح صاحب الصحیح کی تعدیل کے معارض ہے لہذا یہ جرح قبول نہیں ہوگی جبتک کہ جرح مفسّرنہ ہو۔ کوئی ایسا سبب بیان ہونا چاہیئے جس سے راوی کی عدالت یا مطلق ضبط میں قدح لازم آتی ہو یا کسی خاص حدیث کے ضبط میں قدح لازم آتی ہو۔ کیونکہ جرح کے اسباب مختلف ہیں۔ بعض قادح ہیں بعض نہیں۔

شیخ ابوالحسن مقدسی تو کہا کرتے تھے کہ جس راوی سے صحیح میں تخریج ہوگئی وہ پل سے گذرگیا جَاوَزَ القَنطَرَۃَ یعنی اس میں طعن کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ شیخ ابوالفتح قشیری نے اپنی مختصر میں فرمایا کہ ہمارا یہی اعتقاد ہے ہم یہی کہتے ہیں الّا یہ کہ کوئی کھلی دلیل اور ایسا تسلی بخش بیان ہو جس سے ایسا مضبوط غلبۂ ظن پیدا ہو جو اُس پر غالب آجائے جو صحیحین کی صحت پر اتفاق سے پیدا ہوا ہے جس کا لازمی تقاضا ہے کہ ان کے راویوں کو عادل مانا جائے۔

حافظ فرماتے ہیں۔ تو کسی راوی کے بارے میں جب تک کہ قادح واضح نہو طعن قبول نہیں ہوگا اسلئے کہ اسباب جرح مختلف ہیں اور ان کا مدار پانچ باتوں پر ہے۔ بدعت[۱]، مخالفت[۲] غلطی[۳]، جہالت حال[۴] اور سند میں دعوئے انقطاع[۵] جیسے راوی کا مدلس یا مرسل ہونا۔

۱۔ جہالتِ حال کا الزام صحیح کے کسی راوی پر نہیں لگایا گیا۔

۲۔ رہی غلطی تو بعض راویوں سے کم ہوتی ہے بعض سے زیادہ۔ اگر کسی راوی کو کثیر الغلط کہا گیا تو دیکھا جائیگا کہ یہ روایت کہیں ایسے راوی سے بھی مروی ہے جس پر ایسا الزام نہیں؟

اگر مروی ہے تو معلوم ہوا کہ اصل حدیث پر مصنف نے اعتماد کیا ہے نہ کہ خاص اس طریق پر۔
ہاں اگر دوسرے معتبر راوی سے یہ حدیث نہیں مروی ہے تو پھر اس حدیث کی صحت پر حکم لگانے سے توقف کریں گے لیکن بحمد اللہ صحیح میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے۔

اور اگر راوی قلت غلط سے موصوف ہے جیسے اس کے بارے میں کہا جائے سئی الحفظ[1] یا ۔ لہ اوھام ۔ یا لہ مناکیر اور اس طرح کی عبارتیں تو اس کا حکم بھی ماقبل والی صورت کیطرح ہے لیسے راویوں کی روایات متابعات میں پہلے راویوں کی بنسبت زیادہ پائی جاتی ہیں

۳۔ رہی مخالفت جس سے شذوذ و نکارت پیدا ہوتی ہے تو اگر کسی ضابط و صادق راوی نے کوئی حدیث ذکر کی اور اس سے بڑے حافظ نے یا اسی جیسے کئی حفاظ نے اسکے خلاف روایت ذکر کی اور محدثین کے قواعد سے اس میں تطبیق نہیں ہو سکتی تو اس کا نام شاذ ہے اور کبھی مخالفت بہت سخت ہوتی ہے یا راوی میں حفظ کا ضعف ہوتا ہے تو ایسی صورت میں حدیث کو منکر کہتے ہیں اس طرح کی روایت صحیح میں بہت قلیل ہیں۔

۴۔ رہا دعوئے انقطاع تو بخاری کی شرط معلوم ہے (کہ وہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان صرف معاصرت کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ ایک مرتبہ ملاقات کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں) اسلئے یہ اعتراض ان کے رجال سے مدفوع ہے اس کے باوجود اگر کہیں تدلیس یا ارسال کا الزام ہو تو معنعن روایت کے متعلق تحقیق کی جائیگی اگر سماعت کی تصریح مل جائے تو اعتراض دفع ہو جائیگا ورنہ نہیں۔

۵۔ رہی بدعت ۔ تو بدعتی یا تو بدعت مفسقہ میں مبتلا ہوگا یا بدعت مکفرہ میں۔ بدعت مکفرہ میں یہ ضروری ہے کہ تکفیر اتفاقی طور پر کی گئی ہو جیسا کہ غالی روافض کے بارے میں اتفاق ہے۔

---

[1] سئی الحفظ اس راوی کو کہتے ہیں جس کی غلطیاں صواب کے برابر یا زیادہ ہوں (شرح نخبہ ص۵۵ و ص۵۶) اسلئے غلطی کی قلت کی مثال میں اس کو پیش کرنا موجب اشکال ہے۔ ۱۲ فضل

جن میں بعض اس کے مدعی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ کے اندر یا کسی اور میں الوہیت حلول کر گئی تھی یا یہ کہ حضرت علیؓ قیامت سے قبل لوٹ کر دنیا میں تشریف لائیں گے یا اسی طرح کی اور باتیں۔

ایسے غالی رافض کی روایتیں صحیح میں بالکل نہیں ہیں اور جو بدعت صرف فاسق بناتی ہے جیسے خوارج اور غیر غالی روافض کی بدعتیں ایسے ہی ان کی بدعتیں جو اہل سنت والجماعت سے کھلے طور پر مخالفت کرتے ہیں لیکن کسی تاویل کا سہارا لیتے ہیں جس کی بظاہر گنجائش ہے تو ایسے بدعتیوں کے بارے میں جب کہ وہ کذب سے پرہیز کرتے ہوں اور مروت کے خلاف کام نہ کرتے ہوں اور دیانت وعبادت سے موصوف ہوں اختلاف ہے بعض نے کہا مطلقا مقبول۔ بعض نے کہا مطلقا رد بعض نے تفصیل کی کہ اگر وہ داعی ہے تو اس کی روایت مردود ہے ورنہ مقبول۔ یہی تیسرا مذہب مناسب ہے۔ اس کو ائمہ نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے اس میں بھی تفصیل کی اور کہا کہ غیر داعی کی روایت سے اس کی بدعت کی تزئین نکلتی ہو اور اس کی تحسین ہوتی ہو تو وہ بھی قبول نہیں۔ بعض نے یوں کہا۔ داعی کی روایت سے اس کی بدعت کی تردید ہوتی ہو تو قابلِ قبول ورنہ رد ہے۔

ابو الفتح قشیری نے ایک دوسری تفصیل اختیار کی کہ اگر اس بدعتی کے سوا سے بھی وہ روایت مروی ہے تو بدعتی کی طرف توجہ ہی نہیں کی جائیگی اور اگر اس کا کوئی متابع نہیں بلکہ اسی سے یہ حدیث مروی ہے اور اس کی بدعت سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اوپر کی شرطیں موجود ہیں تو اس کی روایت کو لیں گے تا کہ یہ حدیث اور سنت ہمارے ہاتھ سے چلی نہ جائے۔

تنبیہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کچھ لوگوں نے کچھ راویوں پر عقائد میں اختلاف کی وجہ سے طعن کیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں الا یہ کہ جرح برحق ہو۔ اسی طرح بعض پرہیزگاروں نے بعض ایسے لوگوں پر طعن کر دیا جو امورِ دنیوی میں مشغول ہو گئے حالانکہ وہ اگر صادق اور ضابط تھے تو یہ اعتراض صحیح نہیں اسی طرح دوسرے سے تعلق اور معاصرت

کی وجہ سے جو جرحیں کی گئی ہیں وہ بھی سب غیر معتبر ہیں۔ بعض لوگوں نے اپنے سے بڑے ثقہ اور عالمِ حدیث پر جرح کر دی ہے یہ بھی غیر معتبر ہے۔ (ھدی صـ۳۸۴-۵)

دوسری تنبیہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بعض ایسے راویوں کی روایت بھی ذکر کی ہے جن کی خود اپنی کتاب الضعفاء میں تضعیف کی ہے۔ مثلاً ایوب بن عائذ، ثابت بن محمد، ظہیر بن محمد تیمی، زیاد بن الربیع، سعید بن عُبید اللہ ثقفی، عباد بن راشد، محمد بن یزید، مقسم مولی ابن عباس۔

شاید ایسا اجتہاد میں اختلاف کی وجہ سے ہوا ہوگا۔ یا حدیث ثابت رہی ہوگی اور اس کے کئی طرق رہے ہوں گے بعض ارفع بعض نازل تو نزول اختیار کرنے کے لئے ایسا کیا ہوگا یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے۔ (ماتمس الیہ الحاجۃ صـ۲۱) مثلاً تکرار سے بچنے کے لئے۔ فتح المغیث ۲۵

بخاری کی تعلیقات تعلیق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی روایت کی اسناد کے شروع سے راوی کو حذف کر دیا جائے خواہ ایک یا زیادہ یا تمام کو صحیح بخاری میں تعلیقات دو طرح مذکور ہیں۔ کبھی قال یا اس جیسے صیغۂ جزم کے ساتھ اور کبھی یُذکر یا اس جیسے صیغۂ تمریض کے ساتھ پھر ان تعلیقات کی دو قسمیں ہیں۔ بعض کتاب میں دوسری جگہ موصولاً آ گئی ہوں ان کا شمار موصولات میں ہوگا جن کا تذکرہ ہو چکا۔ دوسری وہ جو کتاب میں کہیں موصولاً مذکور نہیں وہی زیر بحث ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جو تعلیقات صیغۂ جزم کے ساتھ مذکور ہیں وہ معلق عنہ تک صحیح ہوتی ہیں البتہ جن رجال کو بخاری نے ذکر دیا ہے ان میں غور کرنا ہوگا کہ وہ کیسے ہیں چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ بعض ان میں بخاری کی شرط کے مطابق ہیں ان کو اصل کتاب میں اسلئے نہیں ذکر کیا کہ اس کے قائم مقام کو ذکر کر دیا ہوگا اسلئے اس کو سند کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی یا اس لئے کہ تحدیث کے طریقہ پر وہ حدیث اپنے شیخ سے نہیں سنی بلکہ مذاکرہ کے طور پر سنی یا سماعت میں شک ہے یا واسطہ کے ساتھ سنی ہے لیکن اس صورت میں تدلیس کا الزام بخاری پر نہیں لگایا

جاسکتا[۱] اسلئے کہ خطیب وغیرہ نے تصریح کر دی ہے کہ قال کا لفظ سماع پر محمول نہیں ہوتا ہاں کسی کی عادت ہو کہ سماعت کی صورت میں قال سے ذکر کرتا ہو تو اس کا قال کہنا نہ سننے کی صورت میں تدلیس کہلائے گا لیکن بخاری کی ایسی عادت معلوم نہیں اس لئے یہ لفظ سماع اور غیر سماع دونوں کا محتمل رہے گا اس لئے اس کو تدلیس نہیں کہیں گے۔

صیغۂ جزم سے ذکر کی ہوئی بعض روایات جو بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں کبھی بخاری کے سوا کی شرط پر ہوتی ہیں۔ کبھی حسن حجت بننے کے لائق ہوتی ہیں۔ کبھی ضعیف ہوتی ہیں لیکن رجال میں قدح کی وجہ سے نہیں بلکہ معمولی سے انقطاع کی وجہ سے۔ کتاب الطہارۃ میں وقالت عائشۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ۔ ص۴۴ مسلم کی حدیث ہے۔ بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ سنن کی روایت ہے حسن ہے۔ بخاری[۴۲] میں تعلیقاً آئی ہے۔ کتاب الزکوٰۃ میں وقال طاؤس قال معاذ بن جبل لاھل الیمین ائتونی بعرض ثیاب خمیص ا/۲ ص۱۹۴ ضعیف ہے کیونکہ طاؤس کو حضرت معاذ سے سماعت نہیں ہے۔ البتہ طاؤس تک سند صحیح ہے۔

۲- وہ تعلیقات جو صیغۂ تمریض سے مذکور ہیں۔ اس صیغہ سے معلق عنہ تک صحت معلوم

---

[۱] ابن مندہ نے امام بخاری پر یہ الزام لگایا ہے (مقدمۂ انوار الباری ص۴۵) سخاوی کہتے ہیں کہ امام ذہلی سے امام بخاری کو اختلاف ہو گیا تھا اس لئے ان کا نام روایت میں جب آتا ہے تو بخاری کبھی صرف محمد کہتے ہیں کبھی دادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کبھی پردادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد کہتے ہیں اس سے سننے والے کو وہم ہوتا ہے کہ یہ کئی شیوخ ہیں حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ فعل امام بخاری کا تدلیس کے قریب قریب ہے لیکن ضروری نہیں کہ روایت کرنے والے کی نیت بھی ایسی ہی رہی ہو ــــ اہل ورع وتقویٰ کے ــــ بارے میں بہتری گمان رکھنا چاہئے۔

بخاری نے ایسا اسلئے کیا ہوگا تاکہ صاف صاف نام لینے سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خلق قرآن کے مشہور اختلافی مسئلہ میں بخاری نے ذہلی سے موافقت کر لی تھی۔ (فتح المغیث ص۱۸۱)

نہیں ہوتی تحقیق سے معلوم ہوا کہ بعض ان میں صحیح ہیں بعض غیر صحیح۔ جو صحیح ہیں ان میں بہت ہی قلیل بخاری کے شرط کے مطابق ہیں۔ سوال ہوتا ہے کہ جو بخاری کی شرط پر تھیں تو ان کو صیغۂ تمریض سے کیوں ذکر کیا۔ تو جواب یہ ہے کہ بخاری نے ان کو بالمعنی روایت کیا اس لئے صیغہ بدل دیا جیسے ابوسعیدؓ کی رقیہ والی روایت کو کتاب الطب میں یوں ذکر کیا۔ ویذکر عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرقی بفاتحۃ الکتاب ص ۸۵۴/۲ اس لئے کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ رقیہ ثابت نہیں۔ بلکہ ابوسعید خدری کے رقیہ کی تقریر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جو تعلیقات بخاری کی شرط پر نہیں ان میں بعض صحیح ہیں بعض حسن بعض ضعیف فرد لیکن عمل اس کے مطابق ہے اور بعض ایسی ضعیف فرد جن کا کوئی جابر نہیں۔ (یعنی تعامل سے اسکو تائید حاصل نہیں)

صحیح کی مثال

صحیح کی مثال کتاب الصلوۃ میں یہ روایت ہے ویذکر عن عبداللہ بن السائب قال قرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم المومنون فی صلوۃ الصبح حتی اذا جاء ذکر موسی وہارون الخ ص ۱۰۶/۱ یہ مسلم کی حدیث ہے۔

حسن کی مثال

حسن کی مثال بیوع میں یہ تعلیق ہے۔ ویذکر عن عثمان ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا بعت فکل واذا ابتعت فاکتل ص ۲۸۵/۱۔

(رواہ الدارقطنی واحمد)

ضعیف معمول بہ کی مثال

ضعیف کی مثال وصایا کی یہ روایت ہے۔ ویذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قضی بالدین قبل الوصیۃ ص ۳۸۴/۱ رواہ الترمذی موصولا عن الحارث الاعور عن علی حارث ضعیف ہیں لیکن سب کا عمل اسی کے مطابق ہے۔

ضعیف غیر مجبور کی مثال

اس ضعیف کی مثال جس کا کوئی جابر نہیں۔ کتاب الصلوۃ کی یہ تعلیق ہے ویذکر عن ابی ہریرۃؓ رفعہ لایتطوع الامام فی مکانہ ولم یصح ص ۱۱۷/۱ یہ ابوداؤد کی روایت ہے لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے ایسی روایات بخاری میں بہت قلیل ہیں اور ان جیسی روایات میں بخاری خود ہی ضعف کی تصریح

کر دیتے ہیں۔ جیساکہ یہاں بھی لم یصح فرمادیا۔

یہ تعلیق مرفوع کی تمام قسمیں ہیں۔ امام بخاری نے صیغۂ جزم اور صیغۂ تمریض کا جو فرق ملحوظ رکھا ہے یہی محققین کا طریقہ ہے۔ بہت سے فقہاء اور مصنفین نے اس فرق کا لحاظ نہیں کیا ہے یہ بہت بُری بات ہے بیہقی نے اس پر سخت نکیر کی ہے۔ اس کے بعد حافظ نے بیہقی کا کلام ذکر کیا جس کے آخر میں امام بخاری کی تحری اور احتیاط کا ذکر ہے اور یہ کہ بخاری کے قول۔ ما اَدخَلتُ فی الجَامِعِ اِلّا ما صَحّ۔ سے مراد مسند روایات ہیں تعلیقات نہیں اھ کلام البیہقی پھر حافظ فرماتے ہیں کہ اس شرح کی ضرورت نہیں جو بیہقی نے کی ہے اس لئے کہ ہماری بیان کردہ تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ بخاری کی تمام روایات صحیح ہیں بایں معنی کہ مقبول ہیں بالکلیہ مردود کوئی روایت نہیں الا النادر (ھدی ص۱۷تا۱۹) و فی کلام الحافظ نظر ظاہر

تعداد تعلیقات صحیح بخاری میں معلق روایات ایک ہزار تین سو اکتالیس (۱۳۴۱) ہیں (ھدی الساری ص۴۶۹)

موقوفات تعلیقات میں صحابہ اور تابعین وغیرہم پر موقوف جو روایات ہیں ان میں جو صحیح ہیں خواہ شرط پر نہ ہوں ان کو صیغۂ جزم سے ذکر کرتے ہیں اسی طرح ان ضعیف روایات کو بھی جو تعدد طرق یا شہرت کی وجہ سے مؤید ہوگئی ہوں۔

صحابہ و تابعین کے فتاویٰ اور ان کے تفسیری اقوال امام بخاری اختلافی مسائل میں اپنی رائے کی تقویت اور استیناس کے لئے پیش کرتے ہیں اسلئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ تمام موقوفات یا تو مترجم بہ ہیں یا مترجم لہ۔ لیکن تصنیف سے مقصود بالذات احادیث صحیحہ مسندہ ہیں جو مترجم لہ ہیں اور تعلیقات نیز موقوفات بلکہ آیات کریمہ بھی تبعًا و عرضًا مذکور ہیں۔ اس لئے یہ سب مترجم بہ (یعنی ترجمہ) ہیں۔ ہاں یہ بات بھی ہے کہ یہ سب ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں بلکہ احادیث مسندہ سے بھی۔ اس لحاظ سے بعض بعض کے لئے مفسِّر بھی ہیں اور مفسَّر بھی۔ تو ان تعلیقات کو من وجہ مترجم لہ بھی کہہ سکتے ہیں لیکن مقصود بالذات اصول

ہی ہیں (یعنی احادیث موصولہ) اس کو سمجھ لو یہ بہترین چھٹکارا ہے جس سے بہت سے ایسے اعتراضات دفع ہو جاتے ہیں جو مصنف کی ایسی روایات کے لانے سے پیدا ہوتے ہیں۔

(ھدی صـ ۱۹)

صحیح بخاری میں آثار صحابہ وتابعین کی تعداد ایک ہزار چھ سو آٹھ ہے (۱۶۰۸)

(فتح صـ ۵۴۳/۱۳)

فضل الرحمٰن اعظمی

آزادول جنوبی افریقہ

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

دسمبر ۱۹۸۹ء

صحیح بخاری کے ابواب میں ترتیب کی مناسبت

حافظ ابن حجرؒ مقدمۂ فتح میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابوحفص عمر بلقینی نے بخاری کے ابواب میں ترتیب کی مناسبت بیان فرمائی ہے پھر اس کو بیان فرمایا اور درمیان میں اپنی طرف سے بھی کچھ باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اخیر میں یہ بھی فرمایا کہ اس میں عجیب اور لطیف باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ علامہ بلقینی نے فرمایا (حافظ نے بلقینی کے کلام کا خلاصہ ذکر کیا ہے)

(ھدی از ص۴۷۰ تا ص۴۷۳)

امام بخاری نے کیف بدء الوحی سے کتاب شروع کی۔ کتاب بدء الوحی نہیں فرمایا اس لئے کہ بدء الوحی بھی بعض وحی میں سے ہے۔ حافظ فرماتے ہیں۔ باب سے اس عنوان کو خالی رکھا اس لئے کہ آئندہ آنے والا ہر باب اس کی قسم ہے یہ باب ام الابواب ہے اس لئے قسیم نہیں بن سکتا تھا۔ بلقینی نے فرمایا۔ بدء الوحی کو اس لئے مقدم کیا کہ وحی ہی تمام خیرات کا منبع ہے اسی سے شریعتیں وجود میں آئیں۔ پیغمبری، ایمان، علوم سب اسی سے آئے۔ پہلی وحی جو آئی اس میں قراءت، ربوبیت اور خلق انسان کا مضمون تھا اس سے ایمان بھی لازم آیا اس لئے اس کے بعد ایمان وعلوم کو لائے۔ ایمان چونکہ اشرف العلوم ہے اس لئے ایمان کو مقدم کیا پھر علم کو لائے۔ علم کے بعد عمل کا درجہ ہے اور بدنی عمل میں سب سے افضل نماز ہے اور نماز بغیر طہارت کے ہوتی نہیں اس لئے کتاب الطہارۃ قائم فرمایا اس کی اجناس والنواع کو ذکر فرمایا اور یہ بھی کہ کسی کو پانی بھی نہ ملے اور مٹی بھی نہیں تو وہ کیا کرے اس طرح ایسے مسائل ذکر کئے جن میں مرد وعورت برابر ہیں اس کے بعد ایسے مسائل ذکر کئے جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ (جیسے حیض ونفاس کے مسائل)

پھر کتاب الصلوۃ قائم فرما کر اس کی مختلف نوعیں ذکر کیں پھر کتاب الزکوۃ ذکر کی جیسا کہ بُنی الاسلام علی خمس والی حدیث میں یہی ترتیب ہے۔ صوم وحج میں نسخے مختلف ہیں کہ صوم پہلے

ہے یا بعد میں اسی طرح احادیث میں بھی ترتیب کا اختلاف ہے۔ کتاب الحج کے بجائے کتاب المناسک کا عنوان اختیار فرمایا تاکہ عمرہ اور ان دونوں کے متعلقات کو بھی شامل ہو جائے۔ اور جو لوگ حج کو جاتے ہیں اکثر و بیشتر مدینہ منورہ بھی جاتے ہیں اس لئے زیارت مدینہ منورہ اور حرم مدینہ سے متعلق ابواب قائم فرمائے۔

حافظ فرماتے ہیں۔ زکوٰۃ کے بعد حج کو لانے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اعمال خالص بدنی ہوتے ہیں یا خالص مالی یا دونوں سے مرکب اسی لئے پہلے نماز پھر زکوٰۃ پھر حج کو ذکر کیا صوم چونکہ تروک میں سے ہے اگرچہ یہ بھی عمل ہے لیکن عمل النفس ہے اس لئے اس کو سب سے مؤخر کیا۔ اگر بنی الاسلام والی حدیث پر اعتماد ہوتا تو صوم کو مقدم کرتے کیونکہ ابن عمرؓ نے اس (شاگرد) پر اعتراض کیا تھا جس نے روایت میں حج کو مقدم کر دیا۔ اگرچہ دوسرے طریق میں حج کا تقدم بھی مروی ہے لیکن وہ روایت بالمعنی ہے اور راوی کو شاید ابن عمر کی نکیر معلوم نہیں رہی ہوگی۔ واللہ اعلم اھ

یہ تمام تراجم وہ ہیں جن میں حقوق اللہ مذکور ہیں اس کے بعد حقوق العباد کا ذکر ہے کتاب البیوع میں پہلے اعیان کی بیع کا ذکر ہے پھر بیع سلم کا جس میں دین کی بیع ایک مخصوص طریقہ پر ہوتی ہے اس کے بعد بیع قہری یعنی شفعہ کا ذکر ہے جب بیع اختیاری اور قہری کا ذکر ہو چکا تو چونکہ بیع میں کبھی ایک جانب سے عین ہوتا ہے شروع عقد میں یا مجلس عقد میں اور کبھی اس طرح بھی بیع ہوتی ہے کہ دونوں جانب دَین ہوتا ہے جس پر مجلس میں قبضہ ضروری نہیں ہوتا نہ کسی ایک کی تعیین ہی ضروری ہوتی ہے اسی کو حوالہ کہتے ہیں اسلئے حوالہ کو ذکر کیا اور حوالہ میں دین کا ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف انتقال ہوتا ہے اس لئے اس کے بعد کفالت اور ضمان کو ذکر کیا اور ضمان کا مقصد حفاظتِ مال ہے اس لئے اس کے بعد وکالت کو ذکر کیا جس کا مقصد بھی حفاظتِ مال ہے۔ وکالت میں آدمی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اس لئے اس کے بعد ایسے ابواب ذکر کئے جن میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جیسے

کتاب الحرث والمزارعۃ اس سلسلہ میں ارض سے متعلق چیزوں، موات، غرس، شرب وغیرہ کو ذکر کیا ان ابواب میں ارتفاق (فائدہ اٹھانا) کا معنی پایا جاتا ہے اسلئے اس کے بعد کتاب الاستقراض کو ذکر کیا اس لئے کہ اس میں دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا مضمون پایا جاتا ہے پھر یہ مسئلہ ذکر فرمایا کہ غلام اپنے آقا کے مال میں راعی ہے اس لئے بغیر اجازت کے تصرف نہیں کر سکتا اس سے غلاموں کے معاملہ کا علم ہو گیا۔

جب معاملات کا بیان پورا ہوا اور اس میں منازعت کا وقوع بھی ہوتا ہی ہے تو اِشخاص، ملازمت اور التقاط کو ذکر کیا اور التقاط میں ملتقط کا شئی لقطہ پر شرعی امانت کا قبضہ ہوتا ہے اس لئے اس کے بعد ظلم وغصب کو ذکر کیا جس میں ظلماً قبضہ ہوتا ہے پھر کچھ ایسی صورتیں بھی ذکر کیں جن میں بظاہر غصب معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ شرعی حق ہے جیسے پڑوسی کی دیوار میں لکڑی رکھنا، راستہ میں شراب بہانا صحن خانہ میں بیٹھنا، راستہ میں کنواں بنانا۔ اس سلسلہ میں حقوقِ مشترکہ ذکر کئے۔ اشتراک میں کبھی لوٹ بھی واقع ہوتی ہے اس لئے بغیر اجازت نُھبیٰ کا حکم ذکر کیا۔

عام مشترک حکم ذکر کرنے کے بعد خاص مشترک حکم ذکر کیا یعنی کتاب الشرکۃ وغیرہ۔ یہ معاملات چونکہ مخلوق کی مصالح سے متعلق تھے تو اس کے بعد معاملہ کی مصالح سے متعلق چیز یعنی رھن کو ذکر کیا رہن میں فکّ رقبہ کی ضرورت پڑتی ہے جو راہن کی طرف سے تو ضروری ہے مرتہن کی طرف سے بھی جائز ہے اس لئے اس کے بعد اعتاق کو ذکر کیا جس میں رقبہ اور ملک کا فک پایا جاتا ہے جو صرف مالک کی طرف سے پایا جاتا ہے نہ کہ غلام کی طرف سے۔ اعتاق کے ساتھ اس کے متعلقات تدبیر، ولاء، ام ولد، غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور دیگر احکام غلاموں سے متعلق ذکر کئے جیسے کتابت وغیرہ اور کتابت میں چونکہ دینا پایا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ۔ اس لئے اس کے بعد کتاب الہبۃ ذکر کی۔ ساتھ ہی عمریٰ اور رقبیٰ کو بھی ذکر کیا۔ ھبہ میں ملکیت رقبہ کو بغیر عوض کے دوسرے

کی طرف منتقل کیا جاتا ہے اس لئے اس کے بعد عاریت کو ذکر کیا اس لئے کہ اس میں منفعت کو دوسرے کی طرف بغیر عوض کے منتقل کیا جاتا ہے۔

معاملات اور انتقال ملک کے مسائل جب پورے ہو گئے اور اس میں کبھی جھگڑا واقع ہوتا ہے اور اشہاد کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس کے بعد کتاب الشہادۃ ذکر کی گواہی میں کبھی تعارض واقع ہو جاتا ہے اس لئے قرعہ کو ذکر فرمایا۔ جس کی مشکلات کے وقت ضرورت پڑتی ہے۔ اختلاف کی صورت میں کبھی صلح بھی ہوتی ہے کبھی بغیر اختلاف کے بھی ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد کتاب الصلح لائے صلح میں کبھی شرط بھی ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد کتاب الشروط لائے۔ صلح کبھی زندگی میں ہوتی ہے اور کبھی وفات کے بعد اس لئے کتاب الوصیت اور کتاب الوقف لائے۔

جب خالق و مخلوق دونوں کے ساتھ معاملات ختم ہو گئے تو پھر ایسا معاملہ ذکر کیا جس کا تعلق تو خالق کے ساتھ ہے لیکن اس میں ایک طرح کا اکتساب بھی ہے یعنی جہاد اس لئے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوتا ہے اور کفار کی تذلیل بھی ہوتی ہے کیونکہ ان کو قتل کیا جاتا ہے ان کی عورتوں بچوں کو اور ان کے غلاموں کو غلام بنا لیا جاتا ہے۔ پہلے جہاد کی فضیلت بیان کی پھر ایسی بات ذکر کی جس سے یہ بتانا ہے کہ مجاہد کو خود کو شہداء میں شمار کرنا چاہئے چنانچہ باب التحنط عند القتال قائم فرمایا۔ اسی کے قریب جاسوس بھی ہے جو دشمنوں کی خبریں لاتا ہے اس لئے اس کو ذکر کیا۔ جاسوس کو بھی رکوبِ خیل کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے گھوڑے سے متعلق حدیثیں ذکر کیں پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر اور اونٹنی کا تذکرہ فرمایا۔

جہاد تو مردوں کا کام ہے لیکن عورتیں بھی ساتھ ہو جاتی ہیں اس لئے جہاد میں انکے احوال ذکر کئے پھر جہاد سے متعلق کام اور آلاتِ جہاد لڑائی کی ہیئت اور قتال سے قبل کی دعاء وغیرہ کو ذکر فرمایا۔

یہ سب باتیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام بعثت کے آثار میں سے ہیں اس لئے اس کے بعد دعاءُ النبیِ صلی اللہ علیہ وسلم النّاسَ اِلیٰ الاِسلام کا باب ذکر کیا۔ اور امام کے حکم کو حتی المقدور ہی ماننا ضروری ہے اس لئے اس کو ذکر فرمایا جہاد کبھی بغیر مزدوری کے ہوتا ہے اور کبھی اجرت سے اس لئے اس کو ذکر کیا امام کو آگے ہونا چاہیئے اس لئے مبادرت عند الفزع کا باب قائم کیا پھر یہ بھی ہے کہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں اس لئے حَملُ الزّادِ فی الغَزوِ کا باب قائم کیا پھر آدابِ سفر کا باب لائے۔ جہاد سے واپس آنے والوں کے پاس کبھی مالِ غنیمت بھی ہوتا ہے اس لئے فرض خمس کا باب قائم کیا اور کفار سے جو مال لیا جاتا ہے کبھی جنگ سے ہوتا ہے اور کبھی صلح سے اس لئے جزیہ اور ذمیوں کے احوال ذکر کئے پھر ایسے تراجم ذکر کئے جو صلح و عہد اور غداری سے پرہیز سے متعلق ہیں۔ جب تینوں قسم کے معاملات ذکر کر لئے اور یہ سب وحی سے تھے جس کا سلسلہ بدء الوحی سے شروع ہوا تھا تو بدء الخلق کو ذکر کیا۔

حافظ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب الجہاد کے بعد بدء الخلق کو اس لئے ذکر کیا کہ جہاد سے جان جاتی ہے تو یہ بتانا ہے کہ یہ کائنات حادث ہیں اور انجام کار فنا ہونا ہے کسی کو خلود نہیں اھ (اور مترجم بندۂ ناچیز کے ذہن نارسا میں یہ آتا ہے کہ جہاد کے بعد بدء الخلق کو جس میں جنت و جہنم کا ذکر ہے اس لئے ذکر کیا کہ مؤمن مجاہد شہید ہو کر جنت میں جاتا ہے اور کافر مقتول جہنم میں ۱۲ فضل) اور بدء الخلق کی مناسبت سے جنت اور جہنم کو ذکر کیا کیونکہ مخلوق (اعظم) کا مآل انہی دونوں کی طرف ہے۔ جہنم کے ذکر کے بعد ابلیس اور اس کے لشکر کا ذکر خوب مناسبت رکھتا ہے کیونکہ یہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ پھر جنات کا تذکرہ ہے۔ جانوروں کا خلق بھی آدم سے پہلے ہوا ہے اسلئے آدم علیہ السلام کے خلق کا ذکر جنات و دواب کے بعد ہے۔

انبیاء کرام کا تذکرہ اس ترتیب پر ہے جس ترتیب پر ہم (وہ ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے ۱۲ فضل) ان کو مانتے ہیں۔ ذوالقرنین کا بھی ان میں ذکر ہے اس لئے کہ وہ بخاری

کے نزدیک نبی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام سے قبل ہیں اسی لئے ابراہیم علیہ السلام کے بعد (پہلے صحیح ہے ۱۲ فضل) ان کا تذکرہ کیا۔ ایوب علیہ السلام کا تذکرہ یوسف علیہ السلام کے بعد ہے اسلئے کہ یہ دونوں ابتلاء میں مبتلا ہوئے۔ یونس علیہ السلام کے قصہ کے بعد۔ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ کو ذکر کیا اس لئے کہ یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تھا جس سے وہ ابتلاء میں پڑے لیکن انھوں نے صبر کیا اور نجات پا گئے ان لوگوں کو بھی آزمایا گیا بعض نے تو صبر کیا اور نجات پا گئے لیکن بعض دوسرے متعدی ہوئے اس لئے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ سلیمان علیہ السلام کے بعد لقمان کا تذکرہ فرمایا تو اس لئے کہ بخاری کے نزدیک وہ نبی تھے یا اس لئے کہ داؤد علیہ السلام کے متبعین میں تھے۔ مریم کا تذکرہ اس لئے کیا کہ وہ ان کے نزدیک نبیہ تھیں۔ انبیاء کرام کے ذکر کے بعد بنی اسرائیل کے زمانہ کی کچھ عجیب وغریب چیزیں ذکر کیں پھر اس امت سے متعلق فضائل ومناقب ذکر کئے اور یہ کہ اس کے باوجود یہ انبیاء نہیں تھے۔

قریش سے ابتداء کی اس لئے کہ انہی کی زبان میں قرآن نازل ہوا۔ جب اسلم وغفار کا تذکرہ کیا تو قریب ہی حضرت ابوذر کے اسلام کا تذکرہ کیا اس لئے کہ اس قبیلہ میں سب سے قبل وہی مسلمان ہوئے پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی، شمائل اور علاماتِ نبوت بیان فرمائے پھر صحابہ کرام کے۔ سب سے پہلے مسلمان ہونے والے صحابہ مہاجرین وانصار تھے اور مہاجرین ان میں مقدم تھے اس لئے ان کا ذکر پہلے کیا۔ ان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تقدم حاصل تھا اس لئے ان کو مقدم کیا۔ مہاجرین کے بعد انصار کا ذکر ہوا۔ پھر عام صحابہ کا۔ صحابۂ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کیا کیا اس کو ذکر کرنے سے قبل احوال جاہلیت ذکر کئے جس کو بعثت نے ختم کیا تھا پھر مشرکین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو ستایا تھا اس کو ذکر کیا پھر ہجرت الی الحبشہ سے قبل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال پھر ہجرتِ حبشہ اور اسراء وغیرہ کے احوال بیان کئے۔ پھر

مدینہ کی ہجرت پھر مغازی کو اپنے خیال میں صحیح ترتیب پر ذکر کیا۔ عبداللہ بن سلام سے شروع کیا مغازی میں سلامتی سے تفاؤل کے لئے۔ مغازی و سرایا کے بعد وفود اور حجۃ الوداع کو ذکر کیا اس کے بعد مرض وفات اور وفات کو۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اس وقت ہوا جبکہ آپ کی لائی ہوئی شریعت نہایت صاف ستھری مکمل ہو چکی تھی۔ قرآن بھی مکمل ہو چکا تھا اس لئے اس کے بعد کتاب التفسیر لائے پھر قرآن کے فضائل اور اس کے متعلقات آداب تلاوت وغیرہ کو بیان کیا۔

کتاب وسنت کو یاد کرنا اس کی تفسیر کرنا اور احکام کی تقریر کرنا ہی وہ وظیفہ ہے جس سے پورے عالم میں دین محفوظ ہوتا ہے اور احکام بھی مرورِ زمانہ کے باوجود باقی رہتے ہیں اسی سے حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد نکاح کا تذکرہ کیا کہ نکاح سے انسانی نسل کی افزائش ہوتی ہے۔ قرآن کو یاد کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر رضاعت کا ذکر ہے اس لئے کہ اس سے نکاح کی حرمت متعلق ہے پھر اس کے بعد حلال وحرام عورتوں کا ذکر ہے پھر مصاہرت، حرام اور مکروہ نکاح، خطبہ، عقد مہر، ولی، دف بجانا، ولیمہ، شروط فی النکاح اور ولیمہ کے بقیہ احوال مذکور ہیں۔

اس کے بعد عشرۃ النساء پھر طلاق اور کفار کے نکاح کا ذکر ہے۔ ایلاء قرآن میں نکاحِ مشرکین کے بعد مذکور ہے اس لئے بخاری نے بھی ایسا ہی کیا پھر ظہار مذکور ہے جو موقت فرقت ہے۔ پھر لعان جس سے مؤبد فرقت ہوتی ہے پھر عِدد اور مراجعت مذکور ہے پھر وطی من غیر عقد مذکور ہے چنانچہ مہر البغی اور نکاحِ فاسد کا باب ہے پھر متعہ کا بیان ہے۔ جب نکاح سے متعلق احکام پورے ہو گئے تو نفقہ کو ذکر کیا جس کا تعلق شوہر سے برابر رہتا ہے نفقہ چونکہ ماکولات کے قبیل سے ہے اس لئے اس کے بعد کتاب الاطعمہ ذکر کی جس میں کھانے کے احکام و آداب مذکور ہیں پھر ایک خاص کھانا عقیقہ مذکور ہے عقیقہ میں ذبح کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد کتاب الذبائح ہے۔ بعض مذبوح صید بھی ہوتے ہیں اس لئے

اس کے بعد صید کے احکام ہیں۔ بعض مذبوح سال میں ایک ہی بار ذبح کئے جاتے ہیں اس لئے اس کے بعد کتاب الاضحیہ مذکور ہے۔ کھانے کے بعد مشروبات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے بعد کتاب الاشربہ ہے کھانے پینے سے بعض دفعہ بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں اور طبیب کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے اس کے بعد کتاب الطب ہے جس میں مرض کا ثواب اور وہ چیزیں مذکور ہیں جن سے دوا علاج اور رقیہ جائز ہے یا مکروہ یا حرام۔

مأکولات ومشروبات اور دوا علاج کے امور سے فارغ ہو کر لباس وزینت وخوشبو وغیرہ کے مسائل ہیں جو آداب نفس سے ہیں اس کے بعد کتاب الادب والبر والصلۃ والاستئذان ہے۔ سلام واستیذان سے چونکہ سفلی دروازے کھلتے ہیں اس لئے اس کے بعد کتاب الدعوات لائے جس سے علوی دروازے کھلتے ہیں دعا سبب مغفرت بھی ہے اس لئے استغفار ذکر کیا۔ استغفار سے گناہ معاف ہوتے ہیں اس لئے باب التوبہ ذکر کیا پھر موقت اور غیر موقت اذکار اور استغفار وغیرہ مذکور ہیں۔ (اس لئے کہ یہ بھی استغفار کی طرح ذکر ہیں) ذکر ودعا سے نصیحت حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد مواعظ، زہد اور قیامت کے دن کے بہت سے احوال مذکور ہیں۔ پھر یہ بھی ذکر فرمایا کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں تو فرمایا کتاب القدر اور پھر تقدیر کے احوال ذکر کئے اور اشیاء منذورہ بھی تقدیر کے حوالہ ہیں اس لئے اس کے بعد کتاب النذور ذکر کی۔ اور نذر میں کفارہ بھی ہے اس لئے ایمان کا اضافہ کر دیا۔ پھر ایمان ونذور میں کفارہ کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے کتاب الکفارہ مذکور ہے اور جب لوگوں کے دنیوی احوال بیان ہو چکے تو مابعد الموت کے احوال ذکر کئے اور فرمایا کتاب الفرائض اور اس کے احکام بیان فرمائے۔ بغیر جنایت کے احکام پورے ہو گئے تو جنایت کے احکام ذکر کئے اور کتاب الحدود قائم فرمائی۔ اور اخیر میں احکام المرتدین بیان فرمائے۔

اور کبھی مرتد کو کافر نہیں مانا جاتا جبکہ وہ مکرہ ہو اس لئے کتاب الاکراہ ذکر کی۔ مکرہ کبھی اپنے دل میں حیلہ بھی چھپا رکھتا ہے اس لئے کتاب الحیل ذکر کی اور حلال وحرام حیلے

ذکر کئے۔ حیلہ میں بھی کوئی بات چھپی ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد تعبیر الرؤیا مذکور ہے اسلئے کہ خواب بھی امر مخفی ہے اگرچہ معبر کے لئے ظاہر ہے۔ رؤیا کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ اس لئے اس کے بعد کتاب الفتن ہے۔ اور بعض فتنے حکام تک پہنچتے ہیں اس لئے کہ حکام ہی فتنہ فرو کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسلئے کتاب الاحکام ذکر کی ہے اور اس میں امراء، وحکام و قضات کے احوال مذکور ہیں۔

حکومت و امامت کی بعض لوگ تمنا بھی کرتے ہیں اس لئے کتاب التمنی مذکور ہے اور حکام کے احکام کا مدار زیادہ تر اخبارِ آحاد پر ہے اس لئے خبر واحد کی حجیت بیان کی اور تمام احکام میں کتاب وسنت کی ضرورت ہے اس لئے اعتصام بالکتاب والسنۃ مذکور ہے جس میں کتاب وسنت سے استنباط اور اجتہاد مذکور ہے اور اختلاف کی کراہیت کا بیان ہے اور اصل عصمت توحید باری تعالیٰ ہے اسلئے کتاب التوحید پر کتاب ختم کی اور آخری بات جس سے کامیاب و ناکام کا پتہ چلتا ہے میزان کا ثقیل وخفیف ہونا ہے اس لئے آخری باب اسی سے متعلق رکھا اور فرمایا۔ بَابِ قَوْلِ اللّٰہِ تعالیٰ۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔ وَانّ اَعْمَالَ بَنِی آدَمَ وَقَوْلَہٗ تُوْزَنُ۔ تو امام بخاری نے انما الاعمالُ بِالنیاتِ کی حدیث سے کتاب شروع کی اور اعمال بنی آدم توزن پر ختم کی جس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ وہی اعمال مقبول ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کئے جائیں۔

آخری باب میں حدیث کَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِيْمِ مذکور ہے اس میں کلمتان میں ترغیب و تخفیف ہے اور حبیبتان میں ان دونوں کے ذکر پر ابھارنا ہے اس لئے کہ یہ دونوں کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں اور خفیفتان میں اس لحاظ سے ابھارنا ہے کہ یہ عمل بہت ہلکا ہے اور ثقیلتان میں ان کے ثواب کا اظہار ہے اور اس حدیث کی ترتیب ایک عظیم اسلوب پر واقع ہوئی ہے وہ یہ کہ رب کی محبت مقدم ہے اور بندے کا ذکر کرنا نیز ذکر کا زبان پر ہلکا ہونا اس کے

بعد ہے۔ اور اس کے بعد ان دونوں کلموں کا ثواب قیامت تک کے لئے ہے۔ اور ان دونوں کلموں کا معنی اہل جنت کی دعار کے ختم پر آیا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ انتہی کلام الشیخ البلقینی ملخصاً
ولقد أبدیٰ فیہ لطائف وعجائب جزاہ اللہ خیرا بمنّہ وکرمہ (ھدی ط۲)

فضل الرحمن اعظمی غفر اللہ ولوالدیہ ولاساتذتہ ولتلامیذہ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات
آزادول جنوبی افریقہ قبیل جمعہ ۷ر شعبان ۱۴۱۱ھ
۲۲ر فروری ۱۹۹۱ء

وصلی اللہ علی النبی الأمی وآلہ وصحبہ اجمعین
والحمد للہ رب العالمین۔

تراجم صحیح بخاری

صحیح بخاری کے تراجم اپنی مثال آپ ہیں۔ علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری تراجم کے قائم کرنے میں سب سے مقدم اور سب پر فائق ہیں۔ ان سے پہلے کسی نے ایسے تراجم قائم نہیں کئے اور ان کے بعد بھی کوئی ان کی نقل نہیں کرسکا۔ وہی اس دروازے کے کھولنے والے ہیں اور وہی بند کرنے والے بھی۔ ترجمہ کے مناسب قرآنی آیات بھی ذکر کیں اور لبسا اوقات متعلقہ آیات کا استقصاء کرلیا۔

فروعی مسائل کو بھی بیان کیا اور حدیث سے اس کے استنباط کا طریقہ بھی بتادیا۔ قرآن پاک میں فقہ کی جو جگہیں تھیں ان پر بھی تنبیہ فرمائی۔ بلکہ قرآن سے فقہ کو قائم کرکے بتایا اس طرح قرآن وحدیث اور فقہ کے ربط کو ظاہر فرمادیا۔

امام بخاری نے اونچے اجتہاد اور دقیق استنباط کا مظاہرہ کیا ہے اور تراجم میں اپنی دقت پسندی کا کمال منتشر کردیا ہے اسی لئے کہا گیا ہے۔ فقہ البخاری فی تراجمہ۔ اسطرح مصنف کے تراجم میں فقہ۔ اصولِ فقہ اور علمِ کلام متفرق علوم ہیں۔ جن کی طرف انتہائی ایجاز واختصار کے ساتھ وہ اشارہ فرماتے ہیں اسی لئے ان کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔ (فیض الباری ص۴۰)

کرمانی فرماتے ہیں۔ میں نے ہر باب میں احادیث اور ترجمہ کی مناسبت بیان کی ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جس سے ہر زمانہ کے علماء کاملین اور تائید وحمایت کرنے والے افاضل ماہرین عاجز رہے اور اعذار بیان کرکے اس کو چھوڑ دیا۔ (پھر ابوالولید باجی کا کلام ذکر کیا)

(شرح کرمانی ص۴۲)

حافظ ابن حجرؒ نے ھدی الساری میں تراجم بخاری کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے۔

امام بخاری کے تراجم مختلف طریقے پر ہیں۔ ۱. اگر کوئی حدیث باب کے مناسب مل گئی اور شرط کے مطابق تھی تو باوجود مناسبت کے خفی ہونے کے بھی صیغۂ تحدیث کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں. عنعنہ بھی شرط کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔ ۲۔اور اگر شرط کے مطابق حدیث نہیں مل سکی. لیکن استدلال کے قابل ہے تو تحدیث وغیرہ کے صیغہ کو چھوڑ کر کسی اور طریقہ پر ذکر کر دیتے ہیں۔ اسی غرض کے لئے تعلیقات بھی ذکر کی ہیں کما یاتی ۔ ۳. اور اگر کوئی صحیح حدیث نہیں ملی نہ بخاری کی شرط پر نہ کسی اور کی شرط پر لیکن قابل استنباط تھی اور ایک قوم اس کو قیاس پر مقدم کرتی ہے تو اس کو بھی لے لیا خواہ اس کا لفظ یا اس کا معنی اور اس کو ترجمہ بنا دیا۔ پھر اس میں کوئی آیت یا حدیث جس سے اُس حدیث کی تائید ہوتی ہو ذکر کر دی. اس طرح ترجمہ میں ذکر ہونے والی حدیثوں کی تین قسمیں ہو گئیں. اس کی تفصیل آگے آئیگی. (ھدی ص۹)

پھر آگے ایک جگہ اس کی تفصیل یوں کی ہے. (دیکھئے ص۱۳ و ص۱۴)

۱۔ کبھی ترجمہ مترجم لہ حدیث کے ساتھ ہوتا ہے۔ پوری حدیث یا بعض یا اس کا معنی ترجمہ بنا کر ذکر کرتے ہیں ایسا اکثر اس وقت کرتے ہیں جبکہ ترجمہ میں ایک معنی سے زیادہ کا احتمال ہوتا ہے تو حدیث ذیل سے اس کا ایک معنی متعین کر دیتے ہیں۔

۲۔ کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے یعنی حدیث مذکور میں ایک سے زائد کا احتمال ہوتا ہے تو ترجمہ میں کوئی قید لگا کر اس کی تعیین کرتے ہیں. اس طرح ترجمہ حدیث کے معنی مراد کو بیان کرتا ہے. جیسے کوئی فقیہ یوں کہے کہ اس خاص حدیث کی مراد عام ہے یا اس عام حدیث سے مراد یہ خاص معنی ہے کسی علت کی وجہ سے یا یہ کہ یہ مطلق مقید ہے یا یہ قید ضروری اور احترازی نہیں، ایسے ہی مشکل کی شرح، غامض کی تفسیر ظاہر کی تاویل اور مجمل کی تفصیل بھی کرتے ہیں۔ ایسے ہی مقامات زیادہ تر مشکل معلوم ہوتے ہیں اسی لئے فضلاء کی ایک جماعت کہتی ہے۔ فقہ البخاری فی تراجمہ۔

۳۔ امام بخاری اکثر ایسا اس وقت کرتے ہیں جبکہ اپنے مقصد کے لئے کوئی واضح المعنی حدیث اپنی شرط کے مطابق نہیں پاتے۔

۴۔ کبھی ایسا ذہنوں کو تیز کرنے کے لئے کرتے ہیں تاکہ حدیث کے چھپے معانی کو نکال سکیں۔

۵۔ غامض کی تفسیر اور ظاہر کی تاویل والی صورت اکثر اس وقت اختیار کرتے ہیں جبکہ کوئی مفسّر حدیث آگے یا پیچھے ذکر کرتے ہیں۔ گویا اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں یا اس کا حوالہ دے رہے ہیں۔

۶۔ بہت سی جگہ استفہام کے ساتھ ترجمہ قائم کرتے ہیں جیسے باب ھل یکون کذا ومن قال کذا اور اس کے مشابہ۔ ایسا اس وقت کرتے ہیں جہاں ایک صورت کے ساتھ جزم نہیں کر سکے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ یہ حکم ثابت ہے یا نہیں۔ پھر آگے یا تو اس کو ثابت کرتے ہیں یا اسکی نفی کرتے ہیں یا دونوں احتمال ثابت مانتے ہیں۔

۷۔ کبھی ایک احتمال ظاہر ہوتا ہے لیکن ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں نظر کی گنجائش ہے اور بتانا چاہتے ہیں کہ یہاں ایسا احتمال یا تعارض ہے جو توقف کا مقتضی ہے۔ ایسا وہاں کرتے ہیں جہاں اجمال کا خیال رکھتے ہیں یا یہ کہ مستدل اختلاف کر سکتا ہے۔

۸۔ کہیں ترجمہ بالکل ہلکا اور معمولی نظر آتا ہے جس کی بظاہر کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی لیکن غور کرنے کے بعد مفید معلوم ہوتا ہے جیسے باب قول الرجل ماصلینا (بخاری ص۸۹) اس کا مقصد ان لوگوں کے قول کی تردید ہے جنھوں نے اس کو مکروہ سمجھا۔ ایسے ہی باب قول الرجل فاتتنا الصلوٰۃ (بخاری ص۸۸)

۹۔ بسا اوقات بعض واقعہ کے ساتھ کسی خاص امر کو ترجمہ میں ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً باب استیاک الامام بحضرۃ رعیتہ (بخاری میں یہ باب نہیں ہے) مسواک کرنا ایسا کام ہے جس کو بعض لوگ اندرونی گھریلو معمولی کام سمجھتے ہیں اس لحاظ سے اس کے اخفاء کو بہتر خیال

کرتے ہیں لیکن لوگوں کے سامنے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسواک کرنے سے معلوم ہوا کہ مسواک کرنا تنظیف و تطییب کے باب سے ہے نہ کہ دوسرے کسی باب سے۔ یہ بات ابن دقیق العید نے ذکر فرمائی ہے (ہدی ص۱۴)

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا۔ یہ باب میں نے بخاری میں نہیں دیکھا۔ شاید (ابن دقیق العیدؒ) بطور مثال کے ذکر کیا ہوگا۔ (مقدمۂ ارشاد الساری للقسطلانی ص۲۸)

شیخ زکریاؒ لکھتے ہیں۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا یہ کلام مقدمہ فتح الباری کے اس نسخہ میں نہیں ہے جو ہمارے پاس ہے لیکن بات صحیح ہے۔ میں نے بھی بخاری میں یہ ترجمہ نہیں دیکھا۔ ہاں نسائی نے اپنی سنن میں اس طرح ترجمہ ذکر کیا ہے۔ باب یستاک الامام بحضرۃ رعیتہ (نسائی ص۵) اس کی تفصیل اصل نمبر ۵۴ میں آئیگی (الابواب والتراجم ص۱۴ حاشیہ نمبر۱) پھر شیخ نے اصل نمبر ۵۴ میں فرمایا کہ اس کی مثال باب دفع السواک الی الاکبر (بخاری ص۳۸) بن سکتا ہے اس لئے کہ یہ ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو بیداری یا خواب میں پیش آیا۔ شیخ نے اور مثالیں بھی پیش فرمائیں (دیکھئے الابواب والتراجم ص۱۵)

ہمارے خیال میں اس کی مثال میں باب البول عند صاحبہ ص۳۵ اور باب غسل المرأۃ اباھا الدم عن وجھہ ص۳۸ کو پیش کرنا بھی صحیح ہوگا۔

۱۰ کبھی ایسے لفظ سے ترجمہ قائم کرتے ہیں جس سے کسی حدیث کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے جو بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی یا اسی حدیث کو جو ان کی شرط کے مطابق صحیح نہیں بلفظہ ترجمہ میں ذکر کر دیتے ہیں پھر باب میں کوئی حدیث ذکر کر دیتے ہیں جس سے وہی معنی نکل آتا ہے جو ترجمہ میں کبھی امر ظاہر کے ساتھ اور کبھی امر خفی کے ساتھ۔ مثلاً باب الامراء من قریش۔ یہ حضرت علیؓ کی حدیث ہے جو بخاری کی شرط کے مطابق نہیں لیکن اس کے ذیل میں یہ حدیث ذکر کر دی لایزال وال من قریش اس سے مدعا کی تائید ہوگئی۔ اسیطرح باب اثنان فما فوقہما جماعۃ۔ یہ ابوموسٰی اشعری رضؓ کی حدیث ہے جو بخاری کی شرط پر نہیں

لیکن اس کے ذیل میں حدیث فاذنا واقیما اس کی مؤید ہے۔

۱۱۔ کبھی ایسی حدیث کے لفظ سے ترجمہ قائم کرتے ہیں جو امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح نہیں اور اس کے ساتھ کوئی اثر یا آیت ذکر کر دیتے ہیں۔ گویا یہ کہتے ہیں کہ میری شرط کے مطابق کوئی حدیث اس باب میں ثابت نہیں۔

ان باریک اور لطیف مقاصد سے غفلت کی وجہ سے سطحی نگاہ رکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ کتاب کو مصنفؒ نے بغیر تبییض کے چھوڑ دیا لیکن جو غور کرے گا وہ پائے گا اور جو کوشش کرے گا کامیاب ہوگا۔ (ھدی الساری ص۱۴)

مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے بظاہر گیارہ اصول بیان فرمائے لیکن حقیقت میں وہ گیارہ سے زیادہ ہیں (الابواب والتراجم ص۶)

حاصل کلام یہ کہ صحیح بخاری کے تراجم محیر العقول واقع ہوئے ہیں جن میں نگاہیں اور عقلیں حیران ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

اعیا فحول العلم حلّ رموز ما ❊ ابداہ فی الابواب من اسرار

اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ان تراجم کی تبییض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان کی ہے اور ہر ترجمہ کے لئے دو رکعتیں بھی پڑھتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ مرتبہ اور مقام نصیب ہوا۔ (مقدمۂ قسطلانی ص۲۹)

یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ❊ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

تراجمِ صحیح بخاری پر لکھی گئی تصنیفات

۱۔ المتواری علی تراجم البخاری۔ تالیف ناصر الدین احمد بن المنیرؒ خطیب الاسکندریہ المتوفی ۶۸۳ھ۔ اس میں بخاری کے چار سو تراجم پر بحث کی ہے۔ اس کی تلخیص بدر الدین بن جماعہ نے کی اور اس پر اپنی طرف سے کچھ اضافہ بھی کیا۔ ناصر الدین کے بھائی زین الدین علی بن محمد المنصور ابن المنیرؒ نے بھی اپنی شرح میں جو دس جلدوں میں ہے تراجم پر گہرا کلام کیا ہے۔ (ھدی ص۱۴ ومقدمۂ لامع ص۱۳۴)

۲۔ فك اغراض البخاری المبهمة فی الجمع بین الحدیث والترجمة۔ تالیف محمد بن منصور بن جماعة سجلماسی مغربی۔ تقریباً سو تراجم پر بحث کی ہے۔ (ہدی ص۱۴)

۳۔ ترجمان التراجم۔ تالیف الحافظ ابی عبداللہ بن رشید المتوفی ۷۲۱ھ (مقدمہ لامع ص۹) حافظ نے لکھا ہے کہ ابو عبداللہ بن رُشید سبتی کی کتاب ترجمان التراجم کی ایک جلد پر میں مطلع ہوا۔ کتاب الصیام تک پہونچے تھے۔ اگر پوری ہوجاتی تو بہت مفید ہوتی، ناقص ہونے کے باوجود بہت مفید ہے۔ (ہدی ص۱۴)

۴۔ تعلیق المصابیح علی ابواب الجامع الصحیح۔ تالیف العلامۃ بدر الدین محمد بن ابی بکر الاسکندرانی الدمامینی المتوفی ۸۲۸ھ۔ صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کو شروح بخاری میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ علامہ دمامینی نے یہ کتاب ہندوستان کے بادشاہ احمد شاہ بن محمد بن مظفر شاہ کے لئے لکھی تھی۔

(مقدمۂ لامع ص۹)

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بخاری کی شرحیں بہت سی لکھی گئی

ہیں لیکن ابھی تک امت پر اس کا دَین باقی ہے حق ادا نہیں ہوا سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ میرے استاذ نے فتح الباری لکھ کر امت کی طرف سے بخاری کا حق ادا کر دیا۔ (تقریر مولانا شبیر احمد عثمانی مطبوعہ ڈابھیل ص۲۲)
کشف الظنون میں ملا کاتب چلپی نے لکھا ہے کہ ابن خلدون نے اپنے بہت سے مشائخ سے اس کو نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ شاید یہ دین محقق ابن حجر، قسطلانی، اور عینی سے ادا ہو گیا (کشف ص۶۴۱)

لیکن تھوڑا دین اب بھی ذمہ میں ہے۔ یعنی حدیث کا دین تو اتر گیا لیکن تراجم کا دین ابھی باقی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے تراجم بخاری پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ شاہ صاحب اپنے زمانہ کے امام مسلّم ہیں لیکن استاذ فرماتے تھے کہ دین اب بھی باقی ہے۔ تقریر عثمانی)

۵ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری۔ مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ صحیح بخاری کے ساتھ مطبوع ہے۔

۶ حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا کے زمانۂ قیام میں ایک خدمت ترجمۂ قرآن کی کی دوسری خدمت شرح تراجم بخاری کی۔ جس کو شروع کیا تھا مگر تمام نہ کر سکے۔ (تقریر عثمانی ص۲۴)
حضرت شیخ الہند نے پندرہ اصول مرتب فرمائے اور بخاری کے ابواب کی فہرستیں تیار کیں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحنے اس کو شائع کر دیا تھا۔ امداد الباری جلد ۴ میں ص۹ سے ص۲۶ تک اسکو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ الابواب والتراجم میں بھی اسکا عربی ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۷۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اس کام کو مکمل فرمایا اور الابواب والتراجم کے نام سے ہر باب پر مفصل کلام کیا۔ حق یہ ہے کہ اس خدمت سے تراجم کا حق پورا ادا ہو گیا۔ حضرت نے ستر اصول بیان فرمائے جو مقدمہ لامع میں بھی ہیں، ان میں حافظ کے اور شیخ الہند کے بیان کئے ہوئے اصول بھی آ گئے۔ اس خدمت سے تراجم بخاری کا قرض ادا ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذلک وجزاہم اللہ خیرا عنا وعن جمیع طلبۃ العلم۔

حضرت شیخ الہندؒ کے پندرہ ۱۵ اصولوں کو ہم بھی اپنی کتاب کا جزء بنارہے ہیں

حضرت شیخ الہندؒ کے ۱۵ اصول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ لَا سَھْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَہٗ سَھْلًا وَاَنْتَ تَجْعَلُ الْحَزْنَ اِذَا شِئْتَ سَھْلًا وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ۔

رفعت آں شیریں قلندر خوش کہ در اطوار سیر ذکر تسبیح ملک در حلقۂ زنار داشت

اصول اما بعد۔ بندہ ظلوم و جہول ارباب فہم و انصاف کی خدمت میں ملتمس ہے، کچھ عرصہ سے رغبت قلبی اور بعض مکرمین مخلصین کا ارشاد متقاضی تھا کہ تراجم اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ العظیم کے متعلق بنام خدا خامہ فرسائی اور تقدیر آزمائی کروں جو سلفاً اور خلفاً مطمح افکار اور محل انظار اکابر علماء رہے ہیں اور انھیں تراجم کو امیر المؤمنین فی الحدیث کی تمام عمر کی کمائی اور اصح الکتب کا اک بڑا رکن بتلایا جاتا ہے۔ اس مبارک اور مقدس کتاب کی جو مبسوط اور مختصر اور متوسط شروح لکھی گئی ہیں، اس میں شک نہیں کہ ان کی نظیر نایاب ہے اور اہل اسلام کے حق میں مایۂ افتخار، جَزَاھُمُ اللّٰہُ عَنَّا اَحْسَنَ الْجَزَاءِ وَافْضَلَ الْجَزَاءِ۔

مگر ہجوم تحقیقات علمیہ و تفسیر و حدیث و فقہ و کلام و اسمائے رجال و لغت وغیرہ میں حضرات اکابر کو اتنی گنجائش نہیں ملی کہ تراجم کی تحقیق میں زیادہ توجہ اور غور فرمادیں اور بالاستقلال اس خدمت کو انجام دے سکیں، اس لئے حضرات اکابر نے قدرے ضرورت پر

اکتفا غالباً مناسب سمجھا اور اگر کسی نے ایسا کیا ہو تو ہم اس وقت اس سے محروم رہے۔ بالجملہ شروح موجودہ میں جو تراجم کے متعلق تحریر فرمایا ہے، وہ ہم لوگوں کو کافی نہیں، بیشک اس کی حاجت ہے کہ کوئی ایسا شخص جو اس خدمت کو انجام دے سکے غورِ کامل اور جد جہدِ تام سے اس کو بالاستقلال انجام دینے میں کوشش کرے اور محققین اکابر کی شروح موجودہ میں غور کرکے جو بات اقرب اور احق بالقبول ہو اس کو اختیار کرے لیکن اپنی حالت جو سب کو معلوم ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس مہتم بالشان خدمت کی کسی ادنی درجہ میں بھی کامیاب ہو سکے محض شوقِ قلبی سے کام چلتا ہے۔ اس لئے اس وقت تک بجز تحیر و تردد کچھ نہ ہو سکا۔ حسنِ اتفاق سے حجۃ اللہ علی العالمین حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل مختصر رسالہ اس کے متعلق حیدر آباد سے شائع ہوا اس کو دیکھ کر امید مردہ میں جان محسوس ہونے لگی۔ اور سودائے خام پکنا شروع ہوا۔ اس کے مطالعہ سے یہ بات خوب دلنشیں ہو گئی کہ مؤلف رحمہ اللہ کے بہت سے خبایا اس وقت تک زوایا میں مخفی ہیں۔ رسالہ نہایت عجیب ہے مگر بوجہ اجمال و اختصار اس سے پورا نفع اٹھانا دشوار ضرور ہے مگر شوقِ دیرینہ نے سب دشواریوں سے قطع نظر کرکے اس کام کا تہیہ کرا دیا مگر اپنی درماندگی اور بیچارگی چونکہ ایسی نہیں کہ اس سے قطع نظر ہو سکے۔ اس لئے مجبوراً یہ صورت نکالی کہ چند اہلِ علم فہیم ولائق کو منتخب کرکے ان کی شرکت سے یہ خدمت حتی الوسع پوری کیجائے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

اب ہم جو کچھ کریں گے وہ حضرات اکابرین ہی کی تحقیقات سے مستنبط ہو گا۔ البتہ حسب الموقع جو امر زائد سمجھ میں آئے گا وہ بھی ضرور عرض کیا جائے گا۔ اگر اس میں خطا کیا تو اس کی وجہ بتلانے کی ہرگز ضرورت نہیں، ہم خود اس کی وجہ موجود ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے اور اگر صواب ہو تو اللہ کا فضل اور حضرات اکابر رحمہم اللہ کی برکت ہے۔

وَفِی اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ، واللہ الموفق والمعین۔

سب سے اول ہم ان اصولوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن کی رعایت مؤلف رحمہ اللہ

نے تراجم میں ملحوظ رکھی ہے اور جزئیات کتاب میں وہی کار آمد ہیں۔

چونکہ یہ امر معلوم ہے کہ حضرت مؤلف رحمہ اللہ نے ان اصولوں کو بالاستقلال ضبط فرما کر کسی کو نہیں دیا بلکہ محققین علماء نے خود تراجم سے علی الفور یا بعد الغور استنباط فرمایا ہے اور اسی لئے وہ اصول ہمیشہ " ہر آنکہ دریافت مزیدے براں نمود " کا مصداق رہے ہیں۔ تو یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اب بھی اگر کوئی شخص کوئی بات معقول بعد غور، اصول میں ایسی بڑھا دے جو تطبیق وغیرہ اغراض مؤلف میں مفید اور کار آمد ہو تو وہ بات مسلم اور لائق قدر ہوگی، قابل انکار ہرگز نہ ہوگی۔ وَلَا تَنْظُرُوا اِلٰى مَنْ قَالَ. فَنَقُوْلُ وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ۔

۱۵ اصُول

۱۔ مؤلف رحمہ اللہ بسا اوقات جملۂ مذکورہ فی الحدیث کو یا کسی قول یا عبارت کو ترجمہ بناتے ہیں مگر اس کا مدلول صریحی مطابقی مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مدلول التزامی اور ثابت بالاشارہ مؤلف کو مقصود ہوتا ہے اس لئے جو دلیل بیان کریں گے اس غرض مخفی کے مطابق ہوگی ظاہر ترجمہ کے مطابق ہونا کچھ ضرور نہیں جو ظاہر ترجمہ کو مقصود سمجھے گا اس کو بہت دقت اور تکلف کے بعد بھی قابلِ قبول تطبیق دینا میسر نہ ہوگا دیکھ لیجئے مؤلف نے شروع کتاب ہی میں بَابٌ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرمایا اور اس کے بعد چھ حدیثیں اس باب میں ذکر فرمائیں، بعض میں تو وحی کا بھی ذکر نہیں، اور بدء وحی سے تو اکثر خالی ہیں، صرف ایک حدیث حرا میں ابتداء وحی کا ذکر ہے اس لئے تو بعض حضرات نے تو صاف فرما دیا۔ اِنَّ كَثِيْرًا مِنْ اَحَادِيْثِ الْبَابِ لَا يَتَعَلَّقُ اِلَّا بِالْوَحْيِ لَا بِبَدْءِ الْوَحْيِ فَكَيْفَ جَعَلَ التَّرْجَمَةَ بَابُ بَدْءِ الْوَحْيِ۔ اور اکثر حضرات نے تاویلات مختلفہ فرما کر مطابقت میں عرق ریزی کی جو شروح میں بالتفصیل موجود ہیں، مگر

انصاف یہ ہے کہ کوئی محقق امر قابل تسکین مؤلف رحمہ اللہ کی شان کے موافق نظر نہیں آتا جس کی وجہ سے تمام احادیث کا بے تردد ترجمہ کے مطابق ہونا دلنشیں ہو جائے، جب شروع ہی ایسا ہے تو آئندہ کیا ہوگا ؎ قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

مگر احادیث مذکورہ فی الباب میں غور کرنے سے اور حضرت شاہ صاحب وغیرہ کے بعض ارشادات سے یہ معلوم ہوا کہ مؤلف کی غرض اصلی بدء وحی کا بیان کرنا نہیں، بلکہ وحی کی عظمت اور اس کا خطا وغلط وسہو سے منزّہ ہونا اور واجب الاتباع اور ضروری التسلیم ہونا بتلانا منظور ہے جو ابتدا کتاب میں مفید اور مناسب ہے، اور وحی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے اور مبدأ بھی عام ہے۔ زمانہ ہو یا مکان اخلاق ہوں یا حالات غرض وحی کی جملہ مبادی مراد ہیں، اب اس کے بعد جملہ احادیث اور ترجمہ میں مطابقت بلا تکلف نظر آتی ہے، جب اس کا موقع آئے گا، ان شاء اللہ بالتفصیل عرض کردیں گے بالجملہ غرض مؤلف کا سمجھنا اہم اور ضروری ہے، بہت مواقع میں مفید وکار آمد ہے۔

٢- یہ امر مسلم ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ تمام اپنی کتاب میں نہ حدیث مکرر لائیں گے نہ ترجمہ اور اگر ایسا ہوگا تو وہ سہو سمجھا جائے گا، مگر ترجمہ کی تکرار کے یہ معنی ہیں کہ مطلوب اور غرض دونوں جگہ ایک ہو یہ مطلب نہیں کہ الفاظ ایک ہوں، دیکھئے کتاب العلم میں۔ باب فضل العلم دو جگہ موجود ہے اس کے متعلق جملہ حضرات اکابر یہی فرماتے ہیں کہ فضل سے ایک جگہ جو مراد ہے دوسری جگہ وہ مراد نہیں اس لئے تکرار نہیں ہوا۔ لیکن یہ ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جہاں غرض ایک ہوگی وہاں ایک دو لفظ کے بدل جانے سے تکرار زائل نہ ہوگا، تاوقتیکہ مطلوب دوسرا نہ ہوگا اعتراض تکرار باقی رہے گا، صرف لفظوں کا تغیر مفید نہ ہوگا۔ مثلاً شروع کتاب میں بَاب کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرمایا اور کتاب فضائل القرآن میں جاکر بَاب کَیْفَ نُزُوْلُ الْوَحْیِ وَاَوَّلُ مَا نَزَلَ فرمایا تو صرف بعض الفاظ کے تغیر سے کچھ نہ ہوگا بلکہ ضرور ہے کہ ہر ایک ترجمہ

کی غرض اور مقصود کو جدا جدا کر کے تبلایا جاوے۔

۳۔ یہ ظاہر ہے کہ ترجمۃ الباب مدعا اور حدیث اس کے لئے دلیل ہوتی ہے، مگر مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد باب میں ایسا کیا ہے کہ ترجمہ میں کوئی قید یا کسی امر کی تفصیل ایسی بڑھائی ہے جس کا حدیث باب میں پتہ نہیں تو وہاں عدم تطبیق کا خلجان ضرور دقت میں ڈالتا ہے کہ اس دلیل مطلق یا مجمل سے یہ مقید یا مفصل مدعا کیسے ثابت ہوگیا۔ بجز اس کے کہ مولف پر عدم تطبیق کا اعتراض کیا جاوے۔ یا تکلف کر کے لاچار کوئی تاویل تلاش کی جاوے اور کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ شروح میں اس کی نظائر موجود ہیں، مگر حقیقت الامر جیسا کہ محقق علامہ سندھی نے بھی بیان فرمایا ہے یہ ہے کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ تراجم اس میں منحصر نہیں کہ حدیث باب ان کے لئے دلیل ہو، بلکہ بعض تراجم ایسے بھی ہیں کہ ان کو حدیثِ باب کے لئے شرح اور بیان کہنا چاہیئے، چونکہ حدیث مذکورہ میں کوئی اجمال یا اطلاق ایسا تھا کہ جس سے مغالطہ کا احتمال تھا تو مؤلف نے اور احادیث اور دلائل سے اس اطلاق کو ترجمہ میں زائل فرما کر حدیث کا مطلب تحقیقی ظاہر فرمادیا۔ یا یوں کہو کو ادلّہ چونکہ متعارض نظر آئیں تو مؤلف نے اس کی تطبیق کی ضرورت سے ترجمہ میں قید زائد فرمائی۔ مثلاً ابواب الحیض میں۔ بابُ الصُّفْرَةِ وَالكُدْرَةِ فِی غَیرِ ایامِ الحیض منعقد فرما کر حدیث ام عطیہ لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ والصُّفْرَةَ شَیئًا. ذکر فرمائی، جس میں مولف نے جو ترجمہ میں فِی غَیْرِ ایام الحَیض کی قید بڑھائی تھی اس کا پتہ بھی نہیں، مگر مؤلف نے اوٗ احادیث اور دلائل کی وجہ سے یہ قید بڑھا کر مطلب صحیح اور واقعی تبلادیا یا یوں کہو کہ ام عطیہؓ کے اس ارشاد اور حضرت صدیقہ کے ارشاد وَلَا تَعْجَلنَ حتّٰی تَرَیْنَ القُصَّةَ البَیضَاءَ میں صریح تخالف تھا۔ مولف کی قید سے دونوں میں مطابقت ہوگئی فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ ثُمَّ لِلّٰہِ دَرُّہٗ۔

۴۔ بسا اوقات ترجمہ کے لئے ایک معنی ظاہر ہوتے ہیں اور دوسرے معنی غیر ظاہر ایسے مواقع میں اکثر حضرات ناظرین بمجرد نظر معنی ظاہری متعین فرمالیتے ہیں۔ حالانکہ مولف رحمہ اللہ

کی مراد دوسرے معنی ہیں، اس لئے احادیث باب کا انطباق دشوار ہوجاتا ہے، جس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اوپر مذکور ہوا، اکثر تو مؤلف پر عدم انطباق کا شبہ کرتے ہیں اور بعض تاویلات بعیدہ سے تطابق میں جدوجہد فرماتے ہیں، مثلاً باب مایقول بعد التکبیر منعقد فرماکر تین حدیثیں بیان فرمائیں، جن میں ایک روایت صلوٰۃ کسوف کی بھی ہے اور ترجمہ سے اس کو کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا، اسلئے بعض شارحین نے تو تاویلات سے مطابقت میں سعی فرمائی اور بعض محققین نے ان تاویلات کو رد کردیا اور قابل قبول نہیں سمجھا، لیکن اس دشواری کا منشاء صرف یہ امر ہے کہ ترجمہ کے معنی حسب الظاہر یہ لئے گئے کہ تعین دعا مؤلف کی مراد ہے حالانکہ احادیث باب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کی مراد توسع فی الدعاء ہے یعنی دعاء میں توسع ہے پڑھو یامت پڑھو، متصلاً پڑھو یا منفصلاً اور جو دعاء چاہو پڑھو، اب تینوں حدیثیں ترجمہ کے موافق ہیں، علیٰ ہذا القیاس دفعہ د۲ میں یہ گذر چکا کہ باب فضل العلم دوجگہ مذکور ہے مگر چونکہ فضل العلم کے لئے دو معنی ہیں ایک ظاہر دوسرے غیر ظاہر۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اول باعتبار اول اور ثانی باعتبار ثانی فضل العلم کو ترجمہ بنایا، مگر جو کوئی دونوں جگہ معنی ظاہری ہی مراد لے گا تو وہ ضرور تکرار ترجمہ کا اعتراض مؤلف پر کرے گا، جو حقیقت میں اپنی فہم پر اعتراض ہے مؤلف پر نہیں۔

۵۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کے معنی مؤلف کے نزدیک بھی وہی مراد ہوتے ہیں جو بحسب الظاہر ہم نے سمجھے لیکن تطبیق حدیث میں کوئی دشواری اور دقت ہوتی ہے جس سے ہم غافل ہوتے ہیں اور اس غفلت کے باعث مؤلف پر اعتراض کیا جاتا ہے یا تکلفات غیر مقبولہ کی نوبت آتی ہے مثلاً باب مایذکر فی الفخذ منعقد فرماکر فخذ کے عورۃ ہونے کی اور عورۃ نہ ہونے کی دلیلیں ذکر فرمائیں اور عورۃ نہ ہونے کے دلائل میں زید بن ثابت کا ارشاد وفخذہٗ علیٰ فخذی بھی ذکر کیا مگر اس سے ثبوت مدعا بالکل غیر ظاہر ہے۔ جو حضرات اصل بات سمجھ گئے انھوں نے بے تکلف تطبیق کی وجہ ظاہر کر دی،

بعضوں نے محض تکلف سے کام لیا، اپنے موقع پر ان شاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہو جاوے گا۔

۶۔ بعض مواقع میں مؤلف رحمہ اللہ حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں ترجمہ کی نسبت کچھ مذکور نہیں ہوتا مگر کسی دوسرے باب میں جاکر جو اسی حدیث کو لاتے ہیں اس میں صریح ایسا الفاظ موجود ہوتا ہے جو سابق الذکر ترجمہ کے مطابق ہوتا ہے، جو اس سے بے خبر ہوتا ہے اس کو بمجبوری تکلفات باردہ کی نوبت آتی ہے۔

اوائل کتاب میں مؤلف نے بَابُ السَّمَرِ فِي الْعِلْمِ کے ذیل میں حضرت ابن عباس کی روایت بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ الخ نقل فرمائی، اس میں سمر کا ذکر نہیں، شراح نے مجبور ہو کر تاویلات نکالیں مگر سب بعید، محقق ابن حجر رحمہ اللہ نے غور و تلاش کے بعد دور جا کر کتاب التفسیر میں ایک روایت ایسی نکالی جس میں فتحدّث رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مع أهله ساعة ثم رقد صاف موجود ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَجَزَاهُ خَيْرًا۔

اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ جس حدیث میں لفظ مطابق ترجمہ مذکور ہے، وہی مؤلف رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق نہیں گو صحیح اور معتبر ہے اس لئے مؤلف تمام کتاب میں اس کا ذکر نہیں کرتے، اس کا پتہ وہی چلا سکتا ہے جو کتب حدیث کا تتبع کرے اور طریقۂ تاویل سے جو ظاہر، سہل اور مختصر نظر آتا ہے، اس سے بچنے میں کوشش کرے، ہماری تمام معروضات سے جو ہم نے یہاں تک عرض کئے اور ان کے علاوہ امور کثیرہ سے جگہ جگہ بالبداہۃ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث رضی اللہ عنہ کا مطمح نظر یہ ہے کہ جیسے میں نے اس کی تالیف اور تنقیح میں سالہا سال جد و جہد کی ہے اور علماء بھی اپنی اپنی وسعت کے موافق اس کے سمجھنے اور حل کرنے میں پوری پوری توجہ مبذول کریں، انھیں وجوہ سے علماء نے فرمایا کہ خواص کے لئے صحیح بخاری سب سے انفع ہے۔ اور باوجود طوالت و مشکلات اکابر علماء نے جس قدر توجہ اس مبارک کتاب کی خدمت کی طرف مصروف فرمائی وہ بے نظیر ہے

فجزاه الله وایاهم عنا احسن الجزاء۔

۷۔ مؤلف رحمہ اللہ اکثر مواقع میں ترجمۃ الباب کے ساتھ آثار صحابہ اور اقوال تابعین بھی قبل ذکر الحدیث نقل کر دیتے ہیں، سو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وہ آثار ترجمہ کے لئے دلیل ہوں اور یہ ظاہر ہے دوسرے یہ کہ آثار دلیل تو نہیں ہیں، مگر صرف ادنیٰ مناسبت سے بغرض تکثیر فائدہ ذکر کر دئے جاتے ہیں، الشئ بالشئ یذکر، اکثر علماء ان کو دلائل میں منحصر سمجھ کر تکلفات باردہ جگہ جگہ کرتے ہیں، یا مؤلف پر بحالت مجبوری اعتراضات کی نوبت آتی ہے۔ صرح بہ العلامۃ السندھی وغیرہ۔

۸۔ بعض اوقات مؤلف رحمہ اللہ صرف لفظ باب ذکر فرما کر اس کے بعد حدیث مسند بیان کر دیتے ہیں ترجمہ کچھ نہیں ذکر کرتے، شراحؒ اس کے متعلق چند احتمالات ذکر فرماتے ہیں جو ناظرین کو معلوم ہیں مگر غور اور تفتیش کے بعد راجح یہ ہے کہ ترجمہ نہ خطأً چھوڑا ہے اور نہ سہواً اور نہ اس ارادہ سے کہ دوسرے وقت کوئی ترجمہ مناسب مقام استنباط کر کے قائم کروں گا، بلکہ بالمقصد ترجمہ ترک کیا ہے اور یہی مقصود ہے اور اس ترک کی ۲ وجہیں ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ باب اپنے سے سابق باب کے ساتھ مربوط ہو اور اس سے کسی قسم کا تعلق رکھتا ہو جس کو حضرات علماء کالفصل من الباب السابق سے تعبیر فرماتے ہیں اور حضرات محدثین اپنی تالیفات میں باب منہ فرما جاتے ہیں، مگر یہ ملحوظ رہے کہ مصنف وسیع الخیال کے نزدیک تعلق کا احاطہ بھی وسیع ہے۔

دوسرے یہ کہ بعض مقامات میں مؤلف بغرض تشحیذ اذہان اور ایقاظ طبائع ایسا کرتے ہیں اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث سے ناظرین اہل فہم بھی کوئی حکم مستنبط کریں، باقی یہ امر بدیہی ہے کہ کیف ما اتفق کسی حکم کا اخراج کافی نہ ہوگا، بلکہ دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

اول یہ کہ مؤلف نے اس حدیث سے جو حکم یا احکام نکالے ہوں، ان کے ماسوا ہونا چاہیئے۔

دوسرے جن ابواب کے ذیل میں یہ باب بلا ترجمہ مذکور ہے، انھیں کے مناسب کوئی ترجمہ استخراج کیا جاوے، چونکہ یہ امر مؤلف کی شان اور طرز دونوں کے مناسب ہے اس لئے ہم کو بھی چاہیئے کہ جب کوئی باب بلا ترجمہ دیکھیں تو اول دیکھ لیں کہ باب سابق کے ساتھ اس کو کسی قسم کا تعلق ہے یا نہیں، اگر ہے تو فبہا، ترجمہ سابق اس کے لئے کافی ہے، اور اگر مربوط نہیں تو ہر دو قید مذکورۂ بالا کو پیش نظر رکھ کر ترجمۂ جدید کی فکر ضروری ہے۔

احتمالات محضہ بعیدہ سے یہ امر بہمہ وجوہ مناسب اور مفید ہے، جس قدر ابواب بلا ترجمہ مؤلف نے ذکر فرمائے ہیں، باوجود کثرت سب انھیں دو صورتوں معروضہ میں منحصر معلوم ہوتے ہیں، لیکن بعض مواقع میں تأمل صادق کی حاجت ضرور ہے، تقدیر سے اگر ایک دو باب تمام کتاب میں ایسا نظر آوے کہ کسی صورت میں داخل نہ ہو سکے تو مقتضائے فہم و انصاف یہ ہے کہ ہم اس کو اپنے قصور فہم پر حمل کریں اور جس کو اس سے استنکاف ہو۔ غایۃ مافی الباب وہ کسی کے سہو و خطا پر محمول فرما کر تمام کتاب میں دو یا چار جگہ اپنا دل خوش کر لیں جو دفعیہ چشم بد کے لئے بھی مناسب ہے۔

بالجملہ حالت مجبوری کو مستثنیٰ کر کے ایسے ابواب کو انھیں دو صورتوں میں داخل رکھا جاوے گو کسی قدر تکلف بھی کہیں کرنا پڑے، کیونکہ یہ امر معلوم اور مسلّم ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ متعدد مواقع میں دور کی مشابہت اور مناسبت سے بھی اپنا مدعا ثابت کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ بعض ابواب ایسے بھی ہیں کہ وہاں دونوں احتمال مجتمع معلوم ہوتے ہیں، یعنی باب سابق سے بھی ربط ہے اور جدید ترجمہ بھی بے تکلف مناسب ہے، یا تراجم جدیدہ متعددہ وہاں چسپاں معلوم ہوتے ہیں سو ایسے مواقع کے دیکھنے سے یہی امر راجح معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف علام کو تکثیر فوائد بھی ترک ترجمہ پر باعث ہوتی ہے۔

اور تحدید فائدہ کے اندیشہ سے کوئی ترجمہ متعین نہیں فرماتے، کبھی باب سابق یا ابواب سابقہ میں کوئی خلجان یا اشکال ہوتا ہے، اس کے ازالہ کے لئے باب بلا ترجمہ ذکر کر کے ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جس سے خلجان مذکور دفع ہو جاتا ہے۔ بعض جگہ کسی احتیاط یا کسی اندیشہ کی وجہ سے ترجمہ کی تصریح مناسب نہیں سمجھتے۔

۹۔ مواقع کثیرہ میں باب کے ساتھ صرف ترجمہ مذکور ہے، مگر حدیث مسند کا ذکر نہیں، ہم ان کو تراجم مجردہ سے تعبیر کریں گے، ان کے متعلق بھی شراح محققین نے چند احتمال ذکر فرمائے ہیں اور جہاں ترجمہ مجردہ آتا ہے وہاں انھیں احتمالات سے کام لیتے ہیں، مگر ہمارے نزدیک بعد غور ان میں تفصیل احق بالقبول نظر آتی ہے اس لئے عرض ہے کہ تراجم مجردہ دو طرح کے ہیں ایک تو وہ جن کے ماتحت گو حدیث مسند مذکور نہیں، مگر ترجمہ کے ذیل میں آیت یا حدیث یا کسی کا قول مذکور ہے، ان کا نام ہم تراجم مجردہ غیر محضہ رکھے لیتے ہیں اور اس کے نظائر کتاب میں بکثرت موجود ہیں، دوسرے وہ کہ محض ترجمہ منعقد کر کے اسکے بعد اور کچھ مذکور نہیں یعنی جیسے ترجمہ کے لئے حدیث مسند مذکور نہیں، ایسے ہی ترجمہ کے ذیل میں بھی کوئی آیت یا حدیث یا اثر داخل نہیں، صرف دعوی کے سوا کوئی چیز موجود نہیں، ان کا نام ہم تراجم مجردہ محضہ مناسب سمجھتے ہیں اور اس کے نظائر بہت کم ہیں قسم ثانی یعنی تراجم مجردہ محضہ میں کچھ ابواب ایسے بھی ہیں کہ ان میں مؤلف رح نے نفس آیات کو ترجمہ بنایا ہے تو اب تراجم مجردہ کی تین صورتیں ہو گئیں۔

اول تراجم مجردہ غیر محضہ، دوسرے تراجم مجردہ محضہ، جن میں آیات کو ترجمہ بنایا ہے، ان کا نام تراجم محضہ صوریہ مناسب ہے، تیسرے تراجم مجردہ محضہ، جن میں مؤلف نے اپنے قول کو ترجمہ بنایا ہے، ان کا نام تراجم محضہ حقیقیہ رکھ لیجئے، اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ قسم اول یعنی تراجم مجردہ غیر محضہ میں تو چونکہ آیت یا حدیث یا قول مسند قابل احتجاج کو ترجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو کہ اثبات دعوی کے لئے بالکل کافی ہیں

توظاہر ہے کہ مؤلف کے ثبوت دعویٰ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں، جس کی وجہ سے کسی دوسری دلیل کالانا ضروری سمجھا جاوے۔

دلائل مذکورہ پر مؤلف کا قناعت کرنا کسی طرح موجب خلجان نہیں ہوسکتا، ایسی ہی قسم ثانی، یعنی تراجم محضہ صوریہ میں اگرچہ ظاہر میں ترجمہ کے ساتھ کوئی دلیل مذکور نہیں، مگر خود ترجمہ چونکہ آیات قرآنی ہی ہے جو کہ دلیل فوق جمیع الادلۃ ہے، توظاہر ہے کہ اس کو اپنے ثبوت میں کسی دلیل کی حاجت نہیں۔

ظاہر نظر میں محض ترجمہ نظر آتا ہے اور حقیقت میں وہ دعویٰ دلیلہا نفسہا کا مصداق ہے، اسلئے اس قسم کے تراجم کا حال بھی بے تکلف اور بطریق اولی وہی ہونا چاہئے جو قسم اول کا مذکور ہوا ان دونوں قسموں میں مؤلف حدیث مسند حسب عادت مستمرہ کیوں نہیں لائے، صرف آیت وغیرہ پر قناعت کیوں کی؟ سواس کی وجہ یا یہ ہوتی ہے کہ شرائط مؤلف کے مطابق کوئی حدیث نہیں ملی، یا حدیث ایسی موجود ہے مگر چونکہ دوسرے موقع میں مذکور ہے اس لئے بوجہ لزوم تکرار یہاں ذکر نہیں کیا، یا تمرین وتشحید منظور ہے۔

اب باقی رہ گئی تیسری صورت یعنی تراجم محضہ حقیقیہ کہ نہ انکے ساتھ کوئی دلیل مذکور ہے اور نہ وہ خود حجت اور دلیل شمار ہوسکتی ہیں، اور اس لئے وہ محض دعویٰ بلادلیل نظر آتے ہیں، سوان کے متعلق یہ عرض ہے کہ مکرر ورق گردانی کے بعد بھی ایسے تراجم ہم کو بہت کم ملے جن کا عدد دس تک بھی نہیں پہنچتا اور ہماری نظر کے احتمال اور اختلاف نسخ کی بنا پر غایۃ مافی الباب اس عدد میں قدرے زیادتی بھی ممکن ہے مگر ایسی ہی کمی بھی ممکن ہے۔ سوان تراجم قلیلہ میں اکثر تو ایسے ہیں کہ باب سابق میں یالاحق میں ان کے مطابق صریح حدیث مسند مذکور ہے، کل دو یا تین باب ایسے ہیں کہ گوان کے آس پاس کے ابواب میں بھی حدیث مطابق نظر نہیں آتی، مگر ابواب بعیدہ میں ان کے مطابق حدیث موجود ہے، ان باتوں پر نظر ڈالنے کے بعد راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف

نے ان مواقع میں بھی تراجم محضہ پر بالقصد قناعت کی ہے اور بوجہ احتراز عن التکرار یا بغرض تشحیذ اذہان یا بہر دو وجہ ان احادیث کو اثبات مدعا کے لئے کافی سمجھا جو ابواب متصلہ یا بعیدہ میں مذکور ہیں۔ هٰذا ما عندنا من التفصيل وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوابِ وبمراد العباد۔

۱۰۔ بعض مواقع میں مؤلف رحمہ اللہ ایک مدعا کو مکرر تراجم اور ابواب میں ثابت فرماتے ہیں اور اس کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً ان میں اجمال ہوتا ہے، دوسرے باب میں تشریح کر دیتے ہیں، کبھی اول میں حدیث مسند کے ماسوا کسی دلیل سے ثابت کر جاتے ہیں دوسرے باب میں حدیث مسند سے ثابت کر دیتے ہیں، کبھی تراجم میں تعدد ہوتا ہے، مگر مدعا ان سے ایک ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ترجمہ کے لئے جو حدیث لاتے ہیں اس سے ثبوت مدعا میں کوئی کوتاہی یا کمی نظر آتی ہے، اس کے بعد دوسرے باب میں جو حدیث لاتے ہیں اس سے کوتاہی اور کمی سابق کی بھی مکافات ہو جاتی ہے، کبھی ایک ترجمہ کے اثبات کے لئے حدیث مسند بیان کرتے ہیں، جس سے اس ترجمہ کے علاوہ دوسرا ترجمہ مناسبِ مقام بھی ثابت ہوتا ہے اس کے بعد اس دوسرے ترجمہ کو منعقد فرما کر حدیث نہیں ذکر کرتے، پہلی حدیث پر بس کرتے ہیں، جو غور نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ امام بخاریؒ کسی وجہ سے حدیث نہیں لا سکے، حالانکہ بخاریؒ پہلے ہی فارغ ہو چکے ہیں۔ کما فصلناہ فی التراجم المجردۃ۔

کبھی ترجمہ میں چند امور مذکور ہوتے ہیں، مگر حدیث میں صرف بعض کا ذکر ہوتا ہے تو ایسی حالت میں کہیں تو ترجمہ کے ذیل میں آثار و اقوال سے اس کی مکافات کر جاتے ہیں، اور کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ قیاس پر حوالہ منظور ہوتا ہے، بہت مواقع میں ترجمہ میں ایک لفظ مجمل و مبہم ایسا لاتے ہیں کہ شراح بھی اس کی تعیین و تفصیل میں مختلف ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں وہ احتمال راجح ہونا چاہئے جو مقام کے زیادہ مناسب

ہو اور جس میں مؤلف پر کوئی خدشہ عائد نہ ہو۔ اگر دونوں مساوی ہوں تو ہم سمجھیں گے کہ مولف کی مراد دونوں ہیں۔ اور اسی لئے ایسا لفظ اختیار کرلیا ہے۔

۱۱۔ بہت جگہ ایسے ترجمے نظر آتے ہیں کہ جن کے بیان کرنے کی حاجت معلوم نہیں ہوتی سو اس کی چند وجہ ہیں، ایک یہ کہ کسی قول قائل کی رد کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے کسی قول کی تردید کی طرف مولف نے بہت جگہ اشارہ کیا ہے، جس کا پتہ ان کتابوں کے تفحص سے معلوم ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض مواقع میں کسی خدشہ کا احتمال ہوتا ہے یا کسی روایت کے تخالف اور تضاد کی طرف وہم جاتا ہے اس کے انسداد کے لئے مؤلف ایسا کرتے ہیں، تیسرے یہ کہ جواز و اباحت کے بیان کرنے کی گو حاجت نہ ہو۔ مگر سنیت و استحباب کا اثبات منظور ہو جو قول و فعل شارع پر موقوف ہے اور حکم قیاسی اور مستنبط کو منصوص کر دینا دیکھو کتنا انفع اور اہم ہے۔

۱۲۔ کبھی مؤلف رح ایک ترجمہ منعقد کرتے ہیں جو اس کو مقصود ہے، مگر روایات میں بعینہ اس کی دلیل نہیں ملتی یا دلیل میں قلت اور تنگی ہے یا کوئی خلجان ہے اس لئے ترجمہ کے بعد اس کے مناسب دوسرا ترجمہ بیان کر دیتے ہیں، جس کے دلائل بعینہ صریح موجود ہیں اور ترجمہ ثانی کے مطابق روایت ذکر کرتے ہیں اور مقصود اس روایت سے ترجمہ اولیٰ کا اثبات ہوتا ہے، جو مقصود ہے، ترجمہ ثانی صرف استدلال میں وسعت اور سہولت پیدا کرنے کو لاتے ہیں۔

۱۳۔ کبھی ترجمہ میں دو امر مذکور ہوتے ہیں، لیکن حدیث صرف ایک جزو کے متعلق مذکور ہوتی ہے جس کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ایک جزو بلا ثبوت رہ گیا۔ مگر مقصود مولف چونکہ جزو واحد ہے، دوسرا جزو مسلم اور ظاہر ہے۔ فقط تبعاً یا احتیاطاً بیان کر دیا ہے اس لئے اس کے متعلق حدیث بیان کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

۱۴۔ کبھی ترجمہ کے بعد اس کے مطابق حدیث بیان کر کے دوسری روایت ایسی بیان کر جاتے ہیں جس کا تطابق ترجمہ سے ظاہر نہیں ہوتا، سو اس کی توجہ ہے کہ حدیث اول میں کوئی امر قابل بیان ہوتا ہے اس کی تکمیل کی ضرورت سے حدیث ثانی لاتے ہیں، اثبات ترجمہ کے لئے نہیں لاتے، بلکہ بعض اوقات کسی ضرورت سے حدیث ثانی مخالف ترجمہ بیان کر جاتے ہیں۔

۱۵۔ اکثر مواقع میں ترجمہ کا حکم مذکور نہیں ہوتا، ترجمہ کو مطلق ذکر کرتے ہیں، سو اکثر مقام میں تو اس کا مقصد بے تکلف ناظرین سمجھ لیتے ہیں، بعض مواقع میں علماء میں خلاف پیش آجاتا ہے کبھی اس کی وجہ سے مؤلف پر عدم تطابق حدیث کے الزام کی نوبت آتی ہے ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ روایات میں غور کرنے کے بعد ترجمہ میں اطلاق یا تقیید جو اولیٰ ہو اس کو قائم رکھا جاوے اور تعین قید میں بھی موافقت احادیث ملحوظ رہے۔

تمت رسالۂ شیخ الہند

تعارف وتبصرہ

بر

شروح وحواشی صحیح بخاری

صَاحب کشف الظنون نے (اناسی ۷۹) شروح وحواشی ومختصراتِ بخاری کا تذکرہ کیا ہے. اور شیخ محمد زکریا رحمہ نے مقدمۂ لامع الدراری میں ایک سو بتیس ۱۳۲ شروح وحواشی وامالی کا تذکرہ کیا ہے

مشہور ترین شروح صحیح بخاری

۱۔ فتح الباری بشرح صحیح الامام البخاری۔ للحافظ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ وکان ولد فی ۷۷۳ھ

اس شرح کی ابتدار ۸۱۷ھ سے ہوئی اور اختتام شروع رجب ۸۴۲ھ میں ہوا۔

اس طرح پچیس سال میں یہ کام مکمل ہوا۔ اس سے قبل ۸۱۳ھ میں مقدمہ یعنی ہدی الساری مکمل ہوچکا تھا۔ اور اس سے بھی قبل ۸۰۴ھ میں تغلیق التعلیق مکمل کرلی تھی جس میں صحیح بخاری کی تعلیقات کی تخریج کی ہے (فتح الباری ص ۴۶/۱۳ و مقدمۂ تغلیق التعلیق ص ۲۱۵)

حافظ نے اپنی کتاب۔ انتقاض الاعتراض۔ میں یہ لکھا ہے کہ میں نے بخاری کی شرح ۸۱۳ھ میں شروع کی۔ اس سے قبل احادیث معلقہ کی تخریج ایک کتاب میں جس کا نام تغلیق التعلیق ہے کرلی تھی جو ۸۰۴ھ میں مکمل ہوگئی تھی۔ پھر ایک مقدمہ بھی تیار کرلیا جو استنباط کے سوا شرح کے تمام مقاصد پر مشتمل ہے یہ ۸۱۳ھ میں مکمل ہوا۔ اسی سال شرح کا کام شروع کردیا۔ اس کا ایک حصہ لکھا جس میں بہت تفصیل کی پھر اندیشہ ہوا کہ اس تطویل کے ساتھ شاید شرح پوری نہیں ہوسکے گی۔ تو متوسط شرح لکھنا شروع کی جس کا نام فتح الباری بشرح البخاری رکھا۔ پانچ سال کے بعد یا اس کے قریب اس شرح کا ایک ربع تیار ہوگیا۔ پھر ماہر طلبہ کی ایک جماعت مجھے میسر ہوگئی۔ جنھوں نے اس شرح کی تحریر میں میرا ہاتھ بٹایا۔ الخ

(مقدمۂ لامع ص ۱۲۸)

اس تحریر سے جو خود حافظ کی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۸۱۳ھ ہی سے شرح کا کام شروع ہوگیا تھا واللہ اعلم۔ انتقاض الاعتراض عینی کے اعتراضات کے جواب میں لکھی تھی۔ اسی طرح ایک اور کتاب۔ الاستنصار علی الطاعن المعثار۔ بھی علامہ عینی کی غلطیوں کو ظاہر کرنے کے لئے لکھی تھی۔ فتح الباری تیرہ (۱۳) جلدوں میں ہے۔ اور مقدمہ ھدی الساری بھی ایک ضخیم جلد میں ہے۔ حافظ کی یہ شرح تمام شرحوں سے اچھی سمجھی جاتی ہے۔ اور سب سے زیادہ مشہور ہے۔

یہ شرح جب مکمل ہوگئی تو حافظ نے ۲ر شعبان ۸۴۲ھ بروز شنبہ ایک زبردست دعوت کی جس میں تقریباً تمام بڑے لوگ شریک ہوئے۔ اس دعوت پر پانچ سو دینار صرف ہوئے۔ اس شرح کو اطراف کے بادشاہوں نے لکھوایا اور تین سو دینار میں فروخت ہوئی اور اطراف عالم میں مشہور ہوئی۔ (مقدمۂ لامع ص ۱۲۸)

۲۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعلامۃ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی م ۸۵۵ھ

علامہ عینی کی ولادت عین تاب میں جو حلب سے تین منزل پر ہے ۱۷ر رمضان ۷۶۲ھ کو ہوئی۔ یعنی ابن حجر سے گیارہ سال بڑے تھے اور انتقال بھی حافظ سے تین سال بعد ذی ۸۵۵ھ میں ہوا۔

عمدۃ القاری پچیس جزوں میں ہے جو مصر سے بارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ لیکن علامہ عینی نے اس کو اکیس جزوں میں تقسیم کیا تھا۔ شرح کے اخیر میں عینی لکھتے ہیں۔ میں اس اکیسویں[۲۱] جزو کی تالیف سے ۵ر جمادی الاولیٰ ۸۴۷ھ کو سنیچر کی شب میں ثلث اول کے آخر میں فارغ ہوا۔ اور تالیف کی ابتداء آخر رجب ۸۲۰ھ میں ہوئی تھی۔ (اس طرح ۲۷ سال میں یہ کام تمام ہوا)

پھر تفصیل بتاتے ہیں کہ جزو اول سے فراغت ۶ر ذی الحجہ ۸۲۰ھ کو ہوئی۔ اور جزو ثانی ۷ر جمادی الاخریٰ ۸۲۱ھ کو اور جزو ثالث سے ۸ر جمادی الاولیٰ ۸۳۳ھ (شاید صحیح ۸۳۸ھ ہے ۱۲ مقدمۂ لامع ص ۱۲۹) کو۔ جب کہ میں اس میں آدھے سال ٹھہرا رہا۔ ان دونوں جزوں میں فاصلہ سولہ[۱۶] سال کا ہوا[1]۔ چوتھے جزو سے فراغت ۹ر ربیع الاول ۸۳۹ھ کو ہوئی۔ پھر برابر تالیف وکتابت ہوتی رہی۔ تاآنکہ ۸۴۷ھ میں کتاب تمام ہوئی۔

---

[1] سولہ[۱۶] سال اس وقت ہوگا جبکہ جزو ثالث سے فراغت ۸۳۸ھ میں مانی جائے۔ اسی لئے شیخ محمد زکریا نے فرمایا کہ یہاں تحریف واقع ہوئی ہے۔ (مقدمۂ لامع ص ۱۲۹ کا حاشیہ) یعنی ان درمیانی سالوں میں بادشاہ مؤید کے بھیجے سے بلاد روم گئے تھے اور ۸۲۹ھ میں قاضی القضاۃ ہوگئے تھے۔ نیز اسی درمیان میں ملک اشرف برسبائی کو اپنی عربی تاریخ کا ترکی میں ترجمہ کرکے سناتے رہے تھے۔ یعنی ۸۳۳ھ میں قضاء سے الگ ہوئے اور سعد الدین دیری حنفی قاضی ہوئے (مقدمۂ عمدۃ القاری للکوثری)

عینی نے حافظ کے کچھ بعد سے شرح لکھنے کا کام شروع کیا اور حافظ کے پانچ سال بعد ختم کیا۔ حافظ کے انتقال سے پانچ سال قبل عینی کی شرح مکمل ہوگئی تھی۔ ان دونوں میں منافست تھی۔ ایک دوسرے کی تردید کیا کرتے تھے۔ دونوں کی تالیف کا بیشتر زمانہ ساتھ ساتھ تھا بعض طلبہ دونوں کے یہاں آتے جاتے تھے۔ برھان بن خضر جو حافظ ابن حجر کے تلامذہ میں سے ہیں۔ حافظ کی شرح کے اجزاء عینی کو دکھاتے تھے اس لئے عینی جگہ جگہ بعضہم کہکر حافظ کا کلام نقل کرکے اس کی تردید کرتے ہیں۔

جب عینی کی شرح ظاہر ہوئی تو حافظ ابن حجر نے عینی کی تردید کے لئے۔ انتقاض الاعتراض لکھی۔ اس میں اعتراضات لکھ کر جگہ خالی رکھی کہ اس کا جواب لکھیں گے لیکن اس کا موقع نہیں آیا۔ انتقال ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عینی کے اعتراضات قوی تھے۔ بعض جگہوں کا حافظ نے تشفی بخش جواب بھی دیا ہے۔ اور بعض جگہوں پر عینی کے اعتراضات بالکل کمزور ہیں۔
(بدر الدین العینی واثرہ للشیخ صالح معتوق)

حافظ نے لکھا ہے کہ ۸۲۲ھ میں ایک طالب علم نے محتسب قاہرہ کے قلم سے لکھی ہوئی ایک کاپی مجھے دکھائی اس میں اَسّی سے زیادہ غلطیاں تھیں۔ میں نے اس پر ایک جزء لکھ دیا جس کا نام۔ الاستنصار علی الطاعن المعثار۔ رکھا۔ اس میں عینی کی شرح کے خطبہ سے متعلق فتوے کا جواب تھا۔

کوثری نے لکھا ہے کہ عینی کی شرح ظاہر ہونے کے بعد ابن حجر نے اپنی شرح میں بعض جگہوں پر اصلاح بھی کی۔ (مقدمۂ لامع ص۱۳ وص۱۳۹ ومقدمۂ عمدۃ القاری للکوثری ص۹ ومقدمۂ فیض الباری ص۳۵)

بعض لوگوں نے عینی پر یہ الزام لگایا ہے کہ انھوں نے ابن حجر کی شرح سے استفادہ کیا ہے مگر ان کا نام نہیں لیا اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض جگہوں پر بالکل وہی عبارت ہے جو فتح الباری میں ہے اس کا جواب کوثری نے یہ دیا ہے کہ دونوں کے ماخذ ایک تھے اسلئے

عبارت بھی ایک ہے۔ (مقدمۂ عمدہ ص۹ اور علامہ بدر الدین اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام ص۱۷۲) تاہم چونکہ فتح الباری کا وجود مقدم ہے اور عینی کو وہ پہونچتی رہی تو یقیناً عینی نے اس سے فائدہ اٹھایا ہوگا اور ماخذ کا حوالہ دیکھکر نفس ماخذ سے فائدہ حاصل کیا ہوگا۔ اسی لئے عبارتوں میں اتحاد ہوگیا۔ (آخری ماخذ ص۱۷۴)

دونوں میں تقابل

رہ گئی یہ بات کہ دونوں میں کون سی شرح اعلیٰ اور بہتر ہے تو صحیح بات یہ ہے کہ کچھ خوبیاں عمدہ میں ہیں جو فتح میں نہیں اور کچھ خوبیاں فتح میں ہیں جو عمدہ میں نہیں۔

علامہ کشمیری کی تقریر میں ہے کہ حافظ کی شرح صنعت حدیث کے لحاظ سے افضل ہے اور اس لحاظ سے کہ اس میں تقریر اور ترتیب عمدہ ہے اور مراد کی تعیین نیز روایات کا اعتبار (یعنی شاہد و متابع کی تلاش) عمدہ طریقہ پر کیا گیا ہے۔

عینی کی شرح اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس میں الفاظ کی شرح اور تفسیر اچھے طریقہ پر بیان ہوئی ہے۔ اور اکابر کی نقول کثرت سے بیان ہوئی ہیں۔ لکن بیان میں انتشار ہے حافظ کی طرح ترتیب عمدہ نہیں۔ اور یہ تفصیل بھی جزء رابع تک ہے۔ الحاصل حافظ کی شرح مقدم ہے۔ (مقدمۂ فیض الباری ص۳۵) شیخ صالح معتوق نے عمدہ کی یہ خصوصیات ذکر کی ہیں

۱- عمدۃ القاری کے مجموعی صفحات ۷۶۳۱ ہیں۔ فتح الباری کے صفحات مقدمہ چھوڑ کر ۷۵۱۵ ہیں۔ نیز عمدہ کے صفحات بڑے ہیں اس طرح تقریباً عمدہ، فتح سے ایک چوتھائی زائد ہے۔

۲- عینی ایک حدیث اور دوسری حدیث میں فصل کر کے تشریح کرتے ہیں۔ حافظ تمام احادیث باب لکھ کر شرح کرتے ہیں۔ حدیثیں الگ الگ نہیں کرتے۔ (حقیقت میں حافظ نے شرح میں حدیثیں نقل ہی نہیں کی ہیں بعد کے لوگوں نے حدیثیں درج کی ہیں (دیکھئے فتح ص۵)

۳- تخریج احادیث میں تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ بخاری کے سوا کن کن لوگوں نے تخریج

کی ہے اس کو بتاتے ہیں ان کے علاوہ بھی بعض خصوصیات ذکر کی ہیں۔ (بدرالدین العینی واثرہ فی علم الحدیث کا ترجمہ صہ ۱۶۲) فتح الباری کی خصوصیات یہ ذکر کی ہیں۔

۱۔ مقدمہ ہدی الساری بہت اہمیت رکھتا ہے۔ (عمدہ میں صرف دس صفحات میں عینی نے دس فوائد ذکر کئے ہیں)

۲۔ ابن حجر باب کے آخر میں احادیث کی تعداد تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ مرفوع، موقوف، مکرر اور معلق الگ الگ۔ امام مسلم نے جن میں موافقت کی ہے اس کو بھی بتاتے ہیں

۳۔ فتح الباری میں آخر کتاب میں بھی مفصل شرح کرتے ہیں۔ جبکہ عینی میں شروع میں تفصیل ہے آخر میں کافی اختصار۔ وغیر ذلک (ایضًا صہ ۱۷۰)

علامہ کوثری نے عمدہ کو فتح پر ترجیح دی ہے اور عینی نے شرح میں جو تفصیلات ذکر کی ہیں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ دونوں میں وہی فرق ہے جو بدر اور شہاب میں ہے۔ (مقدمۂ عمدہ صہ ۹) اور یہ کہ بدر کامل نور کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے جب کہ شہاب ہر وقت نہیں روشن ہوتا (مقدمۂ لامع صہ ۱۲) لیکن یہ تفصیلات شروع کے چار اجزاء میں ہیں۔ پوری کتاب میں نہیں (ترجمہ بدرالدین عینی صہ ۱۷۶) حافظ سے کسی نے کہا کہ شرح عینی بدیع وغیرہ میں آپ کی شرح سے بڑھ کر ہے تو فوراً فرمایا۔ یہ باتیں انھوں نے رکن الدین م ۷۸۳ھ کی شرح سے لی ہیں۔ مجھ کو اس کا علم تھا لیکن میں نے اس سے نقل نہیں کیا اسلئے کہ وہ کتاب مکمل نہیں۔ تھوڑا سا حصہ ہے اسی لئے عینی نے اس کے بعد اس موضوع پر کلام نہیں کیا (مقدمۂ لامع صہ ۱۳)

دونوں شرحوں میں اپنے اپنے مذہب کی بیجا حمایت پائی جاتی ہے۔

ابن خلدون نے اپنے مشائخ سے یہ نقل کیا تھا کہ بخاری کی شرح امت پر قرض ہے۔ سخاوی کا خیال ہے کہ ابن حجر نے اس کو ادا کر دیا۔ اور کشف الظنون صہ ۶۴۱ میں حاجی خلیفہ نے کہا کہ ابن حجر اور عینی دونوں نے یہ دین ادا کیا۔ کوثری کہتے ہیں کہ منصف کے نزدیک اس میں عینی کا زیادہ حصہ ہے۔ (مقدمۂ عمدہ صہ ۹) بہر حال بعد کے شراح انہی دونوں شرحوں

کے خوشہ چیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی خدمات کو قبول فرمائے اور ہم کو ان سے منتفع فرمائے۔ آمین۔

۳۔ ارشاد الساری الی شرح صحیح البخاری۔ للشیخ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی المصری الشافعی۔ ولد فی ذی القعدۃ ۸۵۱ھ وتوفی فی المحرم ۹۲۳ھ۔

یہ شرح گویا فتح الباری اور عمدۃ القاری کا خلاصہ ہے۔ اس میں برماوی، دمامینی اور نووی وغیرہم کی شروح سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اس شرح کو قسطلانی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ قَسطَلانی اور قسطلّانی لام کی تشدید وتخفیف دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔

اس کی تالیف سے ۱۷ ربیع الثانی ۹۱۶ھ میں فارغ ہوئے۔ اور کتاب الاحکام کی تالیف سے ۱۵ محرم ۹۱۶ھ میں فارغ ہوئے تھے۔ یعنی یہاں سے آخر تک صرف تین مہینہ دو دن میں لکھ لیا۔

ان کی مشہور تصنیف مواہب لدنیہ ہے اس کی تالیف سے ۸۹۸ھ میں فارغ ہوئے اس کی شرح زرقانی نے لکھی ہے جو سیرت میں بہت مشہور کتاب ہے۔

ان کی نسبت قسطلینہ کی طرف ہے جو افریقہ میں کہیں واقع ہے۔ مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں انتقال ہوا۔ عینی کے پڑوس میں دفن ہوئے۔

قرارت کے بھی ماہر تھے۔ شاطبیہ کی شرح بھی لکھی ہے۔ اور لطائف الاشارات فی القراءات الاربع عشرۃ بھی۔ قصیدہ بردہ کی بھی شرح لکھی۔

سخاوی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری کے شاگرد تھے۔ سیوطی ان پر ناراض تھے اسلئے کہ مواہب میں سیوطی کی کتابوں سے مضامین نقل کئے تھے اور سیوطی کی طرف نسبت نہیں کی اس مسئلہ کا قضیہ شیخ زکریا انصاری کی خدمت میں پیش ہوا تو قسطلانی اپنی برات نہیں ثابت کر سکے۔

بڑے اچھے واعظ بھی تھے۔ کئی مرتبہ حج کیا اور مکہ مکرمہ میں مجاور بھی رہے (مقدمہ لامع ص ۱۳۰)

۴۔ الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری۔ للعلامۃ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی۔ البغدادی۔ الشافعی۔ ولد فی ۱۶ جمادی الاخری ۷۱۷ھ وتوفی فی ۱۶ محرم ۷۸۶ھ

یہ نام الہامی ہے۔ موصوف نے یہ شرح مکہ مکرمہ میں ۷۷۵ھ میں پوری کی۔ مطاف میں ایک رات سوئے ہوئے تھے دل میں یہ نام الہام ہوا۔ اس شرح سے ابن حجر، عینی اور بعد کے شراح نے استفادہ کیا ہے۔ موصوف حدیث، تفسیر، فقہ، معانی اور عربیت میں امام تھے۔

موصوف نے اپنے والد صاحب سے تحصیل علم کیا۔ پھر کرمان گئے اور قاضی عضد الدین ابن یحیٰ کی خدمت میں بارہ سال رہے۔ پھر سفر شروع کیا اور مصر، شام، حجاز اور عراق کے مشائخ سے تحصیل علم کیا۔ مصر میں بخاری ناصر الدین فاروقی سے پڑھی۔ حج کیا اور بغداد میں سکونت اختیار کی اور تیس سال وہیں رہے۔ اہل دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ بادشاہ ان کے یہاں آتے تھے اور دعا و نصیحت کی درخواست کرتے تھے۔ اخیر عمر میں بھی حج کیا۔ واپسی میں راستہ میں انتقال ہوا۔ بغداد میں شیخ ابو اسحاق شیرازی کے قریب اپنی قبر تیار کی تھی اسی میں ان کو دفن کیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

کرمانی کی شرح مفید ہے لیکن اس میں اوہام ہیں۔ یہ شرح خطابی شافعی، ابن بطال مالکی اور مُغلطائی حنفی کی شروح سے مستفاد ہے۔ (مقدمۂ لامع ص ۱۳۱)

بعض دیگر شروح (ماخوذ از مقدمۂ لامع)

۵۔ شرح الامام النووی الشافعی۔ ولادت ۶۳۱ھ وفات ۶۷۶ھ عمر ۴۵ سال۔

یہ شرح مذکورہ شرحوں سے قدیم ہے لیکن صرف کتاب الایمان کے باب النصح لکل مسلم تک ہے اس کے بعد نووی کا انتقال ہو گیا۔ ابو داؤد کی شرح بھی لکھنا شروع کی تھی وہ بھی مکمل نہیں ہوئی۔ شرح بخاری کے لئے مقدمہ لکھا تھا جو حاجۃ القاری کے نام سے شائع ہوا ہے۔

نووی نے شادی نہیں کی۔ بہت مجاہدہ کرتے تھے۔ صرف بعد العشاء تھوڑا سا کھا لیتے

تھے۔ سحری میں پانی پی لیتے تھے۔ نووی کی شرح مطبوع ہے۔

۶۔ اعلام السنن للخطابی ابی سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم البستی المتوفی ۳۸۸ھ

ایک جلد میں مختصر سی شرح ہے۔ خطابی نے اس سے قبل ابوداؤد کی شرح معالم السنن کے نام سے لکھی تھی۔ (اعلام الحدیث کے نام سے چار جلدوں میں مکہ مکرمہ سے چھپ گئی ہے)

امام محمد (تیمی یا) تیمی نے اس پر اضافہ کیا اور خطابی کے اوھام بیان کئے۔

۷۔ شرح الداؤدی۔ ابوجعفر احمد بن سعید یا احمد بن نصر داؤدی اسدی، مغرب کے ائمہ مالکیہ میں سے ہیں طرابلس میں تھے پھر تلمسان چلے گئے اور وہیں ۴۰۲ھ میں انتقال ہوا۔ انھوں نے موطا کی شرح لکھی اور بخاری کی شرح کا نام النصیحۃ تھا۔ اس سے ابن التین نقل کرتے ہیں

۸۔ شرح المہلب۔ المہلب ابوالقاسم بن محمد بن اسید بن ابی صفرہ التیمی۔ یہ اصیلی کے کبار تلامذہ میں تھے ان سے اندلس میں بخاری شریف مشہور ہوئی۔ انھوں نے بخاری کا اختصار بھی کیا جس کا نام النصیح فی اختصار الصحیح رکھا اور اس پر حاشیہ بھی لکھا۔ مالکی تھے۔ فقہ وحدیث کے ماہر تھے۔ مالقہ کے قاضی بھی ہوئے۔ ۴۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے ایک شاگرد ابوعبداللہ محمد بن خلف متوفی بعد ۴۸۰ھ نے ان کی شرح کا اختصار کیا اور کچھ فوائد کا اضافہ بھی۔

۹۔ شرح ابن بطال المغربی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ۔ انھوں نے زیادہ تر فقہ مالکی کو بیان کیا۔ ان کی شرح سے کرمانی نے فائدہ اٹھایا کما مر

۱۰ شرح ابن التین۔ ابن التین السفاقسی کی شرح سے حافظ نے بہت سی باتیں نقل کی ہیں ان کا نام عبدالواحد تھا۔ نویں صدی سے قبل گذرے ہیں۔

۱۱ شرح الامام۔ زین الدین علی بن محمد بن منصور ابن المنیّر المتوفی ۶۹۵ھ۔ انھوں نے دس جلدوں میں بخاری کی شرح لکھی تھی۔

ان کے بھائی ناصر الدین احمد بن محمد ابن المنیّر نے تراجم بخاری پر کتاب لکھی جس کا نام المتواری علی تراجم البخاری۔ ہے ان کی وفات ۶۸۳ھ میں ہوئی۔ (مقدمۂ لامع ص ۱۳۴)

انھوں نے چار سو تراجم پر کلام کیا ہے۔ اس کا خلاصہ بدر بن جماعۃ نے کیا اور اس پر اضافہ بھی۔ علی بن المنیرؒ نے بھی اپنی شرح میں تراجم پر گہرا کلام کیا ہے۔ (ہدی ص۱۴)

۱۲- شرح الامام قطب الدین عبدالکریم بن عبدالنور الحلبی الحنفی المتوفی ۷۳۵ھ۔ نصف بخاری کی شرح تبییض کے بعد دس جلدوں میں تھی۔

۱۳- شرح الامام الحافظ علاء الدین مُغلطای بن قَلیج الترکی المصری الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ۔ یہ ضخیم شرح ہے التلویح نام ہے۔ یہ علامہ مُغلطای بہت بڑے محدث تھے ان کی سو سے اوپر تصنیفات ہیں۔

ابن ماجہ اور ابوداؤد کی شرحیں لکھیں جو ناتمام ہیں۔ مزی کی تہذیب الکمال پر بھی حاشیہ لکھا ہے جس سے حافظ نے تہذیب التہذیب میں فائدہ اٹھایا ہے۔

قطب الدین حلبی اور علامہ مغلطای کی شرحوں سے بعد کے لوگوں نے خصوصاً ابن الملقن نے فائدہ اٹھایا ہے۔

جلال الدین تبانی متوفی ۷۹۳ھ نے مغلطای کی شرح کی تلخیص کی ہے۔

۱۴- شرح تقی الدین یحیٰ بن محمد کرمانی۔ یہ کرمانی مذکور الصدر کے بیٹے کی شرح ہے۔ قسطلانی نے اس کو دیکھا تھا۔ آٹھ بڑے جزوں میں تھی۔

۱۵- شرح سراج الدین عمر بن علی بن المُلَقِن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ۔ بیس جلدوں میں تھی شروع میں اہم مقدمہ بھی۔ شرح کا نام شواہد التوضیح تھا۔ مغلطای اور قطب الدین سے ماخوذ تھی۔

۱۶ شرح العلامۃ البرماوی المتوفی ۸۳۱ھ۔ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالدائم ابن موسیٰ البرماوی الشافعی کی اس شرح کا نام۔ اللامع الصبیح۔ تھا۔ چار جزوں میں تھی۔

۱۷- شرح الشیخ برہان الدین ابراہیم بن محمد الحلبی جو سبط ابن العجمی سے مشہور تھے۔ ۸۴۱ھ میں انتقال فرمایا ان کی شرح کا نام۔ التلقیح لفہم قاری الصحیح ہے۔ ان کے قلم سے دو جلدوں

ہیں اور دوسرے کے قلم سے چار جلدوں میں تھی۔ اس میں اچھے فوائد ہیں۔ ان کے حدیث میں دو سو اساتذہ تھے۔ صحیح بخاری ساٹھ مرتبہ سے زیادہ پڑھی تھی اور مسلم تقریباً بیس مرتبہ، انھوں نے مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ پر بھی حواشی لکھے تھے۔

ان کی شرح کا اختصار محمد بن محمد الشافعی متوفی ۸۶۴ھ نے کیا تھا۔

۱۸۔ شرح الزرکشی المسمیٰ بہ التنقیح ۔ محمد بن بہادر بن عبداللہ ترکی الاصل مصری بدرالدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ نے ایک مختصر شرح لکھی۔ اس کی تلخیص محمد بن یوسف سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے کی اس تنقیح پر حافظ ابن حجر اور قاضی محب الدین بغدادی حنبلی متوفی ۸۴۴ھ نے نکت لکھے

۱۹۔ تعلیق المصابیح علی ابواب الجامع الصحیح ۔ یہ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر مخزومی دمامینی م ۸۲۸ھ کی تالیف ہے۔ قسطلانی نے اس کا مطالعہ کیا تھا۔ بدرالدین موصوف کا لقب تھا۔ یہ کتاب موصوف نے سلطان احمد شاہ ہندی کے لئے لکھی تھی۔ یہ بعض کا خیال ہے۔ کتاب کے دیباچہ میں یہ بات نہیں لکھی ہے بلکہ کتاب کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ یہ تالیف زبید یمن میں ۱۰ ربیع الاول ۸۲۸ھ کو پوری ہوئی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ اخیر میں احمد آباد ہند آگئے تھے۔ اور وہیں شعبان ۸۲۸ھ میں انتقال ہوا۔ نیل الابتہاج میں ان کے انتقال کی جگہ گلبرگہ بتایا ہے

۲۰۔ التوشیح علی الجامع الصحیح ۔ امام سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی تالیف ہے۔ زرکشی کی تنقیح کی طرح۔ ایک تعلیق ترشیح نام کی بھی ہے جو ناقص ہے۔ سیوطی نے صحاح ستہ اور مؤطا پر تعلیقات لکھی ہیں۔

اور علی بن سلیمان دمنتی مغربی مالکی نے ان تمام کی تلخیص کی ہے۔ توشیح کی تلخیص کا نام روح التوشیح ہے اور کمال ہے کہ یہ ساری تلخیصات چھ مہینے کے قریب میں پوری کر لیں۔ اور یہ سب ۱۲۹۸ھ کے آخر میں چھپ بھی گئیں۔ اور اسی سال ملخص کا انتقال بھی ہو گیا۔

۲۱۔ شرح ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ ۔ یہ شروع کے کچھ حصہ کی شرح تھی۔

۲۲۔ فتح الباری۔ حافظ زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب دمشقی حنبلی متوفی ۷۹۵ھ کی شرح کتاب الجنائز تک۔

۲۳۔ فیض الباری۔ علامہ سراج الدین عمر بن رسلان بُلقینی شافعی متوفی ۸۰۵ھ نے اس نام سے کتاب الایمان تک شرح کی جو پچاس کاپیوں میں تھی۔ قسطلانی نے اس کی ایک جلد دیکھی تھی۔ ابن فہد نے کہا بہت طویل شرح تھی اگر پوری ہوتی تو دوسو جلدوں میں ہوتی۔

۲۴۔ منح الباری بالسیح الفسیح المجاری۔ فی شرح البخاری تالیف علامہ مجد الدین فیروز آبادی شیرازی متوفی ۸۱۷ھ۔ قسطلانی نے اس کا نام فتح الباری بتایا ہے۔ بقول قسطلانی عبادات کا رُبع ۲۰ جلدوں میں، پوری ۴۰ جلدوں میں تھی۔ ابن العربی کی فتوحات کی بہت سی باتیں نقل کی تھیں۔ اسلئے ابن العربی کے معترضین اس پر عیب لگاتے تھے حافظ نے اس کا ایک ٹکڑا دیکھا تھا جس کو کیڑے کھا گئے تھے۔ پڑھا نہیں جاسکتا تھا۔

۲۵۔ بھجۃ النفوس وغایتھا بمعرفۃ مالھا وما علیھا۔ عارف باللہ عبداللہ بن ابی جمرۃ متوفی ۶۹۹ھ نے بخاری کا ایک اختصار کیا جس میں تقریباً تین سو احادیث لیں اور سند حذف کر دی تاکہ یاد کرنا آسان ہو پھر اس کی شرح کی۔ دو جلدوں میں ہے۔ غامض اور دقیق علوم بیان کئے ہیں (حافظ ان کا کلام نقل کیا کرتے ہیں) مؤلف صاحب کرامات بزرگ تھے فرمایا کہ بحمد للہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے

۲۶۔ تعلیق التعلیق تالیف حافظ ابن حجر عسقلانی۔ یہ بہت عظیم کتاب ہے۔ ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ ھدی میں سند حذف کرکے اس کا اختصار کر دیا ہے۔ اس کی تالیف سے ۸۰۷ھ یا ۸۰۴ھ میں فارغ ہوئے۔ اس میں بخاری کی معلق روایات کی تخریج کرکے موصولاً ذکر کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ حافظ کی پہلی تصنیف ہے (تحقیق وتحشیہ کے ساتھ طبع ہو گئی ہے) حافظ نے خود اس کا اختصار کیا اور اس کا نام التشویق الی وصل المبہم من التعلیق رکھا پھر اس کا اختصار کیا اور اس کا نام التوفیق بتعلیق التعلیق رکھا۔

۲۷ شرح الامام رضی الدین حسن بن محمد صغانی لاہوری حنفی متوفی ۶۵۰ھ۔ مختصر ایک جلد میں تھی یہ صغانی مشارق الانوار کے مصنف ہیں۔ ان کا خاندان صغان ماوراء النہر کا باشندہ تھا ان کے اجداد میں کوئی لاہور آیا وہیں یہ مولانا حسن پیدا ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے خاندان سے تھے۔ بڑے لغوی فقیہ اور محدث تھے۔ مکہ مکرمہ، عدن اور ہند میں مشائخ کبار سے حدیثیں سنیں۔ خلیفۂ بغداد کی طرف سے سفیر بنکر ہندوستان گئے تھے۔ بغداد میں انتقال ہوا اور وصیت کے مطابق ان کی نعش مکہ مکرمہ لے جائی گئی۔ مجمع البحرین کے نام سے لغت میں ان کی تصنیف ہے۔ موضوع احادیث پر بھی دو رسالے ہیں لیکن ان میں صحیح حسن اور ضعیف حدیثیں بھی داخل کر دی ہیں۔ سخاوی نے فتح المغیث میں اس کی شکایت کی ہے۔

۲۸ شرح المولیٰ الفاضل احمد بن اسماعیل بن محمد کورانی حنفی المتوفی ۸۹۳ھ۔ اس شرح کا نام الکوثر الجاری علی ریاض البخاری ہے۔ اس میں ابن حجر اور کرمانی کی بہت سی جگہ تردید ہے۔ ۸۷۴ھ میں اس کی تصنیف سے فارغ ہوئے، دو جلدوں میں یہ شرح تھی۔ اس میں مشکل لغات کا حل بھی تھا اور رواۃ کے اسماء کا ضبط بھی۔ یہ شمس کورانی، محمد بن عثمان فاتح قسطنطنیہ کے مؤدب تھے۔ سلطان محمد خاں کے زمانہ میں یہ منصبِ فتوی پر فائز کئے گئے اور اسی زمانہ میں قرآن کریم کی تفسیر غایۃ الامانی بھی لکھی، پوری رات عبادت کرتے اور ہر رات ایک قرآن ختم کرتے۔ بڑے وجیہ اور حق گو تھے۔ ۱۲ ؎۱

۲۹ شرح امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی متوفی ۴۸۲ھ۔ یہ ایک مختصر سی شرح تھی علامہ بزدوی حنفی بڑے امام تھے۔ مختلف علوم کے جامع، اصول و فروع میں امام الدنیا۔ ان کی مبسوط گیارہ جلدوں میں تھی۔ اصول بزدوی اصول فقہ میں بڑی اور معتبر کتاب ہے

؎۱ استنبول میں جہاں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر بتائی جاتی ہے وہاں باہر دیوار پر لکھا ہوا ہے کہ سلطان محمد فاتح کے شیخ آک شمس الدین کو کشف ہوا کہ یہاں حضرت ابوایوبؓ کی قبر ہے ۱۲ ہم نے ستمبر ۱۹۹۳ء کے سفر میں اس کو دیکھا تھا۔ فضل الرحمٰن اعظمی۔

ان کی تفسیر بھی تھی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک سو بیس (۱۲۰) جزوں میں تھی اور ہر جز ایک ضخیم مصحف میں۔ ان کا سن وفات نواب صدیق حسن خان صاحب نے ۸۸۴ھ بتایا ہے جو غلط ہے۔ صاحب کشف الظنون نے بھی یہی لکھا ہے جو وہم ہے قالہ الامام اللکھنوی فی الفوائد البھیۃ (مقدمہ لامع ص ۱۴۱)

۴۰۔ کتاب النجاح فی شرح کتاب اخبار الصحاح۔ للشیخ نجم الدین ابی حفص عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل النسفی الامام الزاھد الحنفی المتوفی ۵۳۷ھ۔ آپ کی ولادت نسف میں ۴۶۱ھ میں ہوئی تھی اور وفات سمرقند میں ہوئی۔ منقول ہے کہ مکہ مکرمہ میں علامہ جار اللہ زمخشری کی زیارت کو گئے اور دروازہ کو دستک دی تو زمخشری نے پوچھا کون ہے؟ کہا عمر! زمخشری نے کہا اِنْصَرِفْ چلے جاؤ نسفی نے کہا عمر لاینصرف! زمخشری نے کہا اذا نکر ینصرف۔

آپ فقیہ محدث، مفسر، ادیب اور مفتی تھے۔ کئی کتابیں حدیث و تفسیر میں لکھیں۔ پانچ سو پچاس (۵۵۰) شیوخ سے حدیثیں نقل کرتے تھے۔ آپ جنات کو بھی فتویٰ دیتے تھے اسلئے مفتی الثقلین سے مشہور تھے۔ صاحب ہدایہ کے استاذ تھے۔ ۱۲ شرح کے متعلق تفصیل معلوم نہیں۔

۴۱۔ شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح۔ للشیخ جمال الدین محمد بن عبد اللہ بن مالک النحوی الشافعی المتوفی ۶۷۲ھ۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔ ہندوستان میں طبع ہوا ہے۔

موصوف کی ولادت ۶۰۰ھ یا ۶۰۱ھ میں ہوئی ہے۔ لغت میں انتہائی کمال بہم پہنچایا تھا۔ قرارت کے بھی امام تھے۔ عادلیہ میں امام تھے۔ قاضی القضاۃ شمس الدین بن خلکان نماز کے بعد ان کے گھر تک رخصت کرنے جاتے۔ نحو و صرف میں بھی بحر ناپید اکنار تھے۔ دیندار، عبادت گذار تھے کثرت سے نوافل پڑھتے تھے۔ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۴۲۔ شرح القاضی ابی بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ۔ موصوف کی ولادت ۴۶۸ھ میں ہوئی تھی آپ کی شرحِ ترمذی عارضۃ الاحوذی بھی مشہور ہے۔ آپ کی تصنیفات میں حدیث ام زرع کی شرح اور ایک تفسیر۔ انوار الفجر فی تفسیر القرآن۔ اسّی جلدوں میں

ذکر کی گئی ہے۔ مراکش سے لوٹتے ہوئے انتقال ہوا۔ فاس لیجا کر دفن کیا گیا۔ (مقدمۂ لامع ص۱۴۲)
اس شرحِ بخاری کی تفصیل معلوم نہیں۔

۴۳۔ تعلیق العلامۃ شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا المتوفی ۹۴۰ھ۔ آپ نے مشہور علماء سے تحصیل علم کیا انہی میں مولی لطفی لطف اللہ توقانی رومی بھی ہیں جو جامع منقول و معقول تھے اور بخاری کے ابتدائی کچھ حصہ پر حاشیہ لکھا تھا، علامہ ابن کمال پاشا مختلف جگہوں پر قاضی رہے۔ آخر میں قسطنطنیہ کے مفتی ہو گئے تھے۔ اور وہیں انتقال ہو گیا۔ آپ کی تصنیفات بہت ہیں اور معتبر ہیں۔ مؤلفات کی تعداد تین سو (۳۰۰) سے زائد ہیں۔ تقریباً ہر فن میں تصنیف یادگار چھوڑی ہیں۔

ان کے علاوہ مولی فضل بن جمال متوفی ۹۹۱ھ اور مصلح الدین مصطفیٰ بن شعبان السروری کی تعلیقات کا تذکرہ بھی صاحب کشف الظنون نے کیا ہے۔

مختصرات

۴۴۔ متعدد لوگوں نے بخاری شریف کا اختصار بھی کیا ہے۔ ایک اختصار شیخ جمال الدین ابوالعباس احمد بن عمر انصاری قرطبی متوفی ۶۵۶ھ کا ہے۔ آپ کا عرف ابن المُزَیِّن اور لقب ضیاء الدین ہے۔ مذہب مالکی کے بڑے فقیہ تھے۔ اسکندریہ کو اپنا وطن بنایا وہیں انتقال بھی ہوا۔ صحیح مسلم کی ایک بہترین شرح لکھی جس کا نام المفہم ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں کا اختصار کیا۔ ولادت ۵۹۸ھ میں ہوئی تھی۔

۴۵ ایک مشہور اختصار۔ التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح۔ کے نام سے شیخ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن احمد بن عبداللطیف الشرجی الزبیدی متوفی ۸۹۳ھ کا ہے۔ اس میں تکرار اور اسناد کو حذف کر کے صرف متون ذکر کئے ہیں۔ ۸۸۹ھ میں اس کام سے فارغ ہوئے اس تجرید کی شیخ شرقاوی اور شیخ عزی نے شرحیں لکھی ہیں۔ (اس کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے)

تنبیہ | اس کتاب کے مصر میں طبع شدہ نسخہ پر مصنف کا نام حسین بن مبارک زبیدی بتایا گیا ہے۔ جو غلط ہے۔ حسین زبیدی کی وفات ۶۳۱ھ میں ہوئی۔ صحیح بخاری کی سند میں ان کا نام آیا ہے۔ تجرید کے مصنف احمد بن عبد اللطیف زبیدی ہیں جن کی وفات ۸۹۳ھ میں ہوئی۔ کوثری نے یہ بات لکھی ہے۔ اور تجرید کے شارحین نے بھی یہی نام بتایا ہے۔ صاحب عون الباری نے بھی مصنف کا نام یہی بتایا ہے۔

۳۶۔ ایک اختصار شیخ بدر الدین حسن بن عمر حلبی متوفی ۷۷۹ھ کا بھی ہے اس کا نام۔ ارشاد السامع والقاری المنتقیٰ من صحیح البخاری۔ ہے۔

۳۷۔ شارح صحیح بخاری شیخ مہلب تمیمی نے بھی ایک اختصار کیا تھا جس کا نام النصیح فی اختیار الصحیح ہے کما مرّ۔

۳۸۔ شیخ جلال الدین عبد الرحمٰن بن عمر بلقینی متوفی ۸۲۴ھ نے بخاری کے ابہام پر ایک کتاب لکھی جس کا نام۔ الافہام بما وقع فی البخاری من الابہام رکھا۔ ۸۲۲ھ میں اس سے فارغ ہوئے۔

۳۹۔ صحیح بخاری کے رجال پر شیخ امام ابو نصر احمد بن محمد بن الحسین الکلاباذی متوفی ۳۹۸ھ نے ایک کتاب لکھی۔

۴۰۔ قاضی ابو لید سلیمان بن خلف الباجی متوفی ۴۷۴ھ نے کتاب التعدیل والتخریج لرجال البخاری۔ لکھی۔ باجۃ الاندلس کی طرف نسبت ہے۔

۴۱۔ تعلیق العلامۃ السندی الحنفی المتوفی ۱۱۳۸ھ۔ آپ کا نام ابو الحسن نور الدین محمد بن عبد الہادی ہے۔ آپ ٹھٹھہ سندھ میں پیدا ہوئے۔ وہیں بڑے ہوئے پھر تستر گئے وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا پھر مدینہ منورہ گئے اور وہیں رہ گئے۔ وہاں کے مشائخ سید برزنجی، ابراہیم کورانی سے تحصیل علم کیا اور حرم شریف میں درس دینے لگے۔ اور فضل و کمال میں مشہور ہوئے۔ مفید کتابیں لکھیں۔ صحاح ستہ پر حواشی لکھے۔ ترمذی کا حاشیہ مکمل نہیں ہوا۔ مسند احمد

پر بھی نفیس حاشیہ لکھا فقہ اور اصول اصولِ فقہ میں بھی کئی تالیفات ہیں (فتح القدیر پر کتاب النکاح تک اور بیضاوی پر بھی حواشی لکھے ۱۲ فوائد جامعہ صفحہ ۲۲) ۱۲ ار شوال ۱۱۳۸ھ کو انتقال ہوا۔ اس دن دکانیں بند کردی گئیں، جنازہ میں بہت لوگوں نے شرکت کی، والیوں نے بھی آپ کا جنازہ مسجد نبوی تک اٹھایا۔ بقیع میں دفن ہوئے ۱۲ مقدمۂ لامع صفحہ ۱۴۲ (شیخ محمد حیات سندھی آپ کے شاگرد ہیں ۱۲ فوائد جامعہ صفحہ ۲۱۷)

تنبیہ علامہ سندھی کے نام سے دو عالم مشہور ہیں۔ ایک سندھی کبیر۔ یہ علامہ ابوالحسن نورالدین مذکور ہیں۔ دوسرے امام ابوالحسن بن محمد صادق سندھی۔ یہ بھی سندھ میں پیدا ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ یہ صغیر سے مشہور ہیں تاکہ کبیر سے ممتاز ہوں۔ انھوں نے شیخ محمد حیات سندھی سے ایک زمانہ تک استفادہ کیا اور پھر مسجد نبوی میں درس دیا۔ آپ اپنے زمانہ کے بے نظیر عالم تھے۔ ان کی متعدد تصنیفات ہیں۔ انہی میں جامع الاصول کی شرح بھی ہے۔ آپ کی وفات ۱۱۸۷ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

۴۲۔ منح الباری شرح البخاری۔ یہ فارسی زبان میں شیخ محمد احسن بن محمد صدیق پشاوری حنفی کی تصنیف ہے۔ موصوف طول قد کی وجہ حافظ دراز سے مشہور تھے۔ اپنے زمانہ میں فقہ اور تفسیر وحدیث میں مشہور تھے۔ اپنے والد سے استفادہ کیا اور پوری زندگی درس وتدریس اور علوم کے پھیلانے میں مشغول رہے۔ ۱۲۶۳ھ میں اکسٹھ (۶۱) سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ ۱۲

۴۳۔ ضوء الدراری۔ یہ مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی حنفی کی تصنیف ہے۔ یہ درحقیقت ارشاد الساری للقسطلانی کی تلخیص اور اس پر کچھ فوائد کا اضافہ ہے۔ کتاب الزکوٰۃ تک ہے۔ اورنگ آباد میں انتقال ہوا۔ سنۂ وفات ۱۱۹۴ھ یا ۱۲۰۰ھ ہے۔ ولادت ۱۱۱۰ھ میں ہوئی تھی۔ یا ۱۱۱۶ھ میں۔ موصوف حسّان الہند سے ملقب تھے۔ ۱۲

۴۴۔ تیسیر القاری۔ یہ فارسی میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادہ علامہ نورالحق دہلوی م ۱۰۷۳ھ کی تصنیف ہے۔ چھ جلدوں میں ہندوستان میں طبع ہوئی ہے۔ آپ نے علم اپنے

والد صاحب سے حاصل کیا۔ شاہجہاں بادشاہ نے آپ کو آگرہ (اکبرآباد) کا قاضی بنایا تھا۔ اس منصب کا بڑی دیانت داری سے حق ادا کیا۔ یہ شرح ۱۲۹۸ھ میں نواب محمود علی خان ریاست ٹونک کے تعاون سے چھپی تھی۔ حاشیہ پر شیخ الاسلام محمد بن محب اللہ دہلوی کی فارسی شرح اور حافظ دراز کی شرح بھی تھی۔ اس مجموعہ کی تقریظ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے لکھی تھی۔ علامہ نورالحق بخاری دہلوی اَلوَلدُ سِرٌّ لِاَبِیہ کا مصداق تھے آپ کی وفات ۱۰۷۳ھ میں ۹۰ یا ۹۲ سال کی عمر میں دہلی میں ہوئی۔ آپ نے یہ شرح اپنے والد صاحب کے حکم سے لکھی تھی۔

۴۵ ۔ ضیاء الساری۔ شیخ عبداللہ بن سالم بصری مکی متوفی ۱۱۳۴ھ کی تصنیف ہے۔ یہ مکمل نہیں ہو سکی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے آپ کا تذکرہ۔ انسان العیون۔ میں کیا ہے آپ کے مناقب میں خاص بات یہ ہے کہ آپ نے صحاح ستہ کی تصحیح کی ہے۔ جس میں تقریباً بیس سال خرچ ہوئے۔ آپ نے صحیح بخاری کعبہ شریف میں پڑھی۔ ۱۲۰

۴۶ ۔ فیض الباری شرح صحیح البخاری۔ للسید عبدالاول بن علی بن العلاء الحسینی المتوفی ۹۶۸ھ بدھلی آپ کا خاندان زید پور ضلع جونپور کا رہنے والا تھا۔ ان کے آباء میں کوئی دکن چلے گئے۔ وہیں آپ پیدا ہوتے اور بڑھے۔ اپنے دادا علاء الدین سے علم حدیث حاصل کیا انھوں نے شیخ حسین سے انھوں نے محمد بن الجزری سے جو حصن حصین کے مصنف ہیں۔

شیخ عبدالاول پھر گجرات چلے گئے وہاں ایک زمانہ تک رہے پھر حرمین شریفین گئے۔ حج وزیارت سے واپس آکر احمد آباد ایک زمانہ تک رہے پھر دہلی آ گئے اور دو سال رہے۔ یہیں ۹۶۸ھ میں انتقال ہوا۔ مقبرۃ الغرباء میں دفن ہوئے۔ یہ شرح نہایت محقق اور مدقق تھی۔

۴۷ ۔ نورالقاری۔ للشیخ نورالدین بن محمد صالح الگجراتی الاحمد آبادی المتوفی ۱۱۵۵ھ باحمد آباد۔ موصوف کی ولادت ۱۰۶۳ھ میں ہوئی۔ بچپن ہی سے تحصیل علم میں لگے۔ گلستان شیخ سعدی اپنی ماں سے ایک ہفتہ میں پڑھ لیا۔ حدیث شیخ محمد جعفر حسینی بخاری سے حاصل

کی۔ انہی سے طریقت کی بھی تحصیل کی۔ اکرم الدین گجراتی نے آپ کے لئے ایک عظیم مدرسہ احمد آباد میں بنایا جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار خرچ کیا۔

شیخ نورالدین بہت متقی پرہیز گار تھے۔ رات کو دو دفعہ تہجد پڑھتے تھے۔ جب لیٹتے تو ہزار مرتبہ کلمہ تھلیل پڑھتے اور ہزار مرتبہ درود شریف۔ بادشاہوں کے ہدایا نہیں قبول کرتے تھے۔ ۱۱۴۳ھ میں حج کیا۔ ایک سال کے بعد واپس آئے تو سلطان الاولیا حضرت نظام الدین کے مزار پر حاضر ہوئے۔ آپ کی تصنیفات ۱۵۰ سے زائد ہیں۔ نورالقاری کے علاوہ بہت سے کتابوں پر حواشی لکھے۔ جیسے شرح مواقف، شرح مطالع، تلویح، شرح وقایہ وغیرہ آپ کی قبر احمد آباد مدرسہ کے قریب ہے ۱۲

۸۴۔ حواشی۔ علامہ محدث کبیر احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ۔ یہ حاشیہ ہندوستان سے طبع شدہ بخاری پر شائع ہوا ہے۔ بخاری کے طالبعلموں کے لئے نہایت مفید ہے۔ مبتدئین کو اس حاشیہ کے بعد کسی اور حاشیہ کی ضرورت نہیں رہتی صحیح بخاری کے پچیس ۲۵ پاروں کے قریب تک محدث احمد علی سہارنپوری کا لکھا ہوا ہے۔ بقیہ پانچ پاروں کا مولانا محمد قاسم نانوتوی کا لکھا ہوا ہے۔ جن کی وفات بھی جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ میں ہوئی۔ شیخ احمد علی سہارنپوری سے ۲ دو روز قبل۔ حضرت سہارنپوری کی ۶ کو اور حضرت نانوتوی کی ۴ کو۔

شیخ احمد سہارنپوری تقریباً ۱۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ فقہ و حدیث علماء ہند سے پڑھی۔ پھر مسند الہند حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی سے پڑھنے کا شوق ہوا۔ مولانا دہلوی ذوالقعدہ ۱۲۵۷ھ میں ہجرت کر چکے تھے۔ مولانا سہارنپوری نے مکہ مکرمہ کا سفر کیا۔ وہاں حدیث کی کتابوں کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر شاہ محمد اسحاق صاحب سے پڑھا۔ فجر سے ظہر تک نقل کرتے اور ظہر سے عصر تک پڑھتے۔ اس طرح حدیث کی ساری کتابیں پڑھیں۔

سفر حجاز سے واپس آکر دہلی میں مکتبہ احمدیہ قائم فرمایا۔ اور وہاں سے حدیث کی کتابیں

تصحیح اور تحشیہ کے ساتھ شائع کیں۔ ہندوستان میں یہ پہلا مکتبہ تھا جس نے حدیث کی کتابیں شائع کیں۔

یہ مکتبہ غدر ۱۸۵۷ء (۱۲۷۳ھ) تک جاری رہا اور مفید کتابیں شائع کرتا رہا۔ بہادر شاہ ظفر کے ساتھ غداری کر کے انگریزوں نے جب ان کو شہید کر دیا اور دہلی میں بہت ہنگامہ ہوا تو یہ مکتبہ برباد ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد دوبارہ میرٹھ میں قائم کیا گیا اور وہاں سے حدیث کی بعض کتابیں محدث سہارنپوری کی تصحیح سے شائع ہوئیں۔ میرٹھ میں حضرت نانوتوی کتابوں کی تصحیح اور اشاعت میں مشغول رہے۔

صحیح بخاری اس حاشیہ کے ساتھ ۱۲۶۴ھ میں دہلی میں طبع ہونا شروع ہوئی اور ۱۲۷۰ھ میں مکمل ہوئی۔ پھر دوبارہ مطبع احمدیہ میرٹھ سے ۱۲۸۰ھ میں طبع ہوئی اور اس کے بعد برابر طبع ہوتی رہی، محدثِ سہارنپوری اور حضرت نانوتوی کی یہ خدمت اتنی مقبول ہوئی کہ بعد میں تمام مطبوعات اسی بنیاد پر طبع ہوتی رہیں۔ جزاهما اللہ خیر الجزاء عنا وعن سائر قارئ الکتب الحدیثیہ۔

۴۹۔ **غایۃ التوضیح**۔ مؤلفہ شیخ یعقوب بن حسن صرفی کشمیری حنفی متوفی ۱۰۰۳ھ۔ موصوف کشمیر میں ۹۰۸ھ پیدا ہوئے۔ حرمین کا سفر کیا اور شیخ ابن حجر مکی سے حدیث حاصل کی۔ آپ کی چند تالیفات ہیں۔ تفسیر القرآن جو ناقص ہے۔ بخاری کی شرح، اور غزوات نبوی وغیرہ۔

۵۰۔ **شرح**۔ شیخ عثمان بن عیسی بن ابراہیم سندھی برہان پوری۔ متوفی شہیداً ۱۰۰۸ھ۔ بوبکان نامی گاؤں میں پیدا ہوئے اور بڑے ہوئے۔ گجرات جاکر شیخ وجیہ الدین (احمد آبادی) وغیرہ سے فقہ اور اصولِ فقہ وغیرہ کی تحصیل کی۔ ۹۸۳ھ میں برہانپور گئے تو وہاں کے امیر محمد شاہ ابن المبارک نے اکرام کیا اور تدریس و افتاء کے منصب پر فائز کیا۔ موصوف نے وہاں ۲۰ سال تک یہ خدمت انجام دی۔ منطق و حکمت میں بہت فائق تھے۔ طبیب حاذق بھی تھے۔ بڑے متقی پرہیزگار تھے۔ مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرتے تھے چالیس سال تک کسی کا کھانا نہیں کھایا۔ بخاری کی شرح لکھی، بیضاوی پر حاشیہ اور کچھ دوسری تصنیفات بھی ہیں۔ آخر عمر میں برہانپور سے کسی دیہات میں چلے گئے وہاں چوروں نے آپ کے گھر کے سترہ افراد کے ساتھ آپ کو شہید

کر دیا۔ رحمہ اللہ

۵۱۔ شرح۔ الشیخ طاہر بن یوسف السندھی البرہانپوری المتوفی ۱۰۰۴ھ۔ یہ شرح قسطلانی کی شرح سے ماخوذ ہے۔ موصوف سندھ کے ایک گاؤں پاتڑی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ شیخ شہاب الدین سندھی کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے غزالی کی منہاج پڑھی پھر گجرات چلے گئے ۹۰۵ھ میں اور شیخ عبدالاول بن علی حسینی جونپوری دہلوی کی خدمت میں ایک مدت تک رہ کر علم حدیث حاصل کیا۔ پھر خاندیس چلے گئے اور برہانپور میں سکونت اختیار فرمائی۔ ان کی تصنیفات میں تفسیر مجمع البحرین ہے جو صوفیہ کے ذوق و مشرب پر ہے۔ اور قسطلانی کی مواھب لدنیہ کی تلخیص ہے اور شرح اسماء رجال بخاری للکرمانی کی تلخیص ہے۔

۵۲۔ الخیر الجاری۔ للشیخ یعقوب ابی یوسف البیانی المتوفی ۱۰۹۸ھ۔ شیخ ابو یوسف یعقوب لاہور میں پیدا ہوئے۔ فقہ و حدیث میں بہت مشہور تھے۔ معقول و منقول، فقہ و اصول کے جامع تھے۔ مدرسہ شاہجہانیہ میں مدرس تھے۔ وہاں ان سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ حدیث میں بڑا کمال حاصل تھا۔ اپنے درس میں فاضل سیالکوٹی پر تعریض کیا کرتے تھے۔ آپ نے الخیر الجاری کے نام سے بخاری کی شرح لکھی اور المعلم کے نام سے صحیح مسلم کی شرح لکھی۔ مؤطا کی شرح مصطفیٰ اور بیضاوی پر حاشیہ لکھا۔ دہلی میں ۱۰۹۸ھ میں انتقال ہوا اور اپنے گھر ہی میں دفن ہوئے۔ ان کی قبر مشہور ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ یہ شرح تین جلدوں میں ریاست رامپور کے مکتبہ میں محفوظ ہے۔ محدث سہارنپوری نے حاشیۂ بخاری میں اس سے مدد لی ہے اور مقدمہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۵۳۔ فیض الباری۔ للشیخ محمد اعظم بن سیف الدین السرہندی العمری الحنفی المتوفی ۱۱۱۴ھ موصوف سرہند میں پیدا ہوئے اور بڑے ہوئے۔ پہلے اپنے چچا سے پھر والد صاحب سے علم حاصل کیا۔ والد صاحب ہی سے طریقت بھی حاصل کیا۔ بخاری کی مفید شرح لکھی۔ سرہند میں اپنے والد کے پاس مدفون ہیں۔

۵۴۔ شرح۔ شیخ الاسلام محمد بن محب اللہ البخاری الدھلوی۔ یہ شرح چھ جلدوں میں ہے۔ شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی شرح تیسیر القاری کے حاشیہ پر چھپی تھی۔ شیخ الاسلام، شاہ عبد الحق محدث دہلوی کے خاندان سے ہیں آپ کا نسب نامہ مع سندیہ ہے۔ محمد عن فخر الدین ابی المکارم عبد الصمد عن ابیہ الشیخ محب اللہ بن الشیخ نور اللہ عن الجد الامجد صاحب التصانیف الشہیرۃ الشیخ نور الحق عن والدہ شیخ المحدثین عبد الحق بن سیف الدین الدہلوی وطنا والبخاری اصلا والذکی نسبا والحنفی مذہبا والقادری سلسلۃ والنقشبندی سرا۔

شیخ الاسلام، سلطان محمد شاہ کے زمانہ میں شاہجہاں آباد میں صدر الصدور کے وظیفہ پر فائز تھے اور نادر شاہ کے ابتدائی زمانہ تک اس پر قائم رہے۔ پھر انتقال ہوگیا اور شیخ عبد الحق محدث کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ سن وفات معلوم نہیں۔

۵۵۔ عون الباری فی حل ادلۃ البخاری۔ للسید النواب صدیق حسن خاں الحسینی البخاری القنوجی البھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ۔ آپ فرقہ غیر مقلدین کے بڑے علماء میں سے تھے۔ لیکن مجتہدین اور فقہاء اور صوفیہ کا ادب کرتے تھے۔ یہ شرح چار جلدوں میں ہے۔ یہ صحیح بخاری کی تلخیص۔ التجرید الصریح کی شرح ہے۔ اور تجرید صریح شیخ شہاب الدین ابو العباس احمد بن احمد بن زین الدین عبد اللطیف الشرجی الزبیدی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ کی تصنیف ہے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تصنیفات مشہور ہیں۔ الحطہ بذکر الصحاح الستہ، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین، ابجد العلوم وغیرھا۔ ثلاثیات بخاری کی شرح غنیۃ القاری کے نام سے لکھی جو ہند میں طبع ہوئی۔

۵۶۔ الفیض الطاری شرح صحیح البخاری۔ للشیخ جعفر بن محمد الحسینی البخاری الگجراتی۔ متوفی ۱۰۸۵ھ غالبا انہی کا تذکرہ نزھۃ الخواطر میں کیا ہے کہ موصوف بدر عالم سے مشہور تھے ۱۰۲۳ھ میں پیدا ہوئے آپ کا گھرانہ علم وطریقت کا گھرانہ تھا۔ اپنے والد اور دوسرے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ حدیث، تفسیر اور تصوف میں اپنے والد سے بھی افضل تھے۔ اپنے

دادا محمد بن جلال کے بعد والد کی حیات ہی میں مجلس ارشاد پر متمکن ہو گئے۔ سریع الکتابت تھے (۵۴) گھنٹے میں قرآن کریم لکھ لیتے تھے۔ آپ کی تصنیف کتاب الروضات کئی جلدوں میں ہے۔ حدیث و تفسیر میں بھی کئی رسالے ہیں۔ اپنے والد کے پاس مدفون ہیں۔

۵۷۔ **اعانۃ القاری شرح ثلاثیات البخاری**۔ للشیخ یحیٰ بن امین العباسی الالہ آبادی متوفی ۱۱۴۴ھ۔ موصوف ۱۰۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا شیخ محمد افضل سے تحصیل علم کیا ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ پر جلوہ افروز ہوئے ان کے زمانہ اور ان کے شہر میں ان جیسا کوئی عالم اور مرشد نہیں تھا۔ اعانۃ القاری کے علاوہ بھی ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔

(فائدہ) ثلاثیات بخاری کی شرح ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ اور محمد شاہ بن حسن متوفی ۹۳۹ھ اور شیخ مولانا عبد الباطن بن مولوی رستم علی بن ملا علی اصغر قنوجی متوفی ۱۱۵۹ھ نے بھی لکھی۔

۵۸۔ **نبراس الساری فی اطراف البخاری**۔ للشیخ محمد عبد العزیز الحنفی السہالوی۔ اس کتاب میں صحیح کی ہر حدیث کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ صحیح بخاری میں کہاں کہاں آئی ہے۔ یہ کتاب بخاری کی احادیث کے اطراف اور طرق جاننے کے لئے بہت مفید ہے۔ مؤلف حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا حسین علی پنجابی سے بھی پڑھا تھا۔ یہ مولانا حسین، حضرت گنگوہی کے شاگرد تھے جنھوں نے حضرت کی ۱۳۰۳ھ کی تقریر بخاری کا خلاصہ ضبط کیا تھا۔ مولانا محمد عبد العزیز نے نصب الرایہ کا حاشیہ بھی کتاب الحج تک تحریر فرمایا ہے جو بہت نفیس ہے۔

۵۹۔ **لامع الدراری علی جامع البخاری**۔ تقریر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ المتوفی ۱۳۲۳ھ جس کو حضرت مولانا محمد یحیٰ کاندھلویؒ نے حضرت کے آخری دورہ کے سال جمع کیا تھا۔ جس کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے نہایت عظیم بسیط مفید حاشیہ اور مقدمہ کے ساتھ شائع فرمایا ہے۔ لیتھو پر تین جلدوں میں ہے۔

۶۰۔ **فیض الباری علی صحیح البخاری**۔ تقریر علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۳۵۲ھ۔ جس کو

مولانا بدر عالم میرٹھی رحؒ نے جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں مرتب فرمایا۔ اور مجلس علمی ڈابھیل سملک نے قاہرہ سے چار جلدوں میں شائع کیا۔ یہ تقریر آخری درس کی تقریر ہے۔ جیساکہ مرتب نے بیان کردیا ہے

۶۱۔ تقریر بخاری۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارح مسلم۔ اس کی ایک جلد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوئی اس تقریر کے جامع مولانا عبد الوحید صاحب صدیقی ہیں۔ اسی تقریر کو مزید اضافہ کے ساتھ پاکستان سے مولانا قاضی عبد الرحمن صاحب نے فضل الباری کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا۔ بقیہ کام نہیں ہوسکا۔ شرحوں سے اتنا اضافہ ہوا کہ یہ ایک مستقل شرح ہوگئی ہے۔

۶۲۔ تقریر بخاری۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ متوفی ۱۳۷۷ھ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔ اس تقریر کا تھوڑا سا حصہ شروع سے کتاب الایمان کے شروع تک شائع بھی ہوا تھا۔ متعدد تلامذہ نے حضرت مدنی کی تقاریر جمع کی تھیں۔

۶۳۔ تشکیل اسانید البخاری۔ مؤلفہ مولانا فاروق احمد انبہٹوی سہارنپوری شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ بھاولپور پاکستان۔ اس میں موصوف نے حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، شیخ الہند، حضرت مدنی، حضرت تھانوی، علامہ کشمیری وغیرہ مشائخ حدیث، کی سندیں امام بخاری تک بیان کی ہیں۔ اور جداول کے طریقہ پر بیان کیا ہے جس کی وجہ سے سندوں کا سلسلہ بہت آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

۶۴۔ ایضاح البخاری۔ تقریر حضرت مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند۔ مرتبہ مولانا ریاست علی بجنوری صاحب۔ تیرہ (۱۳) اجزاء دو جلدوں میں دیکھی ہے۔

۶۵ الانوار الباری۔ مرتبہ مولانا سید احمد رضا بجنوری تلمیذ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رح۔ علامہ انور شاہ کشمیری کی تقریر بخاری کی روشنی میں یہ بخاری کی شرح ہے۔ شروع میں دو جلدوں میں مفید مقدمہ ہے۔ یہ شرح تقریبًا بیس جلدوں تک شائع ہوچکی ہے۔

۶۶۔ تقریر بخاری۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مرتبہ مولانا محمد شاہد سہارنپوری سلمہٗ۔

۶۷۔ الابواب والتراجم۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحہ

۶۸۔ ارشاد القاری۔ تقریر مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہٗ (ایک جلد میں کتاب العلم تک)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین۔

رجال السند الصحیح للامام البخاری مع سنی ولادتہم وسنی وفاتہم واعمارہم

نمبر		الاسم	الولادة	الوفاة	العمر
۱		فضل الرحمن بن القاری حفیظ الرحمن المئوی الاعظمی حفظہ اللہ			
۲	عن	الشیخ المحدث الجلیل والعلامۃ الکبیر حبیب الرحمن الاعظمی رحمہ اللہ	سنہ ۱۳۱۹ھ سنہ ۱۹۰۱ء	۱۰ رمضان سنہ ۱۴۱۲ھ سنہ ۱۹۹۲ء	۹۳
		والشیخ عبد اللطیف النعمانی رحمہ اللہ ـــ کلاہما	۱۷ من رمضان سنہ ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۸ء	۲۰ من ذی القعدۃ سنہ ۱۳۹۲ھ ۶ ینایر ۱۹۷۳ء	۷۷
۳	〃	الشیخ کریم بخش السنبھلیؒ	فراغت سنہ ۱۳۱۷ھ	م سنہ ۱۳۶۳ھ	
۴	〃	الشیخ محمود الحسن شیخ الہند الدیوبندیؒ	۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء	۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء	۷۱
۵	〃	الشیخ محمد قاسم النانوتویؒ	۱۲۴۸ھ ۱۸۳۱ء	۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ء	۴۹
		وعلی الشیخ رشید احمد الگنگوہیؒ ـ کلاہما	۱۲۴۴ھ ۱۸۲۸ء	۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء	۷۹
۶	〃	الشیخ عبد الغنی المجددی الدہلوی ثم المدنی	فی دلھی ۱۲۳۵ھ	۱۲۹۶ھ فی المدینۃ المنورۃ	۶۱
۷	〃	الشیخ محمد اسحاق ابی سلیمان الدہلوی ثم المکیؒ	۱۱۹۷ھ فی دلھی	۱۲۶۲ھ فی مکۃ المکرمۃ	۶۵

۸	عن	الشیخ عبد العزیز المحدث الاجل جدّہ اب الام الدہلوی رح	۱۱۵۹ھ	فی دلھی	۱۲۳۹ھ		۸۰
۹	"	الشیخ الشاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم مُسند الہند الدہلوی رح	۱۱۱۴ھ	"	۱۱۷۶ھ		۶۲
۱۰	"	" ابی طاہر محمد عبد السمیع الکُردی المدنی رح	۱۰۸۱ھ	فی المدینۃ	۱۱۶۳ھ	فی المدینۃ المنورۃ	۸۲
۱۱	"	والدہ الشیخ ابراہیم بن حسن الکُردی الکورانی المدنی رح	۱۰۲۵ھ	فی الکُرد	۱۱۰۱ھ	"	۷۶
۱۲	"	الشیخ احمد بن محمد البدری القُشاشی المالکی المدنی رح	۹۹۱ھ		۱۰۷۱ھ	"	۸۰
۱۳	"	الشیخ احمد بن عبد القدوس الشنّاوی المصری ثم المدنی رح	۹۷۵ھ	فی مصر	۱۰۲۸ھ	"	۵۳
۱۴	"	الشیخ شمس الدین محمد بن احمد بن حمزہ الرملی المصری رح	۹۱۹ھ	"	۱۰۰۴ھ	فی مصر	۸۵
۱۵	"	شیخ الاسلام زکریا بن محمد الانصاری السُنَیکی المصری رح	۸۲۳ھ	"	۹۲۶ھ	"	۱۰۳
۱۶	"	الشیخ احمد بن حجر العسقلانی القاہری شارح البخاری رح	۷۷۳ھ	"	۸۵۲ھ	"	۷۹
۱۷	"	الشیخ زین الدین ابراہیم بن احمد التنوخی البعلی ثم الشامی ثم المصری رح	۷۰۹ھ	"	۸۰۰ھ	"	۹۱
۱۸	"	" ابی العباس احمد بن ابی طالب الحجّار الصالحی رح	فی حدود ۶۲۲ھ ۱۲ لائح ص۷۱		صفر ۷۳۰ھ	سمع الزَبیدی فی ۶۳۰ھ	
					فی جامع الصالحیۃ ۱۲ لائح ص۷۱		۱۰۸

۱۹	عن	الشیخ سراج الدین حسین بن المبارک الزَبیدی الاصل البغدادیؒ	۵۴۵ھ او ۵۴۴ھ	صفر ۶۳۱ھ فی بغداد	۸۶
۲۰	〃	〃 عبدالاول عیسی بن شعیب السجزی الھرَوی رح	۴۵۸ھ	۵۵۳ھ	۹۵
۲۱	〃	ابی الحسن الشیخ عبدالرحمٰن بن مظفر البوشنجی الداؤدی رح	۳۷۴ھ	۴۶۷ھ فی بوشنج	۹۳
۲۲	〃	الشیخ ابی محمد عبداللہ بن احمد بن حَمُّویہ السَرخسی	۲۹۳ھ	۳۸۱ھ لامع ص۷	۸۸
۲۳	〃	〃 ابی عبداللہ محمد بن یوسف بن مطر الفَرَبری	۲۳۱ھ	۳۲۰ھ	۸۹
۲۴	〃	امیر المؤمنین ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ بن بَرْدِزبہ	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ	۶۲

رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ وجزاہم عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

سَند رسالۃ الاوائل۔ فضل الرحمن بن حفیظ الرحمٰن الاعظمی، عن الشیخ المحدث الجلیل حبیب الرحمٰن الاعظمی، عن الشیخ ابی الانوار عبدالغفار المئوی (الاعظمی)، عن الشیخ عبدالحق الالٰہ آبادی المہاجر المکی، عن الشیخ قطب الدین الدہلوی ثم المکی، عن الشیخ محمد اسحاق الدہلوی ثم المکی، عن الشیخ عمر بن عبدالکریم ابن عبدالرسول، عن الشیخ محمد طاہر، عن والدہ العلامۃ محمد سعید سنبل المکی صاحب الرسالۃ وسندہ مذکور فی الرسالۃ الی المؤلفین رحمہم اللہ۔

مولانا الشیخ عبد اللطیف نعمانی مئوی اعظمی ؒ اللہم اغفرلہ ۱۳۹۲ھ

ولادت ۱۳۱۵ھ ــــــ وفات ۱۳۹۲ھ عمر ۷۷ سال

ولادت | مولانا نعمانی موضع امام گنج متصل قصبہ مئو میں ۱۷ / رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ مطابق ۹ / فروری ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبد الحفیظ تھا جو جید حافظ تھے

ابتدائی تعلیم | مدرسہ عالیہ جمال پورہ مئو میں ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن حاصل کرکے دار العلوم مئو میں داخل ہوئے۔ (تذکرہ نعمانی ص۲۵ و ص۲۶)

۱۹۱۶ء میں مولانا نعمانی نے مُلّا (بی، اے) کا کورس پڑھا مارچ ۱۹۱۷ء میں امتحان دیا اس نصاب میں کافیہ وشافیہ وغیرہ تھیں۔ شوال ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں دار العلوم دیوبند گئے لیکن فصلی بیماری کی زد میں آگئے اس لئے محرم ۱۳۳۸ھ میں وطن واپس چلے گئے پھر ۱۳۳۹ھ میں بھی دیوبند گئے لیکن بعض وجوہ سے دیوبند چھوڑنا پڑا اور میںنڈو (ضلع علیگڑھ) چلے گئے وہاں شاید ایک مہینہ رہے ہوں گے کہ پھر دار العلوم مئو آگئے۔ میںنڈو میں مولانا حافظ عبد الرحمن صاحب امروہوی ؒ سے جلالین کا کچھ حصہ پڑھا تھا۔ اس سے قبل دار العلوم مئو میں جلالین کے چند اسباق مولانا ابراہیم بلیاوی ؒ صاحب سے بھی پڑھے تھے۔

(تذکرہ نعمانی از مولانا حبیب الرحمن اعظمی ص۱۳)

فراغت وتدریس | مولانا عبد اللطیف صاحب نے شعبان ۱۳۴۱ھ میں دار العلوم مئو سے فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث کے استاذ مولانا کریم بخش سنبھلی صاحب ؒ تھے۔ فراغت کے بعد وہیں مدرس ہوگئے اور پہلے ہی سال میبذی، شرح ہدایۃ الحکمت اور میر زاہد رسالہ مع غلام یحییٰ پڑھایا پڑھنے والوں میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب بھی شریک تھے وہ لکھتے ہیں اس طرح پڑھایا جسطرح منطق وفلسفہ کا کوئی کہنہ مشق ماہر مدرس پڑھاتا۔

(تذکرہ نعمانی ص۱۴ ص۳۴)

یہ ۱۳۴۲ھ کی بات ہوئی، ۱۳۴۷ھ میں جب مفتاح العلوم کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور
مولانا ابوالحسن صاحب عراقی نے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کو مفتاح العلوم میں رکھ لیا اس
وقت مولانا عبداللطیف صاحب دارالعلوم مئو سے مستعفی ہو کر سنبھل میں مدرس تھے
عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں مئو آئے تو مولانا اعظمی نے مولانا نعمانی کو بھی مفتاح العلوم کے لئے روک
لیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا ایوب صاحب اعظمی کو بھی دیوریا سے بلا کر ناظم بنا دیا گیا۔
مولانا نعمانی اس وقت سے تدریسی خدمت انجام دیتے رہے غالباً ۱۳۷۱ھ میں
جب مولانا اعظمی مفتاح العلوم کی تدریس سے الگ ہو کر تصنیفی کام میں لگ گئے تو مولانا
نعمانی صدر مدرس ہو گئے۔ (تذکرہ نعمانی ص۱۵)
۱۳۷۷ھ میں آپ اسمبلی کے ممبر ہو گئے تو پڑھانا چھوڑ دیا پھر ۱۳۸۱ھ میں صدر مدرس
اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے دوبارہ آئے اور زندگی کے آخری ایام تک اس عہدہ پر فائز
رہے شوال ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۹۲ھ تک باستثنار پانچ سال یعنی ۴۵ سال درس دیا آپ کے
تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں آخر میں مہتمم بھی رہے۔

مولانا نعمانی کے کمالات

مولانا نعمانی ہمارے دینی مدارس کی اصطلاح میں معقولات
ومنقولات کے ماہر اور راسخ العلوم استاذ بھی تھے۔ تقریر
وبیان پر بڑے قادر اور کامیاب مناظر بھی تھے اسی کے ساتھ ملکی سیاست سے بھی گہرا تعلق
تھا.... وہ لوکل سیاست اور شہری معیشت کے معاملات و مسائل میں بھی پورے دخیل
تھے۔ میونسپل بورڈ کے تین بار چیرمین بھی رہے اور وفات کے وقت بھی چیرمین تھے۔ اسمبلی
کے ممبر بھی رہ چکے تھے۔ ہر کام کا حق ادا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے بڑی غیر معمولی جامعیت اور
اور بے پناہ قوت عمل دی تھی۔ (تذکرہ ص۲۵ از مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ)
رضاخانیوں کے سردار مولوی حشمت علی کو کئی بار مناظرے میں شکست دی۔ اہل
حدیثوں سے بھی مناظرے کئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری اہل حدیث کے اعتراضات کے جوابات

العدل گوجرانوالہ میں شائع کرتے تھے۔ (ایضاً ص۴۸ از مولانا محمد ایوب اعظمی ؒ)

اخلاق وعادات

مولانا اخلاق وعادات کے لحاظ سے بہت بلند پایہ تھے عوام وخواص سے یکساں ملتے تھے۔ غریب اور معمولی آدمیوں کے کسی کام کے لیۓ میلوں پیدل چلتے تھے دوست احباب کے مجمع میں انتہائی تواضع اور خاکساری سے ملتے تھے کبھی ترفع وتعلی سے کام نہیں لیتے تھے ہمیشہ اپنے کو خادمانہ حیثیت سے پیش کرتے تھے۔ (ایضاً)

اصلاح وتبلیغ

رشد وہدایت اور اصلاح وتبلیغ تو حضرت کا خاص نصب العین تھا آپ نے مواعظِ حسنہ سے اصلاح عوام کا وہ کارنامہ انجام دیا کہ قوم ہمیشہ اسے یاد رکھے گی۔ اپنے شہر کے علاوہ اطراف وجوانب میں بھی حسب ضرورت اصلاح المسلمین کی غرض سے جایا کرتے تھے کثرت مشاغل اور ہجوم کار کی وجہ سے بہت کم سفر کیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ نعمانی ص۲۹)

معمولات

حضرت نے اپنے اوقات کو سنت کے مطابق اس طرح منضبط کر رکھا تھا کہ اس میں ذرا بھی بے قاعدگی اور بے انتظامی کو دخل نہ ہوتا تھا۔ حضرت پچھلی رات کو ہمیشہ بیدار ہوجاتے نمازِ تہجد ادا فرماتے اس کے بعد تلاوت فرماتے فجر کی نماز باجماعت ادا فرماتے۔ نماز کے لیۓ بچوں کو بھی جگاتے اس لیۓ کہ آپ آخر میں مدرسہ ہی میں شب وروز قیام فرماتے تھے۔ مدرسہ کا وقت ہوتے ہی درس وتدریس میں مشغول ہوجاتے (ص۳۱)

چیرمینی کے زمانہ میں دس بجے تک سبق پڑھا کر میونسپل بورڈ تشریف لیجاتے۔ کاغذات دیکھتے۔ ملازمین کی کارکردگی کا معائنہ فرماتے۔ احکام صادر فرماتے ۱۲ بجے تک فارغ ہوکر دوپہر کا کھانا کھاتے قیلولہ کرتے۔ ظہر کے بعد سبق پڑھاتے۔ درس سے فارغ ہوکر پھر میونسپل بورڈ یا سوسائٹیوں کے معائنہ اور دیکھ بھال لیۓ اس کے دفتر چلے جاتے۔ مغرب کے بعد درس دیتے۔ عشاء کے بعد کتب بینی میں مشغول ہوتے۔ (تذکرۂ نعمانی از مولانا محمد ایوب اعظمی ص۴۹ و ص۵۰)

وفات ۶ر جنوری ۱۹۷۳ء کا دن گذار کر شب میں بعد عشاء کتب بینی میں مشغول تھے کہ اچانک کوئی ساڑھے دس بجے پہلی دفعہ دل کا دورہ پڑا اور کوئی دس پندرہ منٹ میں راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ انا للہ۔ یہ یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ کی پہلی شب تھی۔ جنازہ میں ۴۰۔ ۵۰ ہزار مسلمان شریک تھے۔ مدرسہ ہی میں دفن ہوئے۔

(ماخوذ از تذکرۂ نعمانی مرتبہ مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی)

محدث کبیر علامہ جلیل مولانا حبیب الرحمن الاعظمی امیر الہندؒ

۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء (بڑے مولانا) رمضان ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء

موصوف ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء میں مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے حاصل کی۔ آپ کے والد مولانا محمد صابر صاحب متوفی ۱۳۶۵ھ حضرت تھانوی کے مرید انتہائی متشرع متقی، زاہد و عابد، تہجد گذار، خوش اخلاق، مہمان نواز بے نفس آدمی تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے۔ تقریباً ۲۶ سال تک محلہ کی مسجد میں لوجہ اللہ بچوں کو تعلیم دیتے رہے، مولانا اعظمی ایسے والد کے زیر سایہ ۴۶ سال تک علم کے میدان میں پروان چڑھے۔ زیادہ تر علم مولانا عبد الغفار صاحب سے حاصل کیا جو حضرت گنگوہی کے خاص شاگرد تھے۔ ادب کی ساری کتابیں اور دیگر فنون کی کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔ آخر میں ترمذی شریف بھی پڑھی۔ مولانا عبد الغفار صاحب کا ۱۳۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ مئو کے بڑے علما میں سے تھے۔ گورکھپور اور مظہر العلوم بنارس میں بھی مدرس رہے۔ مولانا اعظمی بھی ان کے ساتھ تحصیل علم کے لئے ان جگہوں پر گئے۔ مظہر العلوم بنارس ہی سے آپنے ۱۹۱۸ء میں مُلّا کا مارچ ۱۹۱۹ء میں ملا فاضل کا امتحان دیا اور اعلیٰ کامیابی

---

[1] مئوناتھ بھنجن، ضلع اعظم گڈھ کا سب سے بڑا قصبہ ہے۔ اب مستقل ضلع ہو گیا ہے۔ اسی بستی میں ۱۶۵ مساجد اور ۳۰ دار العلوم ہیں

حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں

شوال ۱۳۳۷ھ جولائی ۱۹۱۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں پہلی بار داخلہ لیا۔ امتحان داخلہ میں اعلیٰ اور امتیازی نمبر حاصل کیا۔ تعلیمی سلسلہ جاری تھا کہ فصلی بیماری پھوٹ پڑی جس کی زد میں آپ بھی آگئے اس لئے اواخر صفر میں گھر چلے آئے۔

مظہر العلوم بنارس میں مدرس

جُمادیٰ الاُولیٰ ۱۳۳۸ھ فروری ۱۹۲۰ء سے مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں مدرس ہو گئے۔

دوبارہ دیوبند میں

پھر دوبارہ شوال ۱۳۳۹ھ جون ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث میں شریک ہوئے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رح سے ترمذی شریف پڑھی اور خوب استفادہ کیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رح سے مسلم شریف اور میاں اصغر حسین صاحب سے ابوداؤد شریف پڑھی۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بہت تعریف کرتے تھے۔

اس سال بھی بخار میں مبتلا ہو گئے اور ترک موالات کی تحریک کی وجہ سے ہنگامہ بھی تھا اس لئے والد صاحب کے حکم کی وجہ سے ربیع الاول ۱۳۴۰ھ میں گھر آ گئے۔

دارالعلوم مئو میں دورے کی تکمیل

صحت یابی کے بعد دارالعلوم مئو میں داخل ہو گئے۔ اس وقت تک حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد مولانا کریم بخش صاحب سنبھلی رح دارالعلوم تشریف لا چکے تھے اور ان سے صرف ایک طالبعلم مولوی عبدالمجید صاحب دورہ پڑھ رہے تھے ان کے ساتھ شعبان ۱۳۴۰ھ اپریل ۱۹۲۲ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ بخاری اور ترمذی مولانا کریم بخش صاحب سے پڑھی۔ معقولات میں صدرا، شمس بازغہ، اور قاضی حمداللہ وغیرہ بھی مولانا کریم بخش صاحب سے دورہ کے بعد پڑھیں۔

دارالعلوم مئو میں مدرّس

شوال ۱۳۴۰ھ ہی سے دارالعلوم میں مدرس ہو گئے اور اونچی کتابوں کا درس دیا، اسی زمانہ میں مولانا محمد منظور نعمانی

مدظلہ نے آپ سے کئی کتابیں پڑھیں۔ مولانا محمد حسین بہاری مرحوم استاذ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مشہور علماء کرام نے بھی اس وقت آپ سے پڑھا۔

مظہر العلوم میں صدر مدرس پھر دارالعلوم مئو کو کسی سبب سے آپ نے چھوڑ دیا اور ۱۳۴۳ھ میں مدرسہ مظہر العلوم بنارس کی صدر مدرسی قبول کرلی، اور ۱۳۴۷ھ تک وہاں رہے۔

مفتاح العلوم مئو میں شوال ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۹ء میں آپ کو باصرار مفتاح العلوم مئو کا شیخ الحدیث اور صدر مدرس بناکر مئو روک لیا گیا۔ یہیں سے مفتاح العلوم کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور بہت جلد ایک جامعہ بنکر اطراف عالم میں مشہور ہوا۔

۱۳۴۷ھ سے ۱۳۶۹ھ تک یہاں آپ شیخ الحدیث رہے۔ عام طور سے آپ کے یہاں بخاری اور ترمذی ہوا کرتی تھی اور مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی کے پاس مسلم اور ابو داؤد۔ ۱۳۶۹ھ میں آپ نے اپنی تصنیفی وتالیفی مشغولیتوں کی وجہ سے تدریس سے سبکدوشی اختیار کرلی۔ صرف شوریٰ کے ممبر اور سرپرست رہے۔ اور کسی کسی سال بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھا دیتے تھے کبھی کوئی اور کتاب بھی لیکن بلامعاوضہ۔

مفتاح العلوم کی نظامت ۱۳۶۶ھ سے آپ کے سر پر مدرسہ کی نظامت کا بار بھی آ گیا تھا۔ آپ نے ۱۳۷۱ھ تک یہ خدمت بھی انجام دی اور اس دوران مدرسہ کی تعمیرات کی طرف خصوصی توجہ کی اور بہت سے کمرے تعمیر کرادئے۔

اسمبلی کی ممبری ۱۹۵۲ء میں جواہر لال کے اصرار پر یوپی اسمبلی کی ممبری کے لئے نامزد ہوئے اور بہت بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ جبکہ اپنے حلقۂ انتخاب میں ایک منٹ کے لئے کہیں نہیں گئے۔ ۱۹۵۷ء تک ممبر رہے۔ اس لئے لکھنؤ رہنا ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اعزازی طور پر بخاری شریف پڑھاتے تھے۔ کچھ دنوں دارالمبلغین لکھنؤ میں بھی درس دیا۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی امام اہلسنت سے

آپ کے گہرے روابط تھے۔

جمعیۃ العلماء ہند اور مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند سے تعلق

آپ ۱۹۵۳ء سے جمعیۃ العلماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے رکن مقرر کئے گئے اور مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند کے بھی، اور تاحیات اس پر باقی رہے۔ بسا اوقات آپ ہی کے زیر صدارت مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور آپ کی رائے وقیع سمجھی جاتی۔ جمعیۃ العلماء کی کانفرنسوں اور جلسوں میں برابر شریک ہوا کرتے تھے۔

۱۹۴۵ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مہتمم دار العلوم دیوبند قاری محمد طیب صاحبؒ دیوبند سے مئو تشریف لائے اور مولانا اعظمی کے سامنے دار العلوم کے صدارت افتاء کا منصب پیش کیا لیکن مئو کے لوگ اس پر راضی نہیں ہوئے کہ آپ مئو چھوڑیں۔ اس لئے معذرت کردی۔ علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے انتقال کے بعد دار العلوم کی صدارت تدریس بھی پیش کی گئی لیکن اس سے بھی آپ نے معذرت کردی۔

دوبارہ مفتاح العلوم میں

یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ جنوری ۱۹۷۳ء میں جب مولانا عبد اللطیفؒ نعمانی مہتمم وصدر المدرسین مفتاح العلوم کا انتقال ہوگیا تو دوبارہ آپ کو مفتاح العلوم کا مہتمم اور شیخ الحدیث بنایا گیا۔ چند سال تک آپ نے مفتاح العلوم کی لوجہ اللہ خدمت کی پھر بعض وجوہ سے جامعہ سے الگ ہوگئے۔

المعہد العالی اور مرقاۃ العلوم کی تأسیس

مفتاح العلوم سے الگ ہوکر آپ نے ایک ادارہ۔ المعہد العالی للدراسات العلیا۔ کے نام سے قائم کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مدارس کے فضلاء کو فقہ وحدیث میں ماہر بنایا جائے لیکن خاطر خواہ طلبہ نہ ملنے کی وجہ سے مدرسہ مرقاۃ العلوم شروع فرمایا۔ جس میں ابتداء سے تعلیم کا انتظام کیا۔ آخر تک آپ ہی اس ادارہ کے مہتمم اور ذمہ دار رہے۔ چند سال دورۂ حدیث کی تعلیم بھی دی اور اسی ادارہ کے احاطہ میں آسودہ خواب ہیں۔

امارتِ ہند ۲۸؍صفر ۱۴۰۷ھ ۲؍نومبر ۱۹۸۶ء کو نئی دہلی میں کل ہند اجتماع کے اندر آپ بالاتفاق امیرالہند اور امیر شریعت مقرر ہوئے اور آخر تک اس منصب پر فائز رہے۔

دیگر کمالات آپ ایک عظیم مناظر بھی تھے۔ رضاخانی اور غیر مقلدین علماء سے بارہا مناظرے کی نوبت آئی اور آپ ہی فاتح اور کامیاب ہوئے۔ ادری ضلع مئو میں ۲۴، ۲۵، ۲۶؍جمادی الاخریٰ ۱۹۳۳ء کو مولوی حشمت علی، مولوی نعیم الدین سے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا عبداللطیف نعمانی، مولانا محمد منظور نعمانی صاحبان کا مناظرہ ہوا۔ رضاخانی علماء شکست کھاکر چھپ کر بھاگ نکلے۔

آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ کتابیں ازبر تھیں۔ کتب بینی محبوب مشغلہ تھا۔ جس شہر میں جاتے وہاں کے کتب خانوں سے خوب استفادہ کرتے۔ استحضار کا یہ عالم تھا کہ عرصہ کی دیکھی ہوئی کتابوں کا حوالہ بقید صفحات وسطور پیش کر دیا کرتے تھے۔

آپ ایک جلیل القدر مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، مناظر، مبلغ، واعظ، خطیب، ادیب شاعر، مؤرخ، محقق، مدرس، مؤلف ومصنف، اور اسماء الرجال کے زبردست عالم تھے۔ تدریس کے زمانہ میں اور بعد میں بھی برابر تصنیف وتالیف کا کام کرتے رہے۔ تصنیفی خدمات پر آپ کو حکومت ہند نے ایوارڈ اور اعزازی انعام بھی دیا۔

آپ کے بہت سے مسودات کہنگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے طبع نہ ہو سکے اور بہت سے مسودات محفوظ ہیں۔ جن کے اشاعت کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس مقصد کے لئے ایک سہ ماہی مجلہ المآثر کے نام سے جاری کیا گیا ہے۔

بیعت وخلافت طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت تھانویؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ایک خلیفہ قاری منیرالدین صاحب نے آپ کو اجازت وخلافت بھی دی۔ مولانا اعظمی لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ مالیگاؤں

اور ناگ پور میں بہت سے لوگ آپ سے بیعت تھے۔ (مجلہ ترجمان الاسلام خصوصی اشاعت[۲۳۳])
مولانا وصی اللہ فتحپوری نے بھی آپ کو اجازت دی تھی۔

مطبوعہ تالیفات نصرۃ الحدیث، رکعات تراویح، رکعات تراویح مذیل برد انوار المصابیح، اعلام مرفوعہ، ازہار مربوعہ برد آثار متبوعہ ۲ جلدوں میں، اعیان الحجاج ۲ جلدوں میں، شارع حقیقی، احکام النذر لاولیاء اللہ وتفسیر ما اہل لغیر اللہ، تحقیق اہلحدیث، دفع المجادلہ عن آیۃ المباہلہ، ارشاد الثقلین فی جواب اتحاد المرتقین، التنقید السدید علی التفسیر الجدید، تنبیہ الکاذبین، ابطال عزاداری، تعزیہ داری سنی نقطۂ نظر سے، رہبر حجاج و دلیل الحجاج، اہل دل کی دلآویز باتیں، دست کار اہل شرف، الالبانی شذوذہ واخطاءہ، تعقبات علی تعلیقات احمد محمد شاکر۔

محقق کتابیں آپ نے بہت سی نایاب کتابوں کو تصحیح اور تعلیق و تحشیہ کے بعد شائع کرایا جو نہایت عظیم اور اہم اور ذمہ داری کا کام ہے۔ بسا اوقات مستقل تصنیف سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ وہ کتابیں یہ ہیں۔

انتقاء الترغیب والترھیب لابن حجر، مسند حمیدی دو جلدوں میں، کتاب الزہد والرقائق لابن المبارک، سنن سعید بن منصور دو جلدیں (ناقص)، المطالب العالیہ لابن حجر ۴ جلدوں میں، تلخیص خواتم جامع الاصول محمد طاہر پٹنی، مصنف عبدالرزاق گیارہ جلدوں میں، مجمع بحار الانوار محمد طاہر پٹنی، کشف الاستار عن زوائد مسند بزار چار جلدیں، مصنف ابن ابی شیبہ صرف چار جلدیں طبع ہوئی تھیں۔ اکثر حصہ پر کام ہوگیا تھا، تحقیق حیاۃ الصحابہ، فتح المغیث للسخاوی، تکمیل الاذہان مولانا شاہ رفیع الدین، رسالۃ الاوائل للشیخ محمد سعید سنبل

غیر مطبوعہ تالیفات الحاوی لرجال الطحاوی، الاتحاف السنیہ بذکر محدثی الحنفیہ، رد تحقیق الکلام، بہشتی سے فتاوی، عظمت صحابہ، کتاب الثقات لابن شاہین، الحج القویہ، التیسیر الحثیث، التوصیۃ باسرار التسمیۃ (عربی) حذر الکلام عن وجہ القراءۃ

خلف الامام، معجزات وکرامات، اسلام اور صنف نازک، کشف المعضلات فی ردحل المغلقات، القول المختار فی التزی بزی الکفار، الروض المجود فی تقدیم الرکبتین عند السجود، توطین الجائشۃ بشرح البنار بعائشۃ، تذکرۃ ادبار الہند (عربی)

اسفار ۱۹۵۰ء میں زیارت حرمین شریفین سے پہلی بار مشرف ہوئے۔ پھر بار ہا یہ سعادت حاصل ہوتی رہی، مصنف عبدالرزاق کی طباعت کے سلسلہ میں بیروت کا سفر ہوا تو حج وزیارت کے ساتھ دمشق، صیداء، بعلبک، لاذقیہ، اور دوسرے بلاد شام بھی جانا ہوا۔ بحرین کا بھی سفر کیا۔ یہ تمام اسفار علمی افادہ واستفادہ سے معمور تھے۔ رفقاء سفر ایسے واقعات سناتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ آپ کی علمی شان کا مظاہرہ ہوا۔

تلامذہ محدث جلیل کے تلامذہ کا شمار مشکل ہے۔ بڑے بڑے علماء آپ سے استفادہ کیا کرتے تھے خطوط کے ذریعہ اور مشافہۃً بھی، جنھوں نے باقاعدہ مدارس میں آپ سے پڑھا ان کا شمار بھی مشکل ہے عرب کے بھی بہت سے مشائخ ہندوستان جاکر یا سفر کے دوران آپ سے حدیث کی کتابیں پڑھ کر اجازت لیتے تھے۔ ان کے نام مولانا محمد عثمان معروفی صاحب نے اپنے مقالہ میں جمع کئے ہیں۔

وفات ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ بروز دوشنبہ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۹۲ء عین افطار کے وقت (اس لحاظ سے ۱۱ رمضان بھی کہہ سکتے ہیں) علم وتحقیق کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ اور مرقاۃ العلوم کی زمین میں روپوش ہوگیا۔ جنازہ میں اندازاً دولاکھ مسلمانوں نے روزے کی حالت میں شرکت کی، جنازہ شہر کے باہر ریلوے کے میدان میں ہوا۔

(یہ مضمون ندائے شاہی جون ۱۹۹۲ء مقالہ مولانا محمد عثمان معروفی اور ترجمان الاسلام بنارس جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۲ء خصوصی اشاعت سے ماخوذ ہے۔ تفصیل کے لئے ترجمان الاسلام کی طرف رجوع کیا جائے۔)

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی رح

(دارالعلوم سے فراغت ۱۳۱۷ھ میں ہوئی وفات ۱۳۶۳ھ (مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند مفتی ظفیرالدین صاحب ص ۸۶)

مولانا کریم بخش سنبھلی رح کے حالات اب تک معلوم نہیں ہو سکے۔ اتنا معلوم ہے کہ آپ حضرت شیخ الہند رح کے تلمیذ رشید تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل۔ ہمارے یہاں مئو میں دارالعلوم مئو کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ ہمارے اساتذہ مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رح، مولانا عبداللطیف نعمانی رح، اور مولانا شمس الدین صاحب مئوی رح نے ان سے دورۂ حدیث پڑھا تھا۔

مولانا شمس الدین صاحب رح سے سنا فرمارہے تھے کہ پہلے دن سبق پڑھایا تو مزہ نہیں تھا اس لئے کہ رات کو مطالعہ کے لئے چراغ نہیں تھا۔ دوسرے دن جبکہ چراغ میسر ہو گیا تو جوہر کھلا اور معلوم ہوا کہ بہت قابل عالم ہیں۔

مولانا عبداللطیف نعمانی رح سے سنا فرمارہے تھے کہ مسائل فقہیہ پر تقریر و تفصیل صرف ترمذی شریف میں ہوا کرتی تھی۔ بخاری شریف میں صرف کتاب کی خصوصیات پر گفتگو ہوتی تھی اسلئے ہم لوگ بخاری شریف روزانہ کئی کئی صفحات پڑھ لیتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پڑھانے کا انداز حضرت شیخ الہند والا تھا۔ حضرت شیخ الہند کی تقریر مختصر اور جامع ہوا کرتی تھی۔ ان کی تقریر ترمذی مطبوعہ سے یہ بات ظاہر ہے اور ہم نے اپنے اساتذہ سے بھی یہ بات سنی ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں لمبی تقریر کا سلسلہ حضرت علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا۔ آپ کے پاس معلومات کا خزانہ تھا جو درس میں چشمہ کی طرح ابل پڑتا تھا، ہر فن کی معلومات وہ فراہم کر دیتے تھے۔ ان کے بعد بھی اس طرز کو کسی قدر باقی رکھنے کی کوشش کی گئی۔ تاکہ طلبہ کو کسی نقصان کا شبہہ نہ ہو۔

مولانا سنبھلی دارالعلوم مئو میں ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۰) اور ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۰) میں ضرور تھے۔ پہلے سال مولانا حبیب الرحمن

اعظمیؒ اور مولانا عبدالمجید صاحب مئوی نے دورۂ حدیث پڑھا اور دوسرے سال مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ نے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ۔

اس سے زیادہ مولانا سنبھلی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان کے عزیز ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ بچپن میں مئو تشریف لائے تھے۔ اور مولانا اعظمیؒ نیز مولانا نعمانیؒ فراغت کے بعد چونکہ فوراً دارالعلوم مئو میں مدرس ہو گئے تھے اس لئے ان دونوں سے تلمذ کا شرف وہیں حاصل ہوا۔ مولانا نعمانی مدظلہ نے لکھا ہے کہ وہ شوال ۱۳۳۹ھ میں مئو دارالعلوم آئے تھے (تذکرۂ نعمانی ص ۳۲)

لائق تلامذہ کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ صحیح ہوگا کہ مولانا سنبھلیؒ ایک فاضل استاذ تھے۔ منقولات کے ساتھ معقولات کے بھی بڑے عالم تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ مولانا اعظمیؒ نے ان سے معقولات کی بھی اونچی کتابیں پڑھی تھیں۔ (تذکرۂ نعمانی ص ۱۴۳)

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ

(۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء ــــــ ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء)

نام ونسب: نام محمود حسن۔ والد صاحب کا نام ذوالفقار علی۔ دادا کا نام شیخ فتح علی۔

ولادت: حضرت شیخ الہند کی ولادت ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں بریلی میں ہوئی جب کہ ان کے والد صاحب مولانا ذوالفقار علی بوجہ ملازمت وہاں مقیم تھے۔

تعلیم: چھ سال کی عمر میں تعلیم شروع کی۔ میانجی منگلوری سے قرآن پاک کا اکثر حصہ پڑھا۔ میانجی مولوی عبداللطیف صاحب سے کچھ قرآن اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اپنے چچا مولوی مہتاب علی سے فارسی کی بقیہ کتابیں اور ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں۔

قیامِ دار العلوم دیوبند

محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں جبکہ آپ کی عمر پندرہ برس تھی. عربی مدرسہ کے نام سے دار العلوم کا قیام عمل میں آیا. پہلے مدرس ملا محمود دیوبندی متوفی ۱۳۰۴ھ مقرر ہوئے. مولانا محمود الحسن صاحب بھی مدرسہ کے طلبہ سابقین اولین میں شامل ہو گئے. ۱۲۸۴ھ میں کنز الدقائق، میبذی، مختصر معانی وغیرہ پڑھیں ۸۵ھ میں ہدایہ، مشکوٰۃ شریف مقامات وغیرہ کا امتحان دیا ۱۲۸۶ھ میں صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر روزگار استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی م ۱۲۹۷ھ سے شروع کیں. مولانا نانوتوی اس وقت میرٹھ میں ایک مطبع میں تصحیح کتب کا کام کر رہے تھے پھر مطبع دہلی میں منتقل ہوا تو دہلی میں مقیم ہوئے کبھی دیوبند اور نانوتہ میں مقیم رہتے ان تمام جگہوں پر استاد کی خدمت کا حق ادا کرتے ہوئے سبق جاری رکھتے. ۱۲۸۹ھ میں یہ کتابیں تکمیل کو پہونچیں. اسی زمانہ میں مختلف اوقات میں ادب کی بعض کتابیں اور حساب وغیرہ دیگر فنون پڑھ کر علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوئے اور ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ کے جلسۂ دستار بندی میں بدست اکابر علماء سندِ فراغ و دستارِ فضیلت حاصل کی.

تدریس

فراغت کے قبل ۹۰-۱۲۸۹ھ میں معین المدرس کی حیثیت سے مختلف کتب کا درس شروع کر دیا تھا. فراغت کے بعد بھی پڑھاتے رہے. ۱۲۹۲ھ سے باقاعدہ بمشاہرہ مدرس مقرر ہوئے. ۹۳ھ میں مشکوٰۃ وہدایہ وترمذی پڑھائی. ۹۵ھ میں صحیح بخاری بھی پڑھائی. اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے بہت جلد ترقی کر لی.

سفرِ حج

شوال ۹۴ھ میں اکابر کے قافلہ کے ساتھ حج کو گئے وہاں شاہ عبد الغنی مجددیؒ سے سندِ حدیث حاصل فرمائی. حاجی امداد اللہ رح سے بیعت ہوئے حاجی صاحبؒ نے خلافت واجازت بھی عطا فرمائی. حضرت نانوتوی نے بھی آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت فرما کر اجازت عطا فرمائی.

۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس مقرر ہوئے بڑی کتابیں تو پہلے ہی سے پڑھاتے تھے۔ لیکن مولانا سید احمد دہلوی جو مدرس اول تھے بھوپال چلے گئے اور اس سے قبل مولانا یعقوب نانوتوی اور ملا محمود کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے آپ صدر مدرس نامزد ہوئے۔ شیخ الہند نے ۱۳۳۳ھ تک دارالعلوم میں درس دیا۔ اس چالیس سال سے زائد مدت میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء آپ سے مستفید ہوئے اور ایک عالم کو سیراب کیا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی آپ سے پڑھا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی۔ یہ تمام آپ کے تلامذہ ہیں۔ جن کو عالمی شہرت حاصل ہے۔ آپ کے ذریعہ دارالعلوم عالمی ادارہ بن گیا۔

تحریک آزادی اپنے اساتذہ حضرت نانوتوی و حضرت گنگوہی سے وراثۃً انگریز دشمنی پائی تھی۔ ہندوستان کو انگریزوں کے ظلم سے آزاد کرنے کے لئے جذبہ جہاد آپ میں پایا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں ۱۳۳۳ھ کے حج کے بعد آپ گرفتار کئے گئے اور مالٹا میں تین سال سے زیادہ گرفتار رہے، اسی زمانہ میں آپ نے ترجمۂ قرآن مکمل کیا اسیری سے قبل چھ پارے ہوئے تھے۔

۷ ۶ ابواب بخاری پر گراں قدر تحریر اسی زمانہ میں تحریر فرمائی۔ مالٹا سے رہائی کے بعد شیخ الہند کا خطاب ملا۔

وفات بمبئی آمد کے ۵ ماہ بعد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء دلی میں انتقال ہوا۔ دیوبند میں دفن کیا گیا رحمہ اللہ۔

(ماخوذ از حیات شیخ الہند۔ مؤلفہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی و نقش حیات حضرت مدنی)

تصنیفات ایضاح الادلہ، شرح اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القری الگنگوہیؒ جہد المقل فی تنزیہ المعزّ والمذلّ وغیرہ تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رح

د ۱۲۴۸ھ ـــــ ۱۲۹۷ھ عمر ۴۹ سال

نام ونسب:- محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش صدیقی نانوتوی۔

ولادت:- ۱۲۴۸ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم حضرت نانوتوی بچپن ہی میں نانوتہ سے دیوبند چلے گئے۔ اور شیخ کرامت کے گھر عربی پڑھی پھر اپنے نانا کے ساتھ سہارنپور چلے گئے۔ وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارنپوری سے فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا مملوک علی صاحب کے ہمراہ محرم ۱۲۶۰ھ کو دہلی پہنچے ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔ حدیث شاہ عبد الغنی صاحب مجددی دہلوی ؒ سے پڑھی۔ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ سے بیعت ہوئے اور اکتساب فیض کر کے کمال کو پہنچے۔ حاجی صاحب آپ کو اپنی زبان قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں ہوتے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد دہلی میں مطبع احمدی میں جو محدث احمد علی سہارنپوری نے قائم کیا تھا تصحیح کتب کا کام کرنے لگے۔ محدث سہارنپوری نے بخاری پر حاشیہ لکھنے کا کام شروع کر رکھا تھا۔ آخر کے پانچ پاروں کے حاشیہ کا کام مولانا نانوتوی کے سپرد فرمایا۔ یہ پارے مشکل تھے خصوصًا وہ مقامات جہاں امام بخاری نے امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کئے ہیں۔ لیکن مولانا نانوتوی نے کتاب کی تصحیح بھی خوب کی اور حاشیہ بھی خوب لکھا اور مذہب حنفی کی تائید میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ وہی بخاری اب تک ہند و پاک میں چھپ رہی ہے۔ صرف دو سال کے رمضان میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔

آپ بہت سادہ اور متواضع تھے۔ مسئلہ کسی کو نہ بتاتے دوسرے کے حوالہ کر دیتے۔ فتویٰ لکھنا یا اس پر دستخط کرنا تو درکنار۔ شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ بھی دوستوں کی طرح

رہتے۔ پادریوں اور آریوں سے متعدد مناظرے کئے اور اسلام کی حقانیت ثابت فرمائی۔

تصنیفات

مذہب حنفی کی تائید میں توثیق الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام۔ اور الدلیل المحکم فی ترک القراءۃ للمؤتم اور مصباح التراویح وغیرہ کتابیں لکھیں۔

مخالفین اسلام کے جواب میں۔ تقریر دل پذیر۔ انتصار الاسلام۔ حجۃ الاسلام۔ میلۂ خدا شناسی، قبلہ نما، تحفۂ لحمیہ، مباحثہ شاہجہاں پور، گفتگوئے مذہبی۔ کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔

تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر عجیب کتاب ہے اس پر اعتراضات کے جواب میں اجوبۂ اربعین لکھی، آبِ حیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات برزخی پر۔ اور ہدیۃ الشیعہ شیعوں کے عقائد پر لاجواب کتابیں ہیں ان کے علاوہ بھی دیگر تصنیفات اور قصائد وغیرہ ہیں۔

انگریزوں کی مخالفت میں اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ۱۸۵۷ء کے جہاد شاملی میں شرکت فرمائی۔ اور گرفتاری کا وارنٹ نکلا تو صرف تین دن روپوش رہے پھر باہر نکل آئے اور فرمایا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تین دن ہی غار ثور میں روپوش تھے۔ آپ نے تین حج کئے تھے ـــــــ سنین ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء، ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء، ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے دار العلوم دیوبند کا قیام ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں ہوا تو آپ ہی اس کے روح رواں تھے اور اس کے اصولِ ہشتگانہ تحریر فرمائے۔

وفات

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ بروز جمعرات دیوبند ہی میں انتقال ہوا۔ جہاں دفن ہوئے وہی قبرستان قاسمی ہوگیا۔ وہیں حضرت شیخ الہند حضرت مولانا حسین مدنی وغیرہم مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(از بیس بڑے مسلمان اور العناقید الغالیہ مولانا عاشق الٰہی برنی مدنی ص۳۹)

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

د ۱۲۴۴ھ ——— ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء عمر ۷۹ سال

نام ونسب: رشید احمد بن ہدایت احمد ہے۔ آپ انصاری اور ایوبی النسل تھے۔

ولادت مولانا گنگوہی کی ولادت ۶ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء بروز پیر گنگوہ میں ہوئی۔ ابھی سات سال کے تھے کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ کی تربیت میں رہے۔ سرپرستی جد امجد قاضی پیر بخش صاحب نے کی۔

تعلیم کچھ ابتدائی تعلیم میانجی قطب بخش اور اپنے ماموں مولوی محمد تقی سے حاصل کی۔ فارسی کا کچھ حصہ مولوی محمد غوث سے اور ابتدائی صرف ونحو مولوی محمد بخش رامپوری سے حاصل کیا۔ اس کے بعد دہلی کا رخ کیا یہ ۱۲۶۱ھ کا قصہ ہے۔ وہاں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی موجود تھے دونوں ساتھ ہوگئے۔

معقولات، اصول فقہ معانی اور تفسیر کی اکثر کتب درسیہ مولانا مملوک علی نانوتویؒ متوفی ۱۲۶۷ھ والد مولانا یعقوب نانوتوی سے پڑھیں جو مدرسہ عربیہ یعنی دہلی کالج میں پڑھاتے تھے۔ کچھ معقولات کی کتابیں صدر الصدور مفتی صدر الدین صاحب آزردہ سے پڑھیں۔ صحاح ستہ اور کچھ کتابیں شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی سے پڑھیں کچھ ان کے بھائی شاہ احمد سعید مجددی دہلوی سے بھی پڑھی تھیں۔

تقریباً ۴ سال دہلی میں رہ کر تمام علوم وفنون میں کمال پیدا کرلیا۔ پھر گنگوہ واپس آئے شادی ہوئی اور ایک سال میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔ پھر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے اور بیعت ہوکر ایک چلہ وہاں گذارا واپسی میں خلافت مل گئی۔ حاجی صاحب نے الوداع کہتے ہوئے فرمایا اگر کوئی بیعت کی درخواست کرے تو بیعت کرلینا۔

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء میں برطانوی حکومت کے خلاف جہاد میں حضرت حاجی صاحب کے ساتھ آپ بھی شریک تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ جماعت مجاہدین کے امیر تھے۔ حضرت نانوتوی سپہ سالار اور حضرت گنگوہی قاضی۔ شاملی کی لڑائی کے بعد ان تینوں کو گرفتار کرنے کا حکم تھا۔ حاجی صاحب تو خفیۃً ہجرت کر گئے۔ حضرت نانوتوی تین دن روپوش رہ کر باہر نکل آئے لیکن ان کی گرفتاری عمل میں نہیں آسکی۔ حضرت گنگوہی تقریباً ۶ ماہ جیل میں رہے پھر رہا ہوئے۔

درس وتدریس

رہائی کے بعد بیعت وارشاد کے ساتھ تعلیم وتدریس میں منہمک ہو گئے۔ آپ نے تین حج کئے پہلا ۱۲۸۰ھ میں دوسرا ۱۲۹۴ھ میں اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت نانوتوی، مولانا محمد مظہر، مولانا یعقوب نانوتوی، مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی، حضرت شیخ الہند بھی تھے۔ اس وقت تک حضرت گنگوہی تفسیر، حدیث، کلام، فقہ، اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔ تیسرا حج ۱۲۹۹ھ میں کیا۔ حرمین شریفین میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور شاہ عبد الغنی محدثؒ کا ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس سفر سے واپس آکر ایک سال میں صحاح ستہ کے دورہ کو ختم کرانے کا التزام کیا۔ شوال سے شعبان تک پڑھاتے۔ ۱۳۱۴ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (بیس بڑے مسلمان ص۱۶۹)

الکوکب الدری ص۱۱ میں ہے کہ ۱۳۰۹ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ تقریباً بیس سال میں آٹھ سو سے زائد علماء وفضلاء فارغ ہوئے۔ تین سال دورۂ حدیث مسلسل حادثات کے پیش آنے کی وجہ سے نہیں پڑھایا۔ پھر ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ میں متعلقین کے مسلسل اصرار کی وجہ سے دورۂ حدیث پڑھانا شروع فرمایا جو شعبان ۱۳۱۳ھ میں پورا ہوا۔ جس میں مولانا محمد یحیٰ صاحب کاندھلوی بھی شریک تھے بلکہ انہی کی وجہ سے یہ دورہ ہوا اور انہی سالوں کی تقریریں مولانا محمد یحیٰ صاحب نے ضبط کی تھیں جو الکوکب الدری اور لامع الدراری وغیرہ کے نام سے شائع ہوئیں۔ آپ کے کمالات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ وفات جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ

رحمۃ واسعۃ۔ (از بیس بڑے مسلمان۔ العناقید الغالیہ ص۳۵ مقدمۂ لامع ص۲ وکوکب ص۱۳ وغیرہ)

طریقۂ تدریس

حضرت گنگوہی اولاً ترمذی شریف پڑھایا کرتے تھے اس میں متن واسناد کی تحقیق اور رفع تعارض، ترجیح راجح وغیرہ مباحث کو پوری تفصیل سے بیان کرتے تھے پھر بقیہ کتابیں سرسری طور پر پڑھاتے تھے صرف کتاب کی خصوصیات پر کلام فرماتے تھے۔ (مقدمۂ لامع ص۳ والعناقید الغالیہ ص۳۸)

حضرت گنگوہی کو یہ کمال حاصل تھا کہ مختصر عبارت میں نہایت جامع بات ارشاد فرمادیتے۔ ان کو فن حدیث سے فطری مناسبت تھی، ذوق سلیم حاصل تھا اختلافی مسائل میں نہایت اعتدال کے ساتھ فیصلہ فرماتے۔ افراط وتفریط سے خالی، سلفِ صالحین اور ائمۂ حدیث وفقہ کے ساتھ حسنِ ادب اور حسنِ ظن رکھتے تھے۔ روایات کا ایسا محمل بیان فرماتے کہ تعارض رفع ہوجاتا۔

خصوصیات وکمالات

تقوی اور اتباع سنت میں آپ ایک مثالی شخصیت کے مالک تھے۔ بدعات اور رسوم سے نفرت تھی اس کے خلاف آپ نے جنگ کی، اس میں ذرا نرمی گوارہ نہ تھی اس کی بہت سی مثالیں ان کی سوانح میں مذکور ہیں۔ حق بات صاف صاف فرمادیتے۔ سنت اور شریعت کی اشاعت آپ کا مقصدِ زندگی تھا۔ کسی منکر کو برداشت نہ کرتے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے۔

اس کے باوجود متواضع اور نرم طبیعت تھے۔ حق کے ساتھ رہتے۔ حق ظاہر ہونے کے بعد اپنے قول سے رجوع کرلیتے۔

ایسے خلفاء اور تلامذہ چھوڑے جنھوں نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا۔ حدیث وسنت اور شریعت کی اشاعت اور منکرات وبدعات کو مٹانے کی انتھک کوشش کی ان میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اور مولانا الیاس دہلویؒ بہت مشہور ہیں۔

تصنیفات حضرت گنگوہیؒ نے مختلف موضوعات پر تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، ان میں چند مشہور یہ ہیں۔ ۱۔ ہدایۃ الشیعہ۔ ہادی علی شیعی کے اعتراضات کے جوابات، ۲۔ زبدۃ المناسک۔ ۳۔ الرأی النجیح فی اثبات التراویح۔ ۴۔ جمعہ فی القری کے جواب میں جس کا نام ہے اوثق العری۔ ۵۔ ہدایۃ المقتدی قرات خلف الامام کے موضوع پر۔ ۶۔ سبیل الرشاد۔ رد عدم تقلید پر۔ ۷۔ قطوف دانیہ۔ محلہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت پر۔ ۸۔ رد الطغیان۔ کلام مجید کے اوقاف کو بدعت ثابت کرنے والوں کا جواب۔ ۹۔ احتیاط الظہر۔ جہاں جمعہ ہے وہاں احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں۔ ۱۰۔ فتاوی رشیدیہ۔

شیخ شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ

(۱۲۳۵ھ ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۶ء) عمر ۶۱ سال

آپ کا اسم گرامی عبدالغنی والد کا نام ابوسعید مجددی ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چند آباء کے واسطہ سے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمدؒ سے جا ملتا ہے اسی لئے آپ کو بھی اور آپ کے والد کو بھی مجددی کہا جاتا ہے۔

ولادت شاہ عبدالغنی کی ولادت دہلی میں شعبان ۱۲۳۵ھ میں ہوئی۔ بچپن ہی سے تحصیل علم شروع کر دیا۔ فقہ حنفی کو سیکھا اور قرآن پاک حفظ کیا۔ حدیث وغیرہ کی اکثر کتابیں اپنے والد شیخ ابوسعید مجددی سے پڑھیں۔ خصوصاً صحاح ستہ اور مؤطا امام محمد، اور صحیح بخاری حضرت شاہ محمد اسحاق سے بھی پڑھی۔ مشکوٰۃ شیخ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین سے پڑھی۔ صحیح بخاری شیخ محمد عابد سندھی سے بھی پڑھی اور دیگر کتب کی بھی اجازت حاصل کی۔ شیخ ابوالزاہد اسماعیل بن ادریس رومی ثم مدنی سے بھی اجازت حاصل کی۔ سلسلۂ نقشبندی میں اپنے والد سے اکتساب فیض کر کے اجازت حاصل کی اور ان کے قائم مقام بن کر ارشاد و اصلاح کا کام انجام دیا۔

سنن ابنِ ماجہ پر ایک نفیس حاشیہ بنام - انجاح الحاجۃ. تصنیف فرمایا جو مقبولِ خاص وعام ہے۔

ہر وقت تدریس و تعلیم اور وعظ وارشاد میں مشغول رہتے تھے. جب دلّی میں فساد ہوا اور کافروں کا غلبہ ہوگیا تو اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ حجاز ہجرت کر گئے پہلے مکہ مکرمہ گئے پھر مدینہ اور یہیں کے ہو رہے۔ رات دن درس و تدریس اور اوراد واذکار میں گذارتے۔ وہاں بہت سے علماء آپ سے مستفید ہوئے۔

آپ کے شاگردوں میں ہندوستان کے یہ اکابر ہیں۔ ملا محمود دیوبندی متوفی ۱۳۰۴ھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی، مولانا محمود الحسن دیوبندی شیخ الہند، مولانا خلیل احمد سہارن پوری صاحب بذل المجہود. مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ۔ حجاز کے یہ حضرات ہیں۔ شیخ شہاب الدین احمد بن اسماعیل برزنجی. شیخ حسب اللہ مکی، شیخ عبد الجلیل برادہ، سید امین رضوان، شیخ فالح بن محمد ظاہری. شیخ عثمان داغستانی مدنی۔ مغرب کے لوگوں نے بھی آپ سے اجازت لی۔

آپ کے بعد آپ کی صاحبزادی بھی آپ کے واسطہ سے حدیث کی اجازت دیتی تھیں۔ مولانا یوسف بنوریؒ نے ان سے اجازت لی تھی۔

وفات آپ کی وفات مدینہ منورہ میں محرم ۱۲۹۶ھ میں ہوئی رضی اللہ وارضاہ وجعل الجنۃ مثواہ۔ آپ کے والد شیخ ابو سعید مجددی اور شاہ محمد اسحاق دونوں نے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے حدیث کا علم حاصل کیا، انھوں نے اپنے والد سے الخ۔

علامہ عبد الحیٔ کتانی کہتے ہیں کہ متاخرین کے سلسلوں میں اس سے زیادہ مضبوط اور قابل اعتماد کوئی سلسلہ نہیں۔ اس لئے کہ علو کے ساتھ اپنے زمانہ اور مقام کے ائمہ کے ساتھ مسلسل ہے۔ (از العناقید الغالیہ ص ۲۴ و ص ۲۵)

مسند الہند شاہ محمد اسحاق دہلوی مکی رحمۃ اللہ

۱۱۹۷ھ ـــــ ۱۲۶۲ھ

اسم گرامی محمد اسحاق، کنیت ابوسلیمان اور نسب نامہ یہ ہے۔ محمد اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن سلیمان بن منصور . . . . عمری دہلوی

ولادت ۸ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ یا ۱۱۹۷ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

تعلیم اپنے نانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے زیر تربیت پروان چڑھے۔ صرف و نحو کافیہ تک شیخ عبدالحیٔ بن ھبۃ اللہ بڈھانوی سے اور بقیہ کتب درسیہ شیخ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ سے پڑھیں پھر حدیث کا علم اور سند شاہ عبدالعزیز رح سے حاصل کیا۔

شاہ صاحب کے بچے کی طرح تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنا جانشیں بنا دیا۔ اپنا سارا مال کتابیں اور گھر ان کو ھبہ کر دیا۔ شاہ صاحب کے بعد ان کے جانشیں ہوئے۔ لوگوں کو خوب فائدہ پہنچایا۔

سفر حجاز ۱۲۴۰ھ میں حرمین شریفین کا قصد کیا۔ وہاں شیخ عبدالکریم بن عبدالرسول مکی شافعی متوفی ۱۲۴۷ھ سے حدیث کی سند حاصل کی پھر ہندوستان آئے اور دہلی میں ۱۶ سال تک درس دیا۔

شیخ عمر بن عبدالکریم کہا کرتے تھے کہ ان کے نانا شیخ عبدالعزیز دہلوی کی برکت ان میں اثر پڑی ہے۔ شیخ عمر مکی مذکور علم حدیث اور رجال حدیث میں ان کے کمال کے قائل تھے۔

علم و تقوی وغیرہ فضائل میں مشہور تھے ان کے زمانہ میں ہندوستان میں حدیث کی کوئی اور سند نہیں تھی بہت سے لوگوں نے حدیث کا علم ان سے حاصل کیا حتی کہ تمام سندوں کا وہ مرکز بن گئے۔

ہجرت ۱۲۵۸ھ میں دوبارہ حج کے لئے تشریف لے گئے اور فراغت کے بعد مکہ مکرمہ

میں اقامت اختیار کرلی. ساتھ میں تمام عیال اور چھوٹے بھائی محمد یعقوب بھی تھے۔

آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے اہل علم پیدا ہوئے. مثلاً نواب قطب الدین دہلوی صاحب مظاہر حق متوفی بمکۃ ۱۲۷۹ھ. شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری المتوفی ۱۲۹۷ھ محشی بخاری (انھوں نے مکہ مکرمہ میں اپنے ہاتھ سے کتابیں نقل کر کے شاہ محمد اسحاق صاحب سے پڑھیں) مولانا محمد مظہر نانوتوی متوفی ۱۳۰۲ھ، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی متوفی ۱۳۱۴ھ شاہ عبدالغنی مجددی متوفی ۱۲۹۶ھ وغیرہم۔

شاہ محمد اسحاق صاحب نے مشکوٰۃ کا ترجمہ بھی کیا اور کچھ تصنیفات بھی چھوڑیں. آپ کی طرف بعض ایسی تصنیفات بھی منسوب ہیں جن میں ادھام ہیں. جو بظاہر آپ سے مستبعد ہیں. کہا جاتا ہے کہ آپ کے اصحاب میں بعض بُرے لوگ بھی تھے جن کے ساتھ آپ حسن ظن رکھتے تھے. انھوں نے آپ کی کتابوں میں ایسی باتیں داخل کردیں.

(ذکرہ الشیخ زکریا فی مقدمۃ الاوجز)

وفات آپ کی وفات بروز پیر بحالت صوم ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ میں ہوئی، جنت المعلاۃ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے قریب دفن ہوئے. رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ.

(از العناقید الغالیہ ص۲۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

۱۱۵۹ھ ۱۲۳۹ھ عمر ۸۰ سال

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا تاریخی نام غلام حلیم تھا۔ آپ کی ولادت ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۶ء دہلی میں ہوئی۔ گیارہ برس کی عمر میں قرآن مجید اور فارسی سے فارغ ہوکر عربی شروع کی اور پندرہ سال کی عمر میں جملہ علوم رسمیہ سے فراغت حاصل کی۔ علوم عقلیہ کی تحصیل والد بزرگوار شاہ ولی اللہ دہلوی کے تلامذہ سے کی اور حدیث و فقہ کی خود شاہ صاحب سے۔

سترہ برس کے تھے کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا تو شاہ صاحب کے تلمیذ خاص مولانا محمد عاشق پھلتی سے تکمیل کی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے انتقال کے بعد آپ ہی ان کے جانشیں اور خلیفہ ہوئے اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ درس و تدریس ہدایت و ارشاد اور تصنیف و تالیف میں ہمہ تن مشغول ہوگئے۔ تمام علوم متداولہ اور فنون عقلیہ و نقلیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی، حافظہ بھی بلا کا قوی تھا تقریر معنی خیز، سحر انگیز اور مرتب و دلنشیں ہوا کرتی تھی ان تمام کمالات نے آپ کو مرجعِ عوام و خلاص بنا دیا تھا۔ شیخ محمد تھانوی کا ارشاد ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو چھ ہزار حدیث کے متن (خوروضبط) یاد تھے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے کہ آپ دیارِ ہند کے خاتم المفسرین والمحدثین تھے۔ کثرت حفظ و علم، خوابوں کی تعبیر، سلیقۂ وعظ، انشاء پردازی، تحقیقات نفائس علوم مذاکرہ اور مخالفین کے ساتھ مباحثہ کرنے میں اور موافق و مخالف اعتقادیات میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ تمام عمر درس و تدریس، افتاء، فصل خصومات۔ وعظ و تربیت مریدین و تکمیل تلامذہ میں گذار دی، باطنی کمالات کے ساتھ صوری جاہ و عزت اور ظاہری تعظیم و تکریم بھی میسر تھا۔ امیر مجاہدین سید احمد سعید بریلوی رح کو ان ہی سے بیعتِ طریقت حاصل تھی۔

ان کا خاندان علوم حدیث اور فقہ حنفی کا خاندان تھا۔

مولانا عبدالقادر کا بیان ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے اور ہیئت، ہندسہ، مجسطی، مناظر، اصطرلاب، جرثقیل، طبعیات، منطق، مناظرہ، اتفاق واختلاف، ملل ونحل، قیافہ، تاویل، تطبیق مختلف اور تفسیر مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے۔ فن ادب میں اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے۔ حکما یونان یا رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں خواہ مخواہ مبتلا نہیں ہوتے۔ (از فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ ص۲۷۴)

ہفتہ میں دو بار مجلس وعظ منعقد فرماتے۔ شائقین ومعتقدین بہت بڑی تعداد میں جمع ہوتے جن کو رشد وہدایت کا افاضہ کرتے۔ (ایضا ص۲۷۵)

وفات ۹ شوال بروز یکشنبہ ۱۲۳۹ھ اس جہانِ فانی سے انتقال فرمایا۔

تصنیفات علم حدیث میں دو کتابیں مشہور ہیں ایک بستان المحدثین جو مشہور کتابوں اور ان کے مؤلفین کے حالات وتعارف پر مشتمل ہے۔ اصل کتاب فارسی میں تھی اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

دوسری کتاب عجالۂ نافعہ ہے جو شاہ صاحب کا ثبت اور علم حدیث کے علوم کی آئینہ دار ہے۔ (ایضاً ص۲۷۶)

۳۔ تحفۂ اثنا عشریہ شیعوں کی رد میں بے نظیر کتاب ہے۔

۴۔ تفسیر عزیزی جو صرف سورۂ بقرہ اور آخر کے دو جزوں کی تفسیر ہے۔ اس کا نام فتح العزیز ہے۔ اگر یہ مکمل ہو جاتی تو اس سے کامل کوئی تفسیر نہ ہوتی۔ ۵۔ تحقیق الرویا۔ ۶۔ رسالۂ فیض عام ۷۔ سر الشہادتین۔ ۸۔ عزیز الاقتباس فی فضائل اخبار الناس۔ ۹۔ چہار باب۔ ۱۰۔ احسن الحسنات۔ (مقدمۂ او جزء ص۷۲) فتاویٰ عزیزی شاہ صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ شاہ صاحب صاحب کرامت تھے۔ پہلی مرتبہ جب تراویح سنائی تو خواب

میں دیکھا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شریک ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے فضائل کے مالک تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے تلامذہ میسر فرمائے جن سے ان کے علوم کی خوب اشاعت ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۲ء ——— وفات ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۳ء عمر ۶۲ سال

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نام و نسب احمد نام، ابو الفیاض کنیت، ولی اللہ عرف، بشارتی نام قطب الدین اور تاریخی نام عظیم الدین ہے۔ نسبتاً فاروقی ہیں، والدہ کی طرف سے نسب حضرت موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے اسّی سال بعد ۴ شوال ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۲ء کو آپ کے نانی ہال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر یوپی ہند میں ہوئی۔ آپ چار سال کے تھے تو شہنشاہ عالم گیر اورنگ زیب کا انتقال ہوا۔

آپ کے والد صاحب شاہ عبد الرحیم اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ فقیہ اور صوفی بزرگ تھے، فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں آپ کا بھی حصہ رہا ہے، فقہ حنفی کی جزئیات پر بڑی گہری نظر تھی۔

تعلیم و تربیت عمر کے پانچویں سال میں والد صاحب نے تعلیم شروع کرائی۔ سات سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے۔ پھر فارسی اور عربی شروع کی دس برس کی عمر میں نحو میں مہارت پیدا کر لی۔ پھر معقولات کی طرف متوجہ ہوئے پندرہ سال کی عمر میں تمام متداول درسی کتب سے فارغ ہو کر عالم فاضل بن گئے۔ اکثر تعلیم اپنے والد ماجد سے

حاصل کی۔

شادی اور بیعت

عمر کے چودہویں سال میں شادی ہوگئی۔ اور جس وقت آپ اپنے والد سے بیضاوی شریف پڑھ رہے تھے (یہ عمر کا پندرہواں سال تھا) اپنے والد ہی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان ہی کی نگرانی میں اشغال صوفیہ میں مشغول ہوئے۔ خصوصاً نقشبندیہ میں تمام اذکار پورے کئے۔ عمر کے سترہویں سال میں جب کہ والد صاحب بیمار تھے اور سفر آخرت کے لئے تیار تھے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور مدرسہ رحیمیہ نیز خانقاہ رحیمیہ کی ذمہ داری آپ کو سونپی اور ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء میں راہی ملک بقا ہوئے۔

درس وتدریس

۱۷ سال کی عمر میں آپ نے تدریس کا کام شروع کیا اور ۱۲ سال تک مسلسل بہت انہماک اور محنت سے نحو وصرف، معقولات اور کتب فقہ وتفسیر وحدیث کا درس دیا۔ مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ کیا اسی وقت سے فقہائے محدثین کا طرز آپ کے دل نشیں ہوا۔ آپ نے طریقۂ رائجہ کو چھوڑکر ایک نیا طریقۂ تعلیم کا اختیار کیا۔ جس سے فضلاء کے اندر قرآن وحدیث سے گہرا ربط پیدا ہوا اور علوم عقلیہ کی مدد سے تمام شکوک وشبہات کی تردید کی صلاحیت پیدا ہوئی۔

سفر حجاز

۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۱ء کے اواخر میں حجاز کے لئے روانہ ہوئے۔ حج سے فارغ ہوکر مزید ایک سال قیام فرمایا۔ کل چودہ ماہ قیام رہا دو حج کئے اس دوران بڑے بڑے مشائخ سے اکتساب علوم کیا۔ ساتھ ہی اشراقی قوت سے روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خانۂ کعبہ سے بھی کسب فیض کیا۔

خانۂ کعبہ اور روضۂ اطہر سے جو روحانی مشاہدات اور مکاشفات ہوئے ان کو فیوض الحرمین میں جمع فرمایا۔

حجاز میں رہ کر کتابوں کی فراہمی کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ جو کتابیں ہندوستان میں

نایاب تھیں جس قیمت پر مل گئیں ان کو حاصل کرلیا۔

حجاز مقدس کے قیام سے علمی صحبتوں، مطالعہ کتب اور روحانی فیضان کی وجہ سے آپ میں مجتہدانہ کمال پیدا ہوگیا۔ جس سے آپ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا۔

فیض حدیث

ہندوستان میں آپ سے قبل شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے علم حدیث کو عام کرنے کی کوشش کی تھی اس مقصد کے لئے آپ نے بھی تین سال حجاز مقدس میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا تھا۔ چنانچہ آپ اور آپ کی اولاد کے ذریعہ بہت کچھ حدیث کی خدمت واشاعت ہوئی لیکن اس کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکا۔ لیکن شاہ ولی اللہ کے ذریعہ جو سلسلہ شروع ہوا اس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج تک وہ سلسلہ نہ صرف قائم ہے بلکہ اس میں کافی ترقی اور پھیلاؤ ہو رہا ہے

شاہ صاحب کی خدمات

شاہ صاحب کے زمانہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی حالت بہت خراب تھی، بدعقیدگی اور بدعملی کے تمام جراثیم ان میں سرایت کر گئے تھے۔ دینی اور اخلاقی حالت حد درجہ گر گئی تھی۔ ہندوؤں کے رسوم و رواج کو مسلمانوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ علماء میں جمود اور اندھی تقلید کا رواج پڑ گیا تھا جاہل صوفیوں نے پیری مریدی کے نام سے مسلمانوں کو لوٹنے کا کاروبار جاری کر رکھا تھا۔ بدعتیں عام تھیں، جہالت بھی عام تھی۔ جہاں مدارس میں تعلیم ہو رہی تھی زیادہ تر معقولات پر زور دیا جارہا تھا۔ اصل علوم کتاب وسنت کیطرف توجہ نہ تھی۔ قرآن مجید تو نصاب سے خارج تھا۔ حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار بطور تبرک پڑھائی جاتی تھیں۔

شاہ صاحب نے تحریر وتقریر دونوں کے ذریعہ مسلمانوں کے اصلاح کی ایسی کوشش کی جس کو کبھی بھولا نہیں جاسکتا آج ہندو پاک میں علم دین کے جو چرچے ہیں اور اسلام صحیح شکل میں جو موجود ہے وہ شاہ صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

شاہ صاحب نے درس کا ایک نیا اسلوب اختیار کیا جس میں قرآن وحدیث کو اصل

قرار دیا۔ قرآن کا ترجمہ اور کچھ فوائد فارسی زبان میں تحریر کئے جو اس وقت کی عام زبان تھی۔ یہ ہندوستان میں پہلا ترجمہ تھا۔ اس کا نام فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن ہے فتح الخبیر بما لابد من حفظہ فی علم التفسیر۔ عربی زبان میں مختصر تفسیر لکھی۔ موطأ امام مالک کی دو شرحیں لکھیں ایک مصفّٰی جو فارسی میں ہے دوسری مسوّیٰ جو عربی میں ہے ان کے دیکھنے سے شاہ صاحب کے علمی تبحر اور طریقۂ تدریس کا پتہ چلتا ہے۔

عجمی تصوف اور اس کی خرافات سے اسلامی تصوف کو پاک صاف کیا اس موضوع پر بھی کتابیں لکھیں۔

شیعیت کی تردید کے لئے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء لکھی جس میں قرآن وحدیث سے خلفاء راشدین کی خلافت کو ثابت کیا نیز تفسیر وتاریخ سے اس کے ایسے دلائل پیش کئے جس سے ساری غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ بقول مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ آپ کی عربی تصنیف ہے جس میں احکام اسلامیہ کے رموز ونکات اور شریعت کے اسرار بیان فرمائے ہیں یہ آپ کی سب سے بلند پایہ تصنیف ہے سچ پوچھئے تو آپ اس فن کے بحیثیت فن کے موجد ہیں اس موضوع پر ایسی کوئی کتاب نہ پہلے لکھی گئی نہ بعد میں۔ پوری علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے

الفوز الکبیر۔ اصول تفسیر میں ایک مختصر رسالہ ہے مگر نہایت جامع اور بالکل انوکھے اور نئے انداز پر اس میں شاہ صاحب نے علوم قرآن کو پانچ قسموں پر تقسیم کیا ہے اور ناسخ ومنسوخ نیز اسباب نزول پر بصیرت افروز معلومات فراہم کی ہیں، اس جیسی کتاب بھی ملنی مشکل ہے۔ ابن تیمیہؒ کا مقدمۂ علم تفسیر اس کے سامنے ماند ہے۔

اس طرح شاہ صاحب کی پچاسوں تصنیفات ہیں جن میں عجیب وغریب علوم اور تحقیقات کے موتی بکھرے ہوئے ہیں۔

تصنیفات کے علاوہ آپ سے فیض حاصل کرنے والے بہت سے تلامذہ تھے۔ جنھوں نے شاہ صاحب کی اس اصلاحی تحریک کو تدریس وتحریر کے ذریعہ باقی رکھا اور اس میں وسعت پیدا کی۔ ان میں آپ کے صاحبزادہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی ہیں۔ جو شاہ صاحب کے جانشین بنے۔ شاہ صاحب کے چار صاحبزادے تھے چاروں ہی علم وفضل میں کمال رکھتے تھے۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است کا مصداق تھے۔

شاہ صاحب کا مسلک

شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اتنے کمالات سے نوازا تھا۔ مثلاً علم میں وسعت استدلال میں قوت، فکر وفہم میں استقامت، قلب کی صفائی اور اتباع سنت۔ کہ آپ کے لئے کسی ایک امام کی تقلید ضروری نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی طور پر یہ استفادہ کیا تھا کہ مذاہب اربعہ کی تقلید سے باہر نہ جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا تھا کہ فقہ حنفی سنت اور حدیث سے بنسبت اور مذاہب کے سب سے قریب ہے اسلئے شاہ صاحب امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے اقوال میں سے جس کو حدیث سے زیادہ قریب سمجھتے تھے لے لیتے تھے اور فقہاء احناف میں جن کو حدیث سے زیادہ مناسبت تھی ان کے اختیارات کا اتباع کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے اپنے ایک شاگرد کی صحیح بخاری پر اجازت دیتے وقت اپنے کو مذہباً حنفی لکھا ہے۔

آخری عمر میں ایک متعصب شیعہ حاکم نجف علی خاں نے آپ کے پہونچے اتروادئے تھے تاکہ کوئی کتاب اور مضمون نہ لکھ سکیں۔

وفات۔ محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں دہلی میں انتقال ہوا اور مہدیان میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(ماخوذ از فوائد جامعہ ص ۲۷۶ تا ص ۲۸۶ و ظفر المحصلین ص ۵ تا ص ۶۸ والعقیدۃ العالیہ وامام شاہ ولی اللہ مولانا عبدالقیوم مظاہری)

شیخ ابوطاہر کردی مدنی رح

ولادت ۱۰۸۱ھ وفات ۱۱۶۳ھ یا ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء

نام ونسب نام محمد عبدالسمیع، ابوطاہر کنیت اور جمال الدین لقب تھا۔ کردی مدنی نسبت۔

ولادت اور تعلیم مدینہ منورہ میں ۲۱ رجب ۱۰۸۱ھ کو پیدا ہوئے۔ اپنے والد بزرگوار شیخ ابراہیم کورانی مدنی سے علوم نقلیہ وعقلیہ حاصل کئے اور خرقۂ خلافت بھی، والد بزرگوار نے شیخ محمد بن سلیمان مغربی سے بھی اجازتِ روایت اور خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ نحو وادب نیز فقہ ومعقول کی تعلیم ماہر اساتذہ سے حاصل کی تھی۔ حدیث کا فن والد صاحب کے بعد اکثر وبیشتر شیخ حسن عجیمی سے حاصل کیا۔ ان ہی سے صحاح ستہ کا سماع کیا۔ اس کے بعد شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری سے بھی پڑھا تھا۔ شیخ عبداللہ بصری سے شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی اور دو مہینے سے کم میں مسند احمد کا سماع کیا۔

حرمین تشریف لانے والے علماء سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ انہی میں سے شیخ عبداللہ لاہوری ہیں جن سے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصنیفات از شیخ عبداللہ لبیب از ملا عبدالحکیم سیالکوٹی روایت کرتے ہیں۔ اور شیخ عبدالحق کی تصانیف بھی بایں واسطہ عبدالحکیم سے روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ عبدالحکیم شیخ عبدالحق کے شاگرد ہیں۔

انہی میں سے شیخ سعید کوکنی بھی ہیں جن سے ادب کی بعض کتابیں اور ایک ربع کے بقدر فتح الباری پڑھی تھی۔

شیخ ابوطاہر سلف صالحین کی صفات ورع وتقوی، طاعت الٰہی میں سعی، علم کے ساتھ اشتغال اور بحث وتکرار میں انصاف کے ساتھ متصف تھے۔ اتنے نرم دل تھے

تھے کہ جب رقاق کی حدیثیں پڑھتے تو آنکھوں میں آنسو بھر لاتے۔ لباس وغیرہ میں تکلف نہیں برتتے تھے۔ اپنے خدام اور شاگردوں کے ساتھ نہایت تواضع سے پیش آتے تھے

صلاح و تقوی اور تصوف سے موصوف کو بڑا حصہ ملا تھا۔ زبردست عالم تھے مگر علوم حدیث کا ان پر غلبہ تھا صرف و نحو، معانی و بیان، بدیع، منطق، فرائض، حساب، جبر و مقابلہ وغیرہ تمام علوم کے جامع تھے۔ طلبہ کے پڑھانے میں بڑے مستعد تھے، علوم کی تحصیل و تعلیم اور نشر و اشاعت میں بڑے کوشاں تھے۔ کہا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ سے ستر کتابیں نقل کر کے رکھی تھیں وظائف اور معمولات تہجد وغیرہ کے رات میں ادا ہوتے اور قرآن کی تلاوت سفر و حضر میں کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ افتار کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے پوری صحیح بخاری ان سے پڑھی تھی اور فن کی مشکل باتیں ان سے حل کی تھیں۔ پوری مسند دارمی ان سے سنی اور صحاح ستہ کے اطراف ان کو سنائے انھوں نے شاہ صاحب کو اپنی تمام مرویات کی اجازت عطا فرمائی اور خرقۂ خلافت بھی۔ اپنی اسانید کے سلسلوں سے اچھی طرح واقف کرایا۔

وفات ۹ رمضان ۱۱۴۵ھ میں یا ۱۱۶۳ھ ۲۴ جمادی الاولیٰ مدینہ میں انتقال ہوا۔ بقیع میں دفن ہوئے۔ جنازہ میں بہت ازدحام تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(از فوائد جامعہ ص ۲۹۷ تا ص ۳۰۴)

اعلام زرکلی میں بحوالہ سلک الدرر لکھا ہے کہ ولادت ۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء میں اور وفات ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۳ء میں ہوئی۔ (اعلام زرکلی ص ۱۹۵/۵)

شیخ ابراہیم بن حسن کردی کورانی مدنی رحمہ اللہ

۱۰۲۵ھ ۱۱۰۱ھ عمر شریف ۷۶

شیخ ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین شہرزوری کردی کورانی شافعی۔ آپ کی کنیت ابوالعرفان اور لقب برہان الدین ہے۔ کوران کردوں کا ایک قبیلہ ہے۔ شہرزور ایک قصبہ کا نام ہے۔ ۱۰۲۵ھ میں اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔ پہلے وطن کے علماء سے علم حاصل کیا۔ تمام علوم عقلیہ اور آلیہ، تفسیر و فقہ کو وطن میں پڑھا۔ بیشتر علوم کی تحصیل ملا محمد شریف کورانی سے کی۔

اس کے بعد حج کے ارادہ سے قدم باہر نکالا۔ کم و بیش دو برس بغداد میں قیام کیا۔ شیخ عبدالقادر کے مزار پر متوجہ رہے اور تصوف کا مذاق یہیں سے پیدا ہوا۔ چار سال شام میں گذارے۔ مصر ہوتے ہوئے حرمین آئے۔ مدینہ منورہ آکر شیخ قشاشی کی صحبت اختیار کی۔ مصر سے گذرتے ہوئے شیخ شہاب الدین خفاجی اور شیخ سلطان مزاحی وغیرہ سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ شیخ قشاشی کی لڑکی سے شادی کی۔

شیخ قشاشی کو ان سے اور ان کو قشاشی سے خاص تعلق تھا۔ قشاشی سے حدیثیں روایت کیں۔ خرقۂ خلافت پہنا۔ ان کی صحبت میں بلند مراتب اور کمالات عالیہ کو پہنچے۔ اصول، کلام، فقہ و حدیث اور تصوف میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ ہر فن میں ان کے رسالے موجود ہیں۔ جن سے ان کی قوت تقریر و تحریر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

روشن دماغی، تبحر علمی، زہد و تواضع، صبر و حلم کی صفات سے متصف تھے۔ ان کے زمانہ میں تصوف، اصول، فقہ شافعی اور علم حدیث میں تمام بلادِ اسلامیہ کی نظر ان پر تھی۔ مشرق و مغرب سے ان کے پاس سوالات آتے تھے۔ اور موصوف ان کے جوابات دیتے تھے جو رسالے بن جاتے تھے ان کی مجلس گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ تھی۔ ان سے تحصیل علم کے لئے دور دور سے طالبان علوم دوڑے چلے آتے تھے۔ موصوف مسجد نبوی میں درس

دیتے تھے اور معرفت کا سمندر تھے۔ شاگردوں کا شمار مشکل ہے ان میں اکثر نامور علماء ہوئے ہیں
موصوف فارسی، کردی، ترکی اور عربی سب زبانیں جانتے تھے۔ ابن تیمیہ وغیرہ ائمۂ فن
کی طرف سے مدافعت کرتے تھے۔ اسی طرح جو کلمات صوفیہ کی زبان سے نکلے ہیں ان کی طرف
سے بھی جوابدہی کرتے تھے۔

تصنیفات آپ کی تصنیفات کی تعداد پچاس سے اوپر ہے۔ ان میں۔ الامم لایقاظ الہمم۔
بہت مشہور ہے۔ یہ حدیث کی سندوں کی ایک بڑی فہرست ہے۔ نہایت
مفید حدیثی، تاریخی اور کلامی مباحث نیز صوفیانہ نکات کی جامع ہے۔ یہ کتاب دائرۃ المعارف
حیدرآباد ہند سے شائع ہو چکی ہے۔

وفات موصوف ہمہ تن خدمت دین میں لگے رہے تا آنکہ ۱۸ ربیع الاول ۱۱۰۱ھ چہار
شنبہ بعد عصر رہ گذار عالم آخرت ہوئے۔ بقیع میں دفن کئے گئے۔ آپ کا سال
وفات۔ واللہ انا علی فراقک یا ابراھیم لمحزونون (۱۱۰۱) سے نکالا گیا ہے۔
شیخ محمد عابد سندھی نے لکھا ہے کہ موصوف کی تصنیفات اس لائق ہیں کہ آب چشم
سے لکھی جائیں اور ان کے حاصل کرنے میں مال اور اہل وعیال سے دریغ نہ کیا جائے۔
(ماخوذ از فوائد جامعہ ص۳۰۵ تا ص۳۱۴)

شیخ احمد بن محمد القُشاشی المالکی المدنی رحمہ اللہ

۹۹۱ھ ۱۰۷۱ھ ۸۱ سال عمر شریف

احمد بن محمد بن یونس بن احمد بن علی بن یوسف بن حسن البدری القشاشی المالکی المدنی۔

آپ کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے حضرت علیؓ تک اور ماں کی طرف سے حضرت تمیم داریؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ولادت ۹۹۱ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد محمد بن یونس قشاشی نے آپ کو شروع میں فقہ مالکی کی تعلیم دی۔ اس لئے کہ انھوں نے اپنے شیخ محمد بن عیسیٰ تلمسانی کے اتباع میں مذہب مالکی اختیار کرلیا تھا۔

سنہ۱۰۱۱ھ میں والد ماجد کے ساتھ یمن کے سفر کا اتفاق ہوا تو مشائخ یمن میں سے شیخ امین مرادحی، محمد غرب، شیخ احمد سطیحہ ذیلعی وغیرہم سے استفادہ کیا۔ پھر سیاحت کرتے ہوئے یمن سے مکہ معظمہ آگئے اور یہیں ایک عرصہ تک مقیم رہے۔ اسی زمانہ میں شیخ ابوالغیث شجر اور شیخ سلطان مجذوب کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔

پھر مدینہ منورہ آکر شیخ احمد بن الفضل، شیخ محمد بن عراق، شیخ عمر بن القطب اور شیخ بدرالدین عادتی وغیرہ سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں شیخ احمد بن علی شناوی کی صحبت اختیار کی ان سے حدیث کی تکمیل کی اور ان ہی کی لڑکی سے شادی کی۔

جب شیخ شناوی کا انتقال ہوگیا تو انکے رفیق سید اسعد بلخی کی صحبت اختیار کی اور ان سے استفادہ کیا۔ شیخ قشاشی کو کم وبیش سنہ۱۰۰ شیوخ سے ذکر و تلقین کی اجازت حاصل تھی آپکے پرداد اشیخ احمد دجانی بھی بڑے پایہ کے بزرگ تھے شیخ عبدالوہاب شعرانی نے طبقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ دجانہ بیت المقدس کے ایک دیہات کا نام ہے اس سے معلوم ہوا کہ قشاشی کا خاندان اصلا قدس کا رہنے والا تھا۔

قُشاشی کو قشاشی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنی نسبت کو مخفی رکھنے کے لئے قشاشہ بیچتے تھے

قشاشہ پُرانے سامان پرانے کپڑے وغیرہ کو کہتے ہیں۔

خرقۂ خلافت اپنے والد سے بھی پایا تھا اور کامیابی اور قبولیت شیخ احمد شناوی کے ہاتھ نصیب ہوئی۔ آپ اپنے کو انہی کی طرف منسوب کرتے تھے۔

ہر شخص کے ساتھ اس کے مرتبہ کے لحاظ سے گفتگو اور برتاؤ کرتے تھے۔ قوم کے سردار کی خصوصیت سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ نہایت نرم لہجہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتے تھے۔ آنے والوں کو نصیحت کے بغیر واپس نہیں کرتے تھے۔ شیخ عیسیٰ مغربی فرماتے ہیں کہ جب بھی میں قشاشی کے پاس سے اٹھا دنیا میری نگاہ میں حقیر سے حقیر تر اور میرا نفس ذلیل سے ذلیل تر معلوم ہوا اگرچہ میرا ان کی خدمت میں جانا بار بار کیوں نہ ہوا ہو۔

تلامذہ تلامذہ میں سید عارف باللہ عبدالرحمٰن مغربی ادریسی، شیخ عیسی مغربی جعفری، سید عبداللہ بافقیہ، اور شیخ ابراہیم بن حسن کورانی زیادہ مشہور ہیں۔

تصنیفات تصنیفات کی تعداد بارہ ۱۲ ہے ان میں السمط المجید فی تلقین الذکر والبیعہ والباس الخرقہ وسلاسل اہل التوحید۔ زیادہ مشہور ہے۔ حیدر آباد ہند سے طبع ہوئی ہے۔

۱۰۷۱ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، بقیع میں قبۂ حلیمہ سعدیہ میں مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(ماخوذ از فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ ص ۳۱۴ تا ص ۳۱۹)

شیخ احمد بن علی الشِّناوی المصری ثم المدنی رحمہ اللہ

۹۷۵ھ ۱۰۲۸ عمر شریف ۵۳ سال

شوال ۹۷۵ھ میں مصر کے ایک محلہ ردح میں پیدا ہوئے۔ آپ کے پردادا محمد بن احمد قطب بڑے اولیاء میں سے تھے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی کے شیخ ہوتے تھے ردح میں مدفون ہیں۔ شیخ احمد شناوی نے مصر ہی میں اپنے والد بزرگوار شیخ علی بن عبدالقدوس شناوی سے تعلیم حاصل کی۔ حدیث بھی پڑھی اور خرقۂ خلافت بھی پہنا۔ نیز محدث شمس الدین محمد بن احمد رملی، سید غضنفر بن جعفر بخاری ثم المدنی، قطب الدین محمد بن ابی الحسن بکری، شیخ حسن دنجی، شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالقادر بن فہد سے بھی استفادہ کیا۔

پھر مدینہ منورہ آکر سید صبغۃ اللہ بن روح اللہ سندی سے تصوف کے اعمال و اشغال کی تعلیم حاصل کی اور علم طریقت کی تکمیل کی، ان سے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا۔ اور بڑے مراتب پر فائز ہوئے۔ طالبین کی تربیت میں ان کے خلیفہ بن گئے۔

شیخ شناوی شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ حرمین شریفین میں ان کی بڑی شہرت ہوئی۔ ہر علاقہ میں ان کے خلفاء تھے جن کو بلند مراتب حاصل تھے۔

شِناوی مصر کے ایک قریہ شِنّو کی طرف نسبت ہے جو مصر کے مغربی حصہ میں واقع ہے اسی کے ایک محلہ ردح میں پیدا ہوئے تھے۔

تلامذہ جن علماء نے آپ سے سند لی اور اکتساب فیض کیا ان میں سید سالم بن احمد شیخان، محمد عمر بن حبشی غرابی، شیخ صفی الدین احمد بن محمد دِجانی قشاشی زیادہ مشہور ہیں۔

وفات ۸ر ذی الحجہ ۱۰۲۸ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ بقیع الغرقد میں اپنے شیخ سید صبغۃ اللہ سندی کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

فائدہ موصوف کی ایک مفید بات یہ درج کی گئی ہے کہ محدثین کے یہاں سند میں کمتر واسطے علو سند کا باعث ہوتے ہیں کیونکہ راویوں کا نام کم ہونے کی وجہ سے نقد و تفتیش میں سہولت ہوتی ہے۔ لیکن طریقت کی سند میں رجال کی کثرت زہد و تقویٰ کا باعث ہوتی ہے اور سند کی عظمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ متقدم کو متاخر پر فضیلت ہوتی ہے اور اس کی مدد متاخر کے شامل حال ہوتی ہے۔

تصنیفات آپ کی ۲۷ تصنیفات کا تذکرہ فوائد جامعہ میں کیا گیا ہے۔

(دیکھئے فوائد جامعہ ص۳۱۹ تا ص۳۲۲)

شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن حمزہ الرملی المنوفی المصری الشافعی رح

۹۱۹ھ جمادی الاولیٰ ۱۰۰۴ھ جمادی الاولیٰ عمر ۸۵ سال

موصوف جمادی الاولیٰ ۹۱۹ھ میں منوفہ مصر میں پیدا ہوئے۔ شروع میں قرآن مجید یاد کیا پھر بہجہ وغیرہ یاد کیں اور تمام تر تعلیم اپنے والد بزرگوار شیخ احمد رملی سے حاصل کی حدیث کی سند موصوف کو شیخ الاسلام زکریا انصاری اور شیخ برہان الدین بن ابی شریف سے بھی حاصل تھی مورخ نجم غزی نے لکھا ہے کہ ان کو شیخ الاسلام احمد بن النجار حنبلی، شیخ الاسلام یحییٰ دیمری مالکی، شیخ الاسلام طرابلسی حنفی، اور شیخ سعد الدین ذہبی شافعی سے بھی روایتِ حدیث کی اجازت حاصل تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ، فہم اور علم و عمل کی نعمتوں سے نوازا تھا۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی نے طبقات الوسطیٰ میں لکھا ہے۔ کہ میرا ان کا ساتھ اس وقت سے جب سے میں ان کو کندھوں پر بٹھاتا تھا اس وقت تک ہے۔ میں نے ان میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس سے ان کے دین پر حرف آتا ہو۔ یہ بچپن میں بھی بچوں کے ساتھ کبھی نہیں کھیلے بلکہ ان کا نشو و نما اور تربیت دین و تقویٰ اور حفاظت نیز آبرو کی صفائی اور اعضاء کی

طہارت کے ساتھ ہوئی ان کے والد نے ان کی بہترین تربیت کی۔ جب میں ان کو گود میں اٹھاتا اس وقت میں مدرسہ ناصریہ میں ان کے والد سے پڑھتا تھا۔ اس وقت بھی ان میں صلاح وتقوی اور خیر کے آثار دیکھتا تھا۔ ان سے جو امید تھی اللہ نے پوری کر دکھائی اور محبت رکھنے والوں کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ چنانچہ اس وقت بھی ان کی ذات مصر میں فتوی نویسی کے اندر مرجع خلائق ہے اور اہل مصر کا ان کی دینداری پر اتفاق ہے بحمداللہ یہ اس میں ترقی کر رہے ہیں۔

موصوف والد بزرگوار کے بعد ان کی مسندِ درس پر متمکن ہوئے اور اس شان سے تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا کہ ان کے والد کے نامور شاگرد جیسے ناصر الدین طبلاوی اور شہاب الدین احمد جن کا شمار اس دور کے بلند پایہ علماء میں تھا ان کے حلقۂ درس میں استفادہ کی غرض سے شرکت کرتے تھے۔

موصوف کئی مدرسوں کے متولی رہے اور شافعیہ کی مسند افتاء پر بھی فائز ہوئے ان کی جلیل القدر خدمات کی وجہ سے شیخ شبلی نے ان کا شمار مجددین میں کیا ہے۔

وفات۔ ۱۳ر جمادی الاولی ۱۰۰۴ھ میں یکشنبہ کو مصر میں انتقال ہوا۔

رملہ۔ رَملہ مصر میں منیۃ العطار کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ ایک رملہ شام میں بھی ہے یہ مصر کے رملہ کی طرف منسوب ہیں۔

(از فوائد جامعہ ص۳۲۶ تا ص۳۲۸)

شیخ الاسلام زین الدین زکریا بن محمد بن احمد الانصاری الشافعیؒ

۸۲۳ھ　　تقریباً ۹۲۴ھ / ۹۲۶ھ　　عمر ۱۰۱ یا ۱۰۳ سال

موصوف ۸۲۳ھ میں مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں سُنیکہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم ہوئی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور فقہ میں مختصر تبریزی اور عمدۃ الاحکام کا کچھ حصہ یاد کیا۔ ۸۴۱ھ میں قاہرہ آئے۔ کچھ عرصہ قیام کر کے واپس چلے گئے پھر دوبارہ آئے اور جامع ازہر میں علوم اسلامیہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ فرماتے ہیں جامع ازہر میں اکثر بھوکا رہتا تھا رات کو نکلتا وضو کرنے کی جگہ تربوز کے چھلکے مل جاتے ان کو دھل کر کھالیتا اسی طرح کئی برس گذر گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک شخص میرے پاس بھیجا اس نے میرے حالات دریافت کئے پھر وہ میرے کھانے پینے کا کفیل ہو گیا اور کہا تم مجھ سے اپنے حالات نہ چھپانا جب بلاؤ گے میں آجاؤں گا۔ اس کے ساتھ چند سال گذرے۔ ایک روز رات کو وہ آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔ اس نے مجھے جامع ازہر کی سیڑھیوں پر لیجا کر کہا اس زینہ پر چڑھو میں چڑھ گیا اس نے کہا اور چڑھو میں آخر تک چڑھتا گیا پھر کہا اترو۔ میں اتر آیا۔ اس نے کہا زکریا تم اپنے ہمسروں کے بعد مرو گے۔ ایک زمانہ تک تم شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز رہو گے تمہارے شاگرد بھی شیخ الاسلام بنیں گے اور اس وقت تم نابینا ہو گے۔۔۔ پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا اور کبھی نظر نہیں آیا۔

موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور ادب کی تکمیل اس دور کے نامور علماء سے کی تقریباً ڈیڑھ سو (۱۵۰) اساتذہ سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل تھی جن کو اپنے ثبت میں نام بنام گنایا ہے۔ افتاء و تدریس کی اجازت بھی سینکڑوں علماء سے حاصل تھی۔

آپ کے اساتذہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور ابن الہمام کمال الدین

حنفی متوفی ۸۶۱ھ جیسے مشاہیر بھی داخل ہیں۔

علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ عہدۂ قضاء پر تقرر ہوا تو روزانہ تین ہزار درہم ملتے تھے اس کے بعد نہایت عظیم الشان منصبوں پر تقرر ہوا۔ مقام امام شافعیؒ میں تدریس کا عہدہ ملا جو اس زمانہ کا سب سے بڑا عہدہ تھا۔ مدرسہ رفیعہ اور مدرسہ خانقاہ صوفیہ میں بھی مسند درس پر فائز رہے۔ ۸۸۶ھ میں قاضی القضاۃ بنائے گئے۔ اور بیس برس تک اس پر فائز رہے۔ جب بینائی جاتی رہی اس وقت معزول ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ کے علم و عمل، مال و دولت اور عمر ہر چیز میں برکت عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح فراوانی سے دیا تھا اسی طرح دل کھول کر راہِ خدا میں دیتے تھے۔ علامہ شعرانی فرماتے ہیں میں نے موصوف سے بڑھ کر صدقہ خیرات کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اور اس خوبی سے دیتے کہ ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کو بھی پتہ نہ چلتا۔ بعض ناداروں کا یومیہ اور ماہانہ مقرر تھا۔

شیخ کی عمر سو سال سے زیادہ ہوئی لیکن معمولات میں فرق نہیں آیا تھا۔ بیماری میں بھی نوافل کھڑے ہو کر پڑھتے۔ شعرانی کہتے ہیں جب بھی میں انکے پاس بیٹھا ایسا معلوم ہوا کسی عارف صالح بادشاہ کے پاس بیٹھا ہوں۔ مصر کا بڑے سے بڑا عالم ان کے سامنے بچہ معلوم ہوتا تھا۔

بقول عیدروسی ۳ ذی قعدہ ۹۲۶ھ میں انتقال ہوا۔ ہزاروں تلامذہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کی بیالیس (۴۲) تصانیف کا تذکرہ فوائد جامعہ میں کیا ہے

(دیکھئے فوائد جامعہ ۳۴۳ تا ۳۴۹)

حافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد العسقلانی ثم القاہری الشافعیؒ حافظ ابن حجرؒ

شعبان ۷۷۳ھ　　ذی قعدہ ۸۵۲ھ　　عمر ۷۹ سال

آپ شعبان ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ چار سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ماں پہلے ہی انتقال کر چکی تھیں۔ پانچ برس کی عمر سے تعلیم شروع کی۔ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا بارہ برس کی عمر سے تراویح میں قرآن سنانا شروع کر دیا۔ اسی سال اپنے مربی کے ساتھ جو مصر کے بڑے تاجر تھے حج کیا۔ ایک سال تک حرم میں رہے اور یہیں شیخ عفیف الدین نشاوری مُسند حجاز سے بخاری کا سماع کیا اور دیگر مرویات کی بھی اجازت لی۔ اس کے بعد مختصرات علوم کو یاد کرنا شروع کیا پھر تاریخ کا شوق ہوا اور راویوں کے حالات سے شغف ہوا۔

۷۹۲ھ سے فنون ادب سے لگاؤ ہوا۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصائد لکھے رمضان ۷۹۶ھ سے حافظ عصر شیخ زین الدین عراقی سے تعلق ہوا اور دس برس تک ان کی صحبت میں رہ کر استفادہ کیا پھر حدیث سے ایسا شغف ہوا کہ آخر تک قائم رہا۔ اپنے استاد مسند قاہرہ شیخ ابواسحاق تنوخی کی سند سے سو عشاریات جمع کیں۔ پھر اسکندریہ کا سفر کیا۔ وہاں کے مشائخ سے ان کی مرویات کی اجازت لی پھر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، زبید، تعز (قلعۃ عظیمۃ من قلاع الیمن المشہورات معجم البلدان ص ۳۴) اور عدن وغیرہ میں بھی حدیثوں کا سماع کیا۔ یمن میں امام لغت مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس اور دیگر ارباب کمال سے استفادہ کیا۔ اور قاہرہ واپس آئے۔

پھر شام کا سفر کیا اور قطیّہ، غزّہ، رملہ، قدس اور دمشق وغیرہ میں شیوخ عصر سے استفادہ کیا دمشق میں سو دن رہے لیکن ایک ہزار جزء کا سماع کیا۔ جن میں معجم اوسط طبرانی معرفۃ الصحابہ لابن مندہ اور مسند ابی یعلی جیسی کتابیں شامل ہیں۔

واپس آکر تعلیق التعلیق لکھی، اور بُلقینی کی صحبت اختیار کر کے ان سے اجازت لی۔ حافظ عراقی نے بھی اجازت دیدی تو تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ ۸۰۸ھ میں اربعین متباینہ کا املا کرایا تشّو مجلسوں میں عشاریات الصحابہ املاء کرائیں۔ پھر مدرسہ جمالیہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ اور املاء بھی کرایا یہ سلسلہ ۸۱۴ھ میں منقطع ہوا۔ پھر تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔

۲۷ محرم ۸۲۷ھ میں عہدۂ قضاء سپرد ہوا۔ ماہ صفر میں املاء کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (یہ خود حافظ کی اپنی آپ بیتی ہے)

۸۱۹ھ میں جامع ازہر میں خطابت پر مامور ہوئے تھے۔ ابواسحاق تنوخی سے بخاری، ترمذی، نسائی، مؤطا مالک، دارمی، اور صحیح ابن حبان کا سماع کیا۔ اس طرح حافظ نے حدیث میں ایسا کمال بہم پہونچایا کہ ان کے شیوخ و اساتذہ بھی ان کی حدیث دانی کے معترف تھے۔ حافظ عراقی نے اپنی جانشینی کے لئے تین نام لئے۔ ابن حجر، میرا فرزند ابوزرعہ پھر ہیثمی، حافظ ابن حجر کو اسماء رجال اور حفظ حدیث میں نہایت بلند مقام حاصل تھا لیکن فقہ حدیث میں نہیں۔ فقہ حدیث میں خطابی اور نووی کا مقام اونچا ہے۔ حافظ اس باب میں فقط ناقل ہیں (قالہ الکشمیری)

علماء کو شکایت ہے کہ حافظ نے علماء کے ساتھ تذکرہ نگاری میں انصاف سے کام نہیں لیا ہے۔ اس کی شکایت بقاعی، سخاوی اور حاجی خلیفہ نے کی ہے۔ احناف کے باب میں خصوصًا یہ شکایت ہے۔

وفات ۸۵۲ھ ذی قعدہ میں پیچش کی شکایت میں ایک ماہ مبتلا رہ کر انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ تذکرہ نگاروں نے حافظ کے بارے میں بہت بلند الفاظ سے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ (ماخوذ از فوائد جامعہ ص۴۲۷ تا ص۴۲۲)

حافظ ابن حجر کی تالیفات کی تعداد بقول سیوطی ۱۸۶ ہے۔

(ظفر المحصلین ص۱۸۶)

شیخ زین الدین ابراہیم بن احمد تنوخیؒ ابواسحاق برہانُ الدین

۷۰۹ھ   ۸۰۰ھ   عمر ۹۱ سال

شیخ برہان الدین تنوخی (تنوخ عرب یا یمن کا کوئی قبیلہ ہے ۱۲ لسان العرب ص۱) ۷۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں تعلیم و تربیت پائی۔ قرارت، فقہ، اور حدیث کی تحصیل وقت کے علمار سے کی۔ حدیث چار سو سے زائد مشائخ سے حاصل کی۔ حدیث میں ایسا کمال حاصل کیا کہ ان کے اساتذہ بھی ان سے روایت کرتے تھے۔ حافظ ذہبی نے بھی باوجود ان کے شیخ ہونے کے ان سے ایک جز کا سماع کیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے درر کامنہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ دیارِ مصر میں قرارات اور اسناد میں مسلم امام تھے۔ (درر کامنہ ص۱۱)

اخیر عمر میں زبان موٹی ہو گئی تھی پھر بینائی بھی جاتی رہی تھی جس کی وجہ سے برہان الشامی الضریر، کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں مجھے ایک زمانہ تک موصوف کی صحبت میں رہنے کی سعادت حاصل رہی، میں نے ان سے خوب استفادہ کیا۔ حدیث کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابوں کا سماع کیا۔ انھوں نے میرے حق میں دعار بھی کی جس کے آثار اب بھی محسوس کرتا ہوں۔

وفات ۸ر جمادی ۸۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(فوائدِ جامعہ ص۴۴۳ تا ص۴۴۵)

شیخ احمد بن ابی طالب الحجار ابوالعباس، شہاب الدین، ابن شحنہ

قبل ۶۲۴ھ صفر ۷۳۰ھ عمر ۱۰۶ سال

آپ ۶۲۴ھ سے قبل پیدا ہوئے۔ ۶۳۰ھ میں دمشق کے اندر قاسیوں میں محدث زبیدی سے صحیح بخاری کا سماع کیا اور اس زمانہ کے نامور محدثین ابن اللتی، قطیعی، ابن روزبہ اور جعفر ابن علی سے حدیثیں سنیں پھر حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ عمر نہایت طویل پائی تھی جس کی وجہ سے موصوف نے سند میں پوتوں کو دادوں سے ملا دیا تھا۔ ۶۳۰ھ میں محدث ابن اللتی سے بھی ان کو سماع حاصل تھا پھر ابن الزبیدی سے بخاری کے سامعین میں ان کا نام ملا تو محدثین کو غیر معمولی خوشی ہوئی۔

دمشق، قاہرہ، حماۃ، بعلبک، حمص وغیرہ میں کم و بیش ستر (۷۰) مرتبہ بخاری پڑھائی اور زندگی میں بڑا اعزاز و اکرام حاصل کیا۔

موصوف میں بڑی دینداری تھی نماز باجماعت کی پابندی کرتے تھے نفلی روزے بھی رکھتے تھے حالانکہ سو برس کے ہو چکے تھے۔

ابن کثیر کہتے ہیں۔ ان کا ابن الزبیدی اور ابن اللتی سے سماع ثابت ہے۔ انھوں نے ابن الزبیدی سے ۶۳۰ھ میں صحیح بخاری کا سماع کیا تھا اور ۹ر صفر ۷۳۰ھ میں انھوں نے جامع دمشق میں سماع کرایا اور ہم نے اسی زمانہ میں ان سے سماع کیا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ۔ حفاظ حدیث ان پر ٹوٹے پڑتے تھے اور شہر شہر سے ان کی طرف سفر کر کے پہونچتے تھے ۷۰۶ھ سے وفات تک ٹھٹ لگا رہتا تھا اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو لوگ سند میں ایک درجہ کمتر ہو گئے۔

ابن کثیر نے فرمایا کہ ۲۵ برس تک موصوف کا قیام مقدم الحجار میں رہا تھا اسلئے حجار سے مشہور ہوئے۔ آخر میں درزی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔

وفات دوشنبہ کو ۲۵ ر صفر ۷۳۰ھ میں عصر کے وقت روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ مظفری میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور خانقاہ رومی میں جامع الاخرم کے پاس سپردِ خاک کئے گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (فوائدِ جامعہ ص۴۴۵ تا ص۴۴۹)

شیخ سراج الدین حسین بن مُبارک زَبیدی بغدادی حنفی

۵۴۵ھ یا ۵۴۶ھ صفر ۶۳۱ھ عمر ۸۶ یا ۸۵ سال

نام ونسب حسین بن المبارک بن محمد بن یحیٰ بن علی بن مسلم بن موسٰی بن عمران الربعی۔ اصلاً زَبیدی تھے۔ پھر بغدادی ہوگئے۔ (زبید سمندر کے کنارے ایک شہر کا نام ہے یمن میں ہے)

موصوف مشہور زاہد شیخ محمد بن یحیٰ زبیدی کے پوتے تھے ۵۴۶ھ یا ۵۴۵ھ میں پیدا ہوئے پہلے قرآن مجید مختلف قراءتوں سے پڑھا اور پھر علوم وفنون کی تحصیل کی۔ اپنے دادا شیخ ابوالوقت، ابوزرعہ اور ابوزید حموی سے حدیث وفقہ پڑھی اور ان میں بصیرت پیدا کی پھر وزیر ابوالمظفر بن ہبیرہ کے مدرسہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ موصوف مذاہب فقہیہ کے وسیع النظر عالم اور روایت حدیث کے مستند شیوخ میں سے تھے۔

موصوف کو ادب میں بڑی دستگاہ تھی۔ لغت اور قرارت میں ان سے منظومہ بھی یادگار ہے۔ فقیہ، فاضل، متدین، نیک، متواضع اور با اخلاق تھے۔ موصوف نے بغداد۔ دمشق، حلب وغیرہ شہروں میں حدیث کا درس دیا۔ بہت سے لوگوں نے ان سے سنا۔ جن میں بہت سے حفاظ بھی ہیں جیسے دبیثی اور ضیاء الدین اور آخری شخص ان سے روایت کرنے والے حجار صالحی ہیں جنھوں نے ان سے صحیح بخاری وغیرہ کا سماع کیا تھا۔ آپ کا مشیخہ (معجم شیوخ) بھی لکھا گیا ہے۔ ۲۳ ر صفر ۶۳۱ھ میں انتقال ہوا اور جامع منصور بغداد میں دفن ہوئے۔ آپ کی تصنیف البلغہ فقہ میں مشہور ہے۔

(از فوائد جامعہ ص۴۵)

شیخ ابوالوقت عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب سنجزی ہرویؒ

۴۵۸ھ ۵۵۳ھ عمر ۹۵ سال

موصوف ۴۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ہرات میں تعلیم و تربیت پائی۔ ان کے والد ابوعبداللہ عیسیٰ سو برس سے متجاوز ہوئے۔ وہ محدث علی بن بشری سے سماع حدیث میں منفرد تھے۔ یہ ان کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر بوشنج لائے اور یہاں انھوں نے ۴۶۵ھ میں محدث جمال الدین داؤدی وغیرہ سے صحیح بخاری، مسند دارمی اور منتخب عبد بن حمید وغیرہ کا سماع کیا۔ (بوشنج ہرات کے اطراف میں ایک شہر ہے)

موصوف کے شیوخ حدیث میں ابوعاصم الفضل، محمد بن ابی مسعود اور شیخ الاسلام عبداللہ الضاری کا نام سرفہرست ہے۔ شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ الضاری کی صحبت بیس۲ برس سے زیادہ اٹھائی۔

روایت حدیث میں ایسی سیادت پائی کہ ہمعصروں میں سے کسی کے لئے نہیں دیکھی۔ طویل عمر پائی۔ چھوٹوں کو سند میں بڑوں سے ملا دیا۔ صائب الرائے اور حاضر دماغ تھے بہت نیک اور متواضع تھے بغداد آئے تو خلقت ان پر لوٹ پڑی۔

بصرہ، عراق اور حجاز کا سفر کیا اور وہاں کے علمار سے بھی افادہ اور استفادہ کیا۔ بڑے ذاکر اور تہجد گذار تھے۔ رونے دھونے والے اور یادگار سلف تھے۔ قرارت پر بڑے صابر تھے۔

سجزی۔ سجستان کی طرف غیر قیاسی نسبت ہے۔

وفات۔ ۶، ذی القعدہ ۵۵۳ھ میں ۹۵ برس کی عمر میں جبکہ سفر حج کی تیاری کر رہے تھے انتقال ہوا زبان پر آیت یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ۔ جاری تھی۔

(فوائد جامعہ ص۴۵۲)

شیخ عبدالرحمٰن بن محمد البوشنجی الداؤدی

۴۷۳ھ ۴۶۷ھ عمر ۹۴ سال

ربیع الاول ۴۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابو علی فخروی سے ادب پڑھا۔ ابوبکر قفال مروزی، ابوالطیب سہل صعلوکی، ابو حامد اسفرائینی اور فقیہ ابوسعید بحر بن منصور سے نیشاپور، بغداد اور بوشنج میں فقہ کی تعلیم پائی، ابو علی دقاق اور ابو عبدالرحمٰن سلمی سے تصوف کی تحصیل کی اور ان کی صحبت سے خوب استفادہ کیا۔

محدث ابوالحسن بن الصلت سے بغداد میں، ابو عبداللہ الحافظ سے نیشاپور میں اور ابو محمد بن ابی شریح وغیرہ سے بوشنج میں حدیثوں کا سماع کیا اور پھر درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور ارشاد و تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ بڑے ذاکر و شاغل تھے

موصوف اپنے جدّ اعلیٰ داؤد بن احمد کی طرف منسوب ہوکر داؤدی کہلاتے ہیں۔ مشائخ خراساں کے سرتاج تھے۔ نواح بوشنج کا تو ذکر ہی کیا اہلِ خراسان میں ان کا فضل و کمال، ان کی سیرت و تقوی مشہور تھا۔ تصوف میں بلند مقام حاصل تھا۔ ان کے شاگردوں میں ابوالحسن مسافر بن محمد علی بسطامی نیشاپوری، ابو محمد بن محمد علی بسطامی نیشاپوری، ابوالوقت عبدالاول بن عیسیٰ سجزی ہروی، ابوالمحاسن اسعد بن علی الحنفی، اور ام الفضل عائشہ بنت ابی بکر بن بحر بلخی وغیرہم شامل ہیں۔ اسعد بن علی نے آپ کے بارے میں یہ شعر کہا ہے۔

ائمۃ العلم جربتہم ۔ وھن مذموم ومحمود ۔ سیرۃ داؤد وھم خیرھم ۔ فخیر ورع ورع داؤد

ذہبی نے لکھا ہے کہ شیخ ابو محمد بن حمّویہ سے زیادہ روایتیں کی ہیں اور یہ آخری محدث تھے جو ان سے بلاواسطہ روایت کرتے تھے۔

ایک دن آپ کی خدمت میں وزیر نظام الملک آیا تو شیخ نے اس کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے بندوں پر مسلط کر دیا ہے تو دیکھ لو تم اس کو کیسے جواب دوگے جب وہ تم

سے ان کے متعلق سوال کرے گا۔

موصوف کے عمدہ شعروں میں سے یہ دو شعر ہیں۔

کان فی الاجتماع بالناس نور ۔ ذھب النور وادلہم الظلام

فسد الناس والزمان جمیعا ۔ فعلی الناس والزمان سلام

منقول ہے کہ جب سے ترکمانوں نے خراسان کو لوٹا موصوف نے چالیس سال تک گوشت نہیں کھایا (کہ مبادا لوٹ کے جانور کا گوشت ہو) صرف مچھلی پر گذر بسر کی۔ اور جب ان کو یہ بتایا گیا کہ نہر کے جس کنارے مچھلیاں شکار کی جاتی ہیں اس کنارے پر ان کے سرداروں نے کھانا کھایا اور جو بچ رہا وہ اس میں پھینک دیا تو اس وقت سے مچھلیاں کھانا بند کر دیں۔

شوال ۴۶۷ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور بوشنج میں مدفون ہیں۔

(فوائد جامعہ ص۲۵۳ تا ص۲۵۶)

شیخ عبداللہ بن احمد بن حمُّویہ بن یوسف بن اعین السرخسی

۲۹۳ھ ۳۸۱ھ (تقریبًا ۳۷۳ھ) عمر ۸۸ سال

موصوف ۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور اس عہد کے اکابر محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔ فربری کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے اور راوی صحیح بخاری سے مشہور تھے۔ مُسنِدِ خراسان کے لفظ سے ذہبی نے آپ کو یاد کیا ہے۔

فربری سے صحیح بخاری کو، عیسیٰ بن عمر سمرقندی سے کتاب دارمی کو، ابراہیم بن خریم سے مسند عبد بن حمید اور تفسیر عبد بن حمید کو روایت کرتے تھے۔ اسّی سال کی عمر میں ذوالحجہ میں وفات ہوئی۔ (اس حساب سے سنۂ وفات تقریبًا ۳۷۳ھ ہوگا) لیکن شیخ محمد زکریا رحمہ سنۂ وفات ۳۸۱ھ لکھا ہے

(فوائد جامعہ ص۲۵۶)

(مقدمہ لامع ص۱۷۱)

شیخ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر فِربری شافعیؒ

۲۳۱ھ ۳۲۰ھ عمر ۸۹ سال

موصوف ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے، علوم دینیہ کی تحصیل کی اور ارباب کمال سے حدیثوں کا سماع کیا۔ فِربر میں علی بن خشرم سے حدیثیں سنیں۔ بقول بعض امام بخاری سے صحیح بخاری کا سماع دو بار کیا، ایک مرتبہ فربر میں ۲۴۸ھ میں دوسری مرتبہ بخارا میں۔

سمعانی کا کہنا ہے کہ امام بخاری سے صحیح بخاری کو تین مرتبہ سنا۔ ۲۵۳ اور ۲۵۴ میں اور ۲۵۵ھ میں فربری سے سب سے پہلے بخاری کو ابوزید قاشانی نے روایت کیا اور سب سے آخری راوی ابوعلی اسماعیل بن محمد بن احمد بن حاجب کسانی ہیں۔

بخاری سے صحیح بخاری کو نوے ہزار علماء نے سنا۔ آخر میں صرف فربری رہ گئے جیسا کہ ابن خلکان اور شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے اس کی تصریح کی ہے۔ (حافظ نے اس پر نقد کیا ہے جو گذر چکا)

فربری سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے مشہور حضرات بقول سید مرتضیٰ بلگرامی یہ ہیں۔

۱۔ ابواسحاق ابراہیم بن احمد مستملی، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن حمّویہ سرخسی، ابوالہیثم محمد بن مکی کُشمیہنی، شیخ معمر ابولقمان یحیٰ بن عمار بن مقبل بن شاہان ختّلانی

وفات

موصوف کا انتقال ۸۹ سال کی عمر میں ۳ر شوال ۳۲۰ھ کو ہوا۔

آپ متقی پرہیزگار ثقہ تھے۔

(فَربر۔ بخارا سے متصل جیحون کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر تھا)

(فوائد جامعہ ص۴۵۷)

مآخذ و مصادر

۱- ابن ماجہ اور علم حدیث۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہٗ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی
۲- اختصار علوم الحدیث۔ حافظ ابن کثیر مع شرحہ الباعث الحثیث لاحمد محمد شاکر مصری
۳- ارشاد الساری شرح البخاری۔ ابو العباس احمد القسطلانی متوفی ۹۲۳ھ
۴- اقوم المسالک فی بحث روایۃ مالک عن ابی حنیفۃ و روایۃ ابی حنیفۃ عن مالک للعلامۃ محمد زاہد الکوثری۔
۵- الانتصار والترجیح لسبط ابن الجوزی
۶- بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی۔ للکوثری متوفی ۱۳۷۱ھ
۷- تاریخ بغداد للخطیب البغدادی
۸- تبییض الصحیفۃ للامام السیوطی متوفی ۹۱۱ھ میر محمد کراچی
۹- تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی۔ للحافظ السیوطی "
۱۰- تذکرۃ الحفاظ۔ للحافظ الذہبی متوفی ۷۴۸ھ
۱۱- ترجمان السنۃ۔ مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ندوۃ المصنفین دہلی
۱۲- تقریر بخاری۔ علامہ شبیر احمد عثمانی شائع کردہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات، الہند
۱۳- توجیہ النظر الی اصول الاثر۔ لطاہر بن صالح بن احمد الجزائری الدمشقی م ۱۳۳۸ھ بیروت
۱۴- تہذیب التہذیب۔ للحافظ ابن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ
۱۵- جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر المالکی متوفی ۴۶۳ھ منیریہ ۱۳۹۸ھ
۱۶- جامع الدراری شرح بخاری تقریر بخاری۔ مولانا عبدالجبار اعظمی، مکتبہ حرم مراد آباد ہند
۱۷- الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ۔ للشیخ عبدالقادر القرشی م ۷۷۵ھ دارالکتاب العربی بیروت

۱۸۔ الرفع والتکمیل۔ فی الجرح والتعدیل۔ للامام عبدالحیٔ اللکھنوی الہندی م ۱۳۰۴ھ
طبعہ ثالثہ حلب بیروت۔
۱۹۔ زہر الربی۔ حاشیۃ للسیوطی علی المجتبی للنسائی
۲۰۔ شروط الائمۃ الخمسۃ۔ للحافظ محمد بن موسی الحازمی متوفی ۵۸۴ھ مطبوعہ مع ابن ماجہ کراچی
۲۱۔ شروط الائمۃ الستۃ۔ للحافظ محمد بن طاہر المقدسی متوفی ۵۰۷ مع تعلیق الکوثری " "
۲۲۔ ظفر المحصلین باحوال المصنفین۔ مولانا محمد حنیف گنگوہی مع قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون
۲۳۔ عجالۂ نافعہ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ
۲۴۔ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للعراقی۔ للشیخ شمس الدین السخاوی م ۹۰۲ھ مکتبہ سلفیہ
مدینہ منورہ
۲۵۔ الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ۔ للامام عبدالحیٔ اللکھنوی الہندی متوفی ۱۳۰۴ھ
۲۶۔ فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ۔ مولانا عبدالحلیم چشتی
۲۷۔ فضل الباری تقریر بخاری مولانا شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ۔ ترتیب مع اضافات
مولانا قاضی عبدالرحمٰن۔
۲۸۔ فیض الباری تقریر بخاری۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ مرتبہ مولانا بدر عالم میرٹھی
۲۹۔ ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ میر محمد کراچی
۳۰۔ مقدمۂ اوجز المسالک الی مؤطا الامام مالک۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی م ۱۴۰۲ھ
۳۱۔ مقدمۂ انوار الباری لشرح البخاری۔ مولانا سید احمد رضا بجنوری مدظلہ
۳۲۔ مقدمۂ ارشاد الساری۔ لابی العباس احمد القسطلانی متوفی ۹۲۳ھ بمصر
۳۳۔ مقدمۂ فتح الملہم لشرح صحیح مسلم۔ علامہ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء
۳۴ مقدمۂ نووی م ۶۷۶ھ لشرح البخاری (ما تمس الیہ حاجۃ القاری لصحیح الامام البخاری) بتحقیق علی حسن علی
عبدالحمید۔ بیروت۔

۳۵- مقدمۂ لامع الدراری۔ شیخ محمد زکریا کاندھلوی[1] م ۱۴۰۲ھ، مطبوعہ ۱۳۷۹ھ مکتبہ یحیویہ سہارنپور (لیتھو)

۳۶- ھدی الساری مقدمۂ فتح الباری۔ للحافظ ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ شیخ ابن باز کے حاشیہ کے ساتھ مطبوعہ قصی محب الدین الخطیب۔ ومطبوعہ مکتبۂ یوسفی دیوبند، الہند۔

۳۷- مقدمۂ اعلاء السنن (قواعد فی علوم الحدیث) مولانا ظفر احمد عثمانی م ۱۳۹۴ھ۔ مع

۳۸- تعلیق الشیخ عبد الفتاح ابو غدہ۔ طبع ادارۃ القرآن کراچی۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمّد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] لامع کا دوسرا نسخہ وہ ہے جو ٹائپ پر چھپا ہوا ہے اس کے صفحات بھی بہت سی جگہ لکھے ہوئے ہیں جو لیتھو والے سے زیادہ ہوتے ہیں۔

صاحبِ تصنیف

نام مولانا فضل الرحمن صاحب بن مولانا قاری حفیظ الرحمن صاحب اعظمی مفتی مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو۔ آپ کے والد ماجد محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ کے خاص شاگرد اور مئو کے مشہور عالم ہیں ۱۳۸۴ھ سے ۱۳۸۸ھ تک جامعہ ڈابھیل میں صدر قاری رہے اور ناگپور میں بھی کام کیا۔ اب محدث اعظمیؒ کے مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو کے مدرس مفتی ہیں۔ مفتی نظام الدین اعظمی مدظلہ نے فرمایا دو آدمی محدث اعظمیؒ پر فدا تھے مولانا عبد الجبار صاحب اعظمیؒ اور قاری حفیظ الرحمن صاحب مدظلہ۔

خدمات ۱۳۸۶ھ میں مدرسہ مفتاح العلوم مئو سے فراغت ہوئی پھر سبعہ عشرہ وغیرہ کی تکمیل ہوئی اور محدث اعظمیؒ کی نگرانی میں فقہ وغیرہ میں تخصص کیا۔ پھر مظہر العلوم بنارس میں رہ کر مشکوٰۃ ترمذی وغیرہ مختلف کتابیں اور افتاء کی ذمہ داری سنبھالی۔ پھر ۱۳۹۴ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لائے اور مختلف کتابیں جلالین، مشکوٰۃ، طحاوی وغیرہ پڑھائیں۔ اس قیام کے دوران تاریخ جامعہ ڈابھیل مرتب فرمائی جو شائع ہو چکی ہے پھر ۱۴۰۶ھ میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ آزادول جنوبی افریقہ تشریف لے گئے اور ۱۴۱۰ھ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے ـــ دیگر ممالک کے اسفار بھی ہوتے رہتے ہیں مثلاً لندن، حرمین شریفین، ترکستان اور افریقہ کے دیگر ممالک وغیرہ۔ مولانا حکیم محمد اختر صاحب پاکستان (خلیفہ مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ) نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا۔

تصانیف **مطبوعہ**: (۱) تو بیا در جلسہ میں اطمینان کا وجوب اور ان دونوں میں اذکار کا ثبوت (۲) تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات (۳) امامت سے متعلق اہم اور ضروری ہدایات (۴) عمامہ، ٹوپی، کُرتا در انگلش (۵) شب برأت کی حقیقت در انگلش (۶) عیدین کی نماز شہر کے باہر میدان میں پڑھنا سنت ہے در انگلش۔

غیر مطبوعہ: (۱) مقدمہ ترمذی (۲) مقدمہ طحاوی (۳) مقدمہ تفسیر وحدیث (۴) صحیح اور مناسب ترمسافت قصر وغیرہ۔

مندرجہ بالا کتب جلد منظرِ عام پر آ رہی ہیں

الوسائل إلى معرفة الأوائل
حیرت انگیز
اسلامی معلومات
دینی معلومات ونوادر کا ایک انمول خزانہ، جس میں اسلامی وقائق
تاریخی حقائق اور ادبی پہلو سے ہر چیز کی ابتداء بیان کی گئی ہے کہ کسی
چیز یا عمل کا اول بانی موجد یا کرنے والا کون تھا۔
تالیف: الشیخ العلامہ امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطیؒ
ترجمہ: مولانا مفتی نور محمد چاٹگامی
تقریظ: مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی
جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن
تقریظ: مولانا فضل محمد صاحب
استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن
دارخواستی کتب خانہ
بالمقابل جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

قرآن کریم کے

بکھرے موتی

اردو ترجمہ! نثر المرجان من مشکلات القرآن

تالیف! شیخ القرآن مولانا محمد افضل خان صاحب مدظلہ

اردو ترجمہ! مولانا محمد فاروق صاحب حسن زئی

ارشادات و توجیہات

(۱) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۲) شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ

(۳) شیخ القرآن مولانا حسین علیؒ (۴) شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ

(۵) شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب (٦) شیخ القرآن مولانا محمد افضل خان صاحب

اخلاص اور توحید کی تعلیم کیلئے کتاب "قرآن کریم کے بکھرے موتی"

مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے

☆ ہر سورت کی ترتیب نزول نیز ماقبل سے ربط ☆ خلاصہ ☆ مشکل آیات کی توجیہات ☆ راجح مرجوح ☆ غلط توجیہ کی نشاندہی ☆ فقہی مسائل کی تنقیح ☆ بہت سے تفسیری فوائد اور نکات ☆ سادہ سلیس بامحاورہ اردو اور مشکلات مقامات پر تسہیلی نوٹ۔

ناشر

درخواستی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵
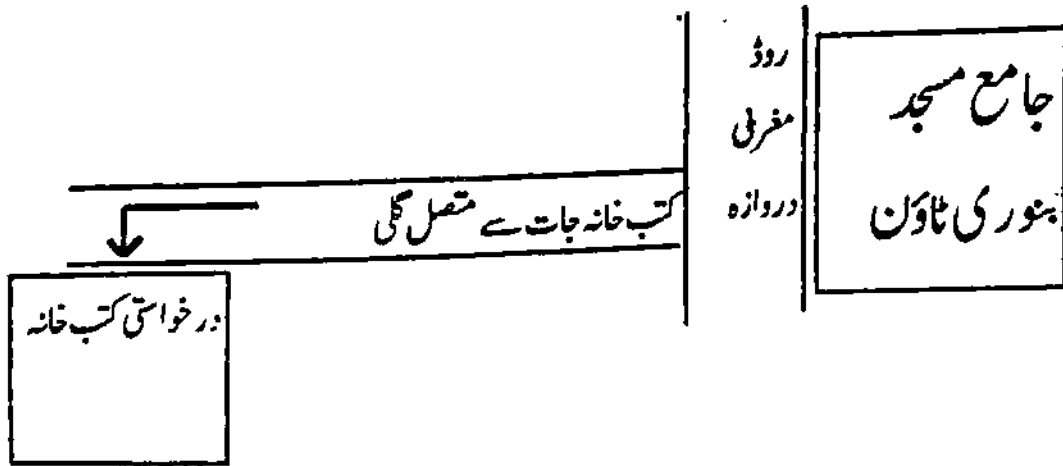
علاج قرآنی

مستند و مکمل کامل دو حصے جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

قرآن وحدیث سے بیماریوں کے علاج کا مستند مجموعہ ہر مسلمان گھرانے کی اہم ضرورت

حصہ اول	حصہ دوم
☆ بیماریوں کے مادی وروحانی اسباب	☆ حفاظت ایمان کے طریقے
☆ بیماریوں سے بچاؤ کے طریقے	☆ خواب میں زیارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وظائف
☆ طب نبوی کا طریقہ علاج	☆ دماغ، منہ، کان، آنکھ، گلے، سینے، پیٹ اور جسم کے تمام اعضاء کو لاحق ہونے والی چھوٹی بڑی بیماریوں کا قرآنی آیات، مسنون دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی سے علاج
☆ مرگی اور دورہ کے اسباب اور انکا طبی وروحانی علاج	
☆ طب جدید اور طب روحانی کے ماہرین کی مشترکہ جدید الیکٹرونک آلات کے ذریعہ تحقیق	

☆ مسلمانوں کو لاحق ہونے والی ہر جسمانی بیماری کا قرآن وحدیث کے ذریعہ علاج

☆ قرآن میں مسلمانوں کیلئے شفاء رکھی گئی ہے اعتقاد اور یقین کے ساتھ ہر بیماری سے شفاء پایئے

☆ علاج قرآن کا پہلا ایڈیشن ہمارے ہاں سے طبع ہوا تھا۔ اب ہمیں سعودی عرب سے چھپا ہوا عربی میں علاج قرآن کا زیادہ بہتر نسخہ دستیاب ہوا ہے جسمیں مرگی اور دورہ کی تشخیص وعلاج کو تحقیقی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

تالیف و تحقیق

الشیخ احمد بن محمود الدیب۔ سعودی

ترجمہ واضافات

مولانا حسین احمد نجیب

(سابق) رفیق دار التصنیف دار العلوم کراچی

معاونین

ڈاکٹر نبیل بن سلیم الماء البارد

ماہر امراض دماغ واعصاب (جرمن)

ڈاکٹر عبد الحکیم بن شوقی

ماہر اعصابی امراض (مصر)

ناشر

درخواستی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵